مسلم معاشرہ میں
خواتین کا علمی وادبی ذوق

بدرالحسن القاسمی

دارالعلم
قاضی نگر، پھلواری شریف، پٹنہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب: مسلم معاشرہ میں خواتین کا علمی وادبی ذوق
مصنف: بدرالحسن القاسمی
کمپوزنگ: ولی احمد سبیلی (کویت)
صفحات: ۲۶۴
سن اشاعت: ۱۴۳۸ھ-۲۰۱۷ء
قیمت: ۰۰-۱۵۰/روپے
ناشر: دارالعلم قاضی نگر، پھلواری شریف، پٹنہ

ملنے کے پتے

☆ امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ
☆ قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، بی-۵۳، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی-۳۱
☆ مکتبہ عزیزیہ، جامع مسجد-دہلی
☆ دارالعلوم سبیل السلام، مدینۃ العلم، صلالہ بارکس، حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۞

(الروم،آیت:۲۱)

اوراسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں، تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے رہتے ہیں۔

ﷺ

گزارش اَحوال واقعی

''مردوزن'' دونوں ہی نظر آنے والی کائنات کا مرکزی زاویہ اور دستِ قدرت کی تخلیق کا حسین شاہکار ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے پر موقوف ہے، چنانچہ انسان نہ تنہا مرد کا نام ہے اور نہ تنہا عورت کا بلکہ انسانیت کی تکمیل دونوں کے اشتراک و اقتران پر مبنی ہے، اور انسانی معاشرہ کی تشکیل ہو یا انسانی نسل کی افزائش ''مردوزن'' دونوں کے درمیان ہم آہنگی اور توافق کے بغیر ممکن نہیں ہے اسلئے یہ کہنا کہ ع

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

حقیقت کا آدھا بیان اور مسئلہ کی صرف ایک شاعرانہ اور تخیلاتی تعبیر ہے جس میں صرف ظاہر کی عکاسی کی گئی ہے اور حُسن و جمال' رعنائی و برنائی اور جذب و کشش کے عنصر کو اہمیت دی گئی ہے معنوی خصوصیات و وجودزن کی مقصدیت اور حقیقی اِفادیت کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔

ساتھ ہی یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ جب تخلیق کا سارا نظام ہی موجب وسالب مؤثر و مت اُثر اور زیادہ کھلی تعبیر میں نَر اور مادہ پر قائم کیا گیا ہے اور جس کی {وَمِنۡ كُلِّ شَيۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ} (الذاریات، آیت:۴۹) کے ذریعہ نشاندہی کی گئی ہے تو پھر کسی ایک ہی جوڑے کے دو عنصروں کے بارے میں یہ سوال بے معنی اور یہ بحث ہی فضول ہے کہ دونوں میں افضل کون ہے اور مفضول کون؟ کس کے حقوق زیادہ اور کس کے کم ہیں؟

کیونکہ یہ تخلیقی حقیقت ہی دونوں کے لئے الگ الگ میدانِ کار کی بھی نشاندہی کرتی

ہے اور یہ واضح کردیتی ہے کہ کہاں دونوں کی یکجائی ضروری ہے اور کہاں دونوں کے درمیان دُوری وعلاحدگی؟

اسلام دین فطرت اور ''مرد وزن'' کے خالق کے متعین کردہ اُصولوں کا بیان ہے اسلئے اس کی تعلیمات میں کہیں بھی ناہمواری نہیں پائی جاتی، اور ان میں ''مرد وزن'' دونوں کی تخلیقی نوعیت' جسمانی ساخت اور مقصد حیات کو سامنے رکھ کر ایسی حد بندی کر دی گئی ہے کہ اس سے سرموانحراف بھی دونوں صنفوں کی تباہی کا باعث ہوگا۔

اور ''پردہ سیمیں'' ہو یا میگزینوں کے صفحات' اُن پر عورتوں کے ظاہر ہونے، ناچنے گانے اور تھرکنے کے حیاسوز مناظر نے اُنہیں مردوں کے ذوق گنہ کو تسکین دینے کا وسیلہ بنا دیا ہے جنہوں نے اُن کے جائز حقوق غصب کر رکھے ہیں اور اپنی نگاہوں کی زد سے لے کر ہر طرح کا ظلم خواتین پر رَوا رکھے ہوئے ہیں، اور ستم ظریفی یہ ہے کہ خواتین اپنی اس اہانت پر خوش اور ''تہذیب'' کے نام پر کی جانے والی بدسلوکی و بدتہذیبی پر شاداں وفرحاں ہیں!!

کتاب کے عنوانات کی مخاطب اَصل میں تو خواتین ہی ہیں اسلئے مرد اگر اس کتاب کو نہ پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے البتہ ایسے مرد جو عورتوں کو علم کی روشنی سے محروم رکھنا چاہتے ہیں، اسی طرح وہ گروہ جس کو مغرب کی حیاباختہ واخلاق سوز تہذیب اور اس کے زیر اَثر کام کرنے والے میڈیائی وسائل نے حُسن راہ گزر سے نظریں سینکنے کی مشق کرائی ہے اور آگے کی حدود پھلانگ جانے پر اُبھارا ہے انکے لئے بھی شاید عبرت وبصیرت کی بعض باتیں مل جائیں اور ان کو پنبہ وآتش کی یکجائی کی خطرناکی کا احساس ہو۔

زیر نظر صفحات نہ تو محنت اور توجہ سے لکھی ہوئی کوئی باقاعدہ کتاب ہے اور نہ ان کے ذریعہ مرد وزن سے متعلق تمام مسائل کے حل کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ مجموعہ محض کویت ریڈیو کی اُردو سروس سے پیش کئے جانے والے اُن متفرق نشریاتی

مضامین پر مشتمل ہے جن میں عورتوں کے علمی ذوق' معاشرہ میں عورت کے مقام اور مختلف طبقات سے وابستہ خواتین کی ذہنی وعقلی خصوصیات اور انکے اَدبی کمالات کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، انکی اشاعت کا مقصد موجودہ زمانہ کی فریب خوردہ خواتین کو ''صنف نازک'' کی حقیقی آزادی' ذہنی عروج کے حقیقی مفہوم اور خواتین کے اَدبی کمالات کی بعض جھلکیاں دکھلانا ہے تاکہ وہ یہ باوَر کرسکیں کہ انکی آزادی' جسم کی عریانی اور مردوں کے شانہ بشانہ چلنے میں نہیں ہے کمالات سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے میں ہے، اور انکی عزت و توقیر ''شمع انجمن'' بننے کے بجائے ''چراغِ خانہ'' ہی رہنے میں ہے۔

خیر خواہ
بدرالحسن القاسمی (مقیم کویت)

اسلام میں عورت کا مقام

انسان اپنی بناوٹ، جسم ورُوح کے اِمتزاج اور قلب وقالب کی یکسانیت کے لحاظ سے دستِ قدرت کی صنعت گری کا بے مثال نمونہ ہے، اور اس کی دونوں صنف ''مرد'' اور ''عورت'' اپنی جسمانی خصوصیات، دماغی توانائیوں اور نفسیاتی وجذباتی اَوصاف کے لحاظ سے قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں۔

''مرد'' کی تخلیق کے ساتھ ہی اس کے جوڑے کی تیاری اور ایک ہی ذات سے دونوں کی ساخت اور پھر ان دونوں کے ذریعہ نسل انسانی کی افزائش کا نظام قدرتِ حق کا عجیب و غریب کرشمہ ہیں۔

مرد وعورت دونوں کی اَصل ایک ہی ہے انسانیت میں دونوں یکساں شریک ہیں، کارزارِ حیات میں دونوں کیلئے ترقی کرنے کے بے پناہ امکانات ہیں اور معاشرہ میں دونوں کا بڑا مقام ہے۔

دَراصل انسانی معاشرہ کی تشکیل مرد وزن دونوں سے ہوتی ہے، تنہا مرد اور تنہا عورت دونوں الگ الگ رہ کر نہ زندگی کے بار کا تحمل کر سکتے ہیں اور نہ معاشرہ کی تشکیل کر سکتے ہیں۔

میدانِ حیات میں عورت کو مرد کی سر پرستی وحمایت اور مرد کو عورت کی تائید ورفاقت دَرکار ہے ہر ایک دوسرے کے بغیر نامکمل اور مقاصد زندگی کو پورا کرنے سے قاصر ہے، جہاں تک میدان عمل کا تعلق ہے تو اسکی تقسیم ہر ایک کی قوت وصلاحیت اور جسمانی ونفسیاتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر کی جاسکتی ہے تا کہ قانون فطرت کی خلاف ورزی نہ ہو، کسی بھی فرد یا گروہ پر اسکی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالا جاسکتا ورنہ نظامِ عالم میں بے ربطی اور نا آہنگی پیدا ہوگی اور کار

وبارِ حیات میں سُدھار کے بجائے بگاڑ آئے گا۔

اسلام دین فطرت ہے اسکی تعلیمات میں ہر چیز کو فطرت کے تقاضے کے مطابق اور انتہائی توازن واعتدال سے رکھا گیا ہے، جبکہ دوسری تہذیبوں اور دوسرے مذاہب ونظام ہائے حیات میں فطری تقاضوں کو نظر انداز کیا گیا ہے اسلئے وہ انسانیت کیلئے آئیڈیل نہیں بن سکتے۔

اور مرد وعورت کے بارے میں دیگر نظام ہائے حیات میں چونکہ بے حد ناہمواری پائی جاتی ہے اسی لئے معاشرہ طرح طرح کی اُلجھنوں سے دوچار رہتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے دنیا کے کسی خطہ میں بھی ''عورت'' کو اُس کا صحیح مقام حاصل نہیں تھا، کہیں عورتوں پر طرح طرح کی پابندیاں لگی ہوئی تھیں تو کہیں یہ بات زیر بحث تھی کہ عورتوں میں انسانی رُوح ہے بھی کہ نہیں؟ اور کہیں تو جہالت وبربریت اِس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی کہ بچیوں کی پیدائش کو باعثِ عار تصور کیا جاتا تھا اور انہیں پیدا ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد زندہ دَرگور کردیا جاتا تھا۔

قرآن نے اہل جاہلیت کی نفسیات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۞ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۞﴾ (سورہ النحل: ۵۸-۵۹)

(جب ان میں سے کسی کو بچی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی تو اُس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ اس خبر کے شرم سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ عار کے ساتھ اسے باقی رکھے یا مٹی میں دفن کردے، یقیناً بڑا ہی بُرا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں)۔

اسی طرح زندہ دَرگور کی جانے والی بچیوں کی داد رسی کا قرآن نے ذکر اس طرح کیا ہے:

﴿وَإِذَا الْمَوْءُ‌دَةُ سُئِلَت ۞ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۞﴾ (سورہ التکویر: ۸-۹)

(اور جب زندہ دَرگور کی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟)

سنن دارمی میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے عہد جاہلیت کا اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ: میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت زیادہ مانوس تھی جب میں اُسے پکارتا تو وہ دوڑ کر میرے پاس آتی تھی، ایک روز میں نے اُسے بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا راستے میں ایک کنواں تھا میں نے اُسے کنویں میں ڈھکیل دیا وہ چیختی رہی اسکی آخری آواز جو میرے کانوں میں پڑی وہ یہ تھی کہ ہائے اَبا جان ہائے اَبا جان! حضور اکرم ﷺ یہ واقعہ سن کر رو پڑے اور اتنا روئے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک تر ہوگئی۔

اس طرح کی مظلوم بچیوں کی دادرسی کیلئے ہی قرآن نے قیامت کی ضرورت اور اس دن کی باز پُرس کا ذکر کیا ہے کہ:

''جب زندہ دَرگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی ہے؟''
اس طرح کے ظلم کیلئے یقیناً انصاف کے دن اور میزان عدل کی ضرورت ہے۔

اسلام نے نہ صرف اس طرح کے ظلم کا خاتمہ کیا بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا اور اُنھیں علم واَدب سکھانا نیکی کا کام اور بڑے اَجر وثواب کا ذریعہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من ابتلي من هذه البنات بشيء فأحسن إليهن كن له ستراً من النار۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(جو شخص بچیوں کے ذریعہ آزمایا جائے اور وہ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے تو وہ بچیاں اُس کے لئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائیں گی)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة أنا وهو هكذا وضم أصابعه۔ (رواہ مسلم)

(جو شخص دو بچیوں کی کفالت کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔ (آپ ﷺ نے انگلیوں کو ملا کر یہ بات واضح فرمائی)۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

من عال ثلاث بنات أو مثلهن من الأخوات فأدبهن ورحمهن حتى يغنيهن الله أوجب الله له الجنة، فقال رجل يا رسول الله أو اثنتين قال: أو اثنتين قالوا أو واحدة قال: أو واحدة۔ (شرح السنۃ)

(جو شخص تین بیٹیوں یا بہنوں کی کفالت کرے اور انکی اچھی تربیت کرے اور انکے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے یہاں تک کہ اللہ اُنہیں بے نیاز کردے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کیلئے جنت لازم کردیتا ہے۔ کسی نے دریافت کیا کہ اگر دو بچیاں ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر دو بچیاں ہوں تب بھی، لوگوں نے کہا کہ ایک ہی بچی ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر ایک ہو تب بھی)

اسی مفہوم کی روایت یہ بھی ہے کہ:

مَن كان له ثلاث بنات وصبر عليهن وكساهن من جدته كن له حجاباً من النار۔ (ابن ماجہ)

(جس شخص کی تین بچیاں ہوں اور وہ صبر واستقامت کے ساتھ انکی تربیت کرے اور انکو اپنی محنت کی کمائی سے لباس پہنائے تو وہ اسکے لئے جہنم سے

حجاب بن جائیں گی)

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''الأدب المفرد'' میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:

ما من مسلم تدرکہ إبنتان فیحسن صحبتھما الا أدخلتاہ الجنۃ۔

(الأدب المفرد)

(جس مسلمان شخص کے پاس بھی دو بیٹیاں ہوں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہے تو وہی بچیاں اُس کے جنت میں داخل ہونے کا سبب بن جائیں گی)

معاشرہ میں عورت کا مقام بے حد بلند رکھا گیا ہے۔ ماں کی حیثیت سے اسکی قدر وعظمت ضروری ہے، بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ حسن عشرت ضروری ہے اور بیٹی کی حیثیت سے اسکی حسن تربیت ضروری ہے۔

جہاں تک علم وعمل میں باکمال بننے کی بات ہے تو اس میدان میں وہ مرد سے بھی سبقت لے جاسکتی ہے، مرد کی مردانگی صرف زندگی کے عام معاملات میں اسے فوقیت عطا کرتی ہے ورنہ فرعون کی بیوی آسیہ شوہر سے قطعی طور پر مختلف اور فوقیت رکھنے والی تھیں جبکہ حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں پیغمبروں کی شریک حیات ہونے کے باوجود بدترین انجام سے دوچار ہوئیں۔

حضرت مریمؑ کا مقام ہزاروں مردوں سے بڑھکر ہے حتیٰ کہ قرآن نے کہا کہ:

{لَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنْثَى۔}(سورہ آلِ عمران: ۳٦)

(لڑکا لڑکی کی طرح (اور اس کے درجہ) کا نہیں ہے)

اُمت مسلمہ میں حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ لاکھوں مردوں پر فوقیت رکھتی ہیں اور حضرت عائشہؓ تو ہزاروں مردوں کی معلمہ بھی تھیں جنہوں نے ان سے علم سیکھا، اُن میں بڑے بڑے صحابہؓ بھی شامل ہیں۔

قرآن نے عورت کے مقام کی تحدید کیلئے ایک وضاحت تو یہ کی کہ:

{وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ} (سورہ البقرہ/۲۲۸)

(ان کا بھی اسی طرح کا حق ہے جس طرح تمہارا اُن پر حق ہے)

اور عورتوں کو مالی تصرفات میں بھی مختار بنایا گیا ہے چنانچہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں وہ اپنا اختیار استعمال کرسکتی ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کے پاس املاک وجائیداد زیادہ ہو۔

شرعی اَحکام کی پابندی کر کے عورت مرد سے سبقت لے جاسکتی ہے، علم وفضل اور تحقیق وریسرچ کے میدان میں بھی عورت مرد سے آگے بڑھ سکتی ہے اور اسلام کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ عورتیں مردوں کو اپنے علم وفضل سے فیضیاب کرتی رہی ہیں، بلکہ شریعت نے عورتوں کو ایسے حقوق بھی دیئے ہیں جنکی طرف عام طور سے لوگوں کا ذہن نہیں جاتا۔

مخالف کیمپ یا دشمنوں کے گروپ سے تعلق رکھنے والوں کی جان کی اَمان دینے کا حق حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو بھی دیا ہے۔

اس کی ایک مثال تو خود حضرت زینب بنت رسول ﷺ کی طرف سے اپنے مشرک شوہر ابوالعاص کو امان دینے کا واقعہ ہے کہ جب انکو گرفتار کر کے لایا گیا تھا تو حضرت زینبؓ نے فرمایا:

أیها الناس إنی زینب بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم وإنی قد أجرت أبا العاص۔

(اے لوگو! میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی زینب ہوں اور میں نے ابو العاص کو امان دیدی ہے)

تو حضور اکرم ﷺ نے اُسے مسترد نہیں فرمایا بلکہ لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا:

ألا وانه يجير على المسلمين أدناهم۔ (المستدرک للحاکم ۴/۴۵)

(یادرکھو کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کا عام آدمی بھی اَمان دے سکتا ہے)

اسی طرح حضرت اُمّ ہانیؓ بنت ابی طالب نے جب آنحضورﷺ کو یہ اطلاع دی کہ:

زعم ابن أمي علي بن ابي طالب أنه قاتل رجلا أجرته فلان ابن هبيرة۔

(میرے بھائی علی کا خیال ہے کہ وہ ابن ھبیرہ کو قتل کردیں گے حالانکہ میں نے اُسے امان دیدی ہے)

حضورﷺ نے فرمایا:

قد أجرنا من أجرت يا أم هاني۔

(اے اُمّ ہانی تم نے جس کو امان دیدی میں نے بھی اسے اَمان دیدی)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی نازک سیاسی معاملات بھی میں حضور اکرمﷺ نے عورتوں کی رائے کو معتبر قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ ضرورت پڑنے پر عورتوں نے میدانِ کارزار میں بھی حصہ لیا ہے اور زخمیوں کی مرہم پٹی سے لیکر فوج کی حوصلہ افزائی بلکہ دشمنوں پر وار کرنے کی ذمہ داریاں بھی نبھائی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت اُمّ سلیطؓ کے جنگ اُحد میں نہایت نازک موقع پر مسلمان فوج کی خدمت کا ذکر کیا گیا ہے جنکی شجاعت اور محنت سے مت اثر ہوکر حضرت عمرؓ نے ان کے لئے وظیفہ متعین کردیا تھا۔

اسی طرح حضرت اُمّ سلیمؓ جو حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ تھیں تقریباً تمام ہی غزوات میں حضور اکرمﷺ کے ساتھ رہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر یہودی پر حملہ کر کے خود ہی اس کا کام تمام کر دیا تھا۔

حضرت اُمّ عمارہؓ غزوہ اُحد میں اپنے شوہر کے ساتھ شریک تھیں، بیعت رضوان کے موقعہ پر بھی موجود تھیں پھر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں انہوں نے اس طرح شرکت کی کہ انکو بارہ (۱۲) زخم آئے تھے۔

عورت کو عام طور پر گھریلو معاملات کی طرف توجہ دینے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ عورتوں کی گود میں جو نسل پروان چڑھے وہ اچھی اور تربیت یافتہ ہو۔ اچھی مائیں پورے معاشرہ کی اصلاح کی ضامن ہوا کرتی ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

الأم مدرسة إذا أعددتها

أعددت قو ما طيب الأعراق

یعنی ماں بذات خود ایک ایسا اسکول ہے کہ اگر اچھی طرح تیار کی جائے تو اچھے اخلاق اور پاکیزہ اَوصاف کی پوری قوم تیار ہوسکتی ہے۔

غرض یہ کہ عورت کے وجود سے صرف کائنات میں رنگ ہی نہیں ہے بلکہ عورت انسانی معاشرے کے ایک اہم ترین جز اور مؤثر کردار کا نام ہے اور اس کا مقام بہت ہی بلند و بالا رکھا گیا ہے۔ علمی و عملی ہر لحاظ سے عورتوں کیلئے ترقی کی بہت سی راہیں کھلی ہوئی ہیں اگر وہ اپنی نسوانی خصوصیات کی حفاظت اور فطری تقاضوں کا احترام کرتے ہوئے زندگی کے میدان میں قدم رکھیں اور شرعی حدود کا پاس و لحاظ کرتی رہیں تو وہ بہت سے میدانوں میں مردوں پر بھی سبقت لے جاسکتی ہیں البتہ عورت کی تمام تر کامیابیاں عورت رہنے میں ہی ہے مرد بننے کی کوشش میں نہیں ہے۔

''عورت'' کے مقام کی بلندی اس کے کردار کی عظمت' خیالات کی پاکیزگی اور جسم کی نظافت کے ساتھ رُوح کی طہارت میں ہے اسلئے ''عورت'' کو بھی مرد ہی کی طرح علم کے

زیور سے آراستہ ہونا چاہئے تاکہ اسکی گود میں پروان چڑھنے والی نسل علم وتہذیب سے آراستہ اور شائستگی وحسن اخلاق کا نمونہ ہو۔

عورت کا وجود قدرت کا عطیہ اور انسانیت کیلئے زینت ہے اسلئے جہاں اُسے اپنی ظاہری زیبائش وآرائش کا خیال ہوتا ہے وہیں باطنی صفائی اور پاکیزگی وپاکدامنی کا بھی احساس ہونا چاہئے کیونکہ اسکی عظمت اور اس کے مقام کی بلندی صرف ظاہری زیب وزینت میں نہیں فکری بلندی' باطنی اَوصاف اور حیاوحجاب کی پابندی میں بھی ہے۔

معاشرے میں عورت کے مقام'' کے بارے میں اکبرالٰہ آبادی کا یہ طنزیہ شعر بھی خوب ہے:

حامدہ چمکی نہ تھی' کالج سے جب بیگانہ تھی
اَب وہ شمعِ انجمن ہے' پہلے چراغِ خانہ تھی

چنانچہ عورت کے لئے ''چراغِ خانہ'' بننے میں جو عافیت ہے وہ ''شمعِ انجمن'' بننے میں نہیں ہے۔

اسلامی معاشرہ میں عورت کی عظمت

اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام کتنا بلند ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جنکے رُعب و دبدبہ کا یہ حال تھا حضور اکرم ﷺ کے ارشادِ مبارک کے مطابق جس راستہ پر وہ جا رہے ہوں شیطان کنی کاٹ کر دوسرے راستہ سے بھاگتا تھا، بڑے بڑے باشاہوں میں وہ رُعب وجلال نہیں تھا جو حضرت عمر بن الخطابؓ کو اللہ نے دے رکھا تھا اور جن کے نام سے بڑے بڑے بہادروں کے اَوسان خطا ہوتے تھے۔ وہ ایک دن اپنے اس فیصلہ کا اعلان کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ نکاح کرتے وقت عورتوں کا مہر زیادہ متعین نہ کیا کریں کیونکہ اس سے معاشرہ میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور لوگوں کے لئے شادی بیاہ کا رشتہ قائم کرنے میں دُشواری پیدا ہو جاتی ہے لہذا اگر کسی نے زیادہ مہر رکھا تو وہ زائد مال بیت المال میں داخل کر دیں گے۔

یہ سنکر ایک خاتون کھڑی ہو گئیں اور حضرت عمرؓ کے سامنے پوری بیباکی اور جرأت سے کہنے لگیں کہ اس بات کا حق آپ کو نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر کیوں ہمیں اس کا حق نہیں ہے جبکہ میں بحیثیت اَمیر المؤمنین ساری رعیت کا ذمہ دار ہوں؟

تو اُس خاتون نے برجستہ کہا کہ آپ کو یہ حق اسلئے نہیں ہے کہ اللہ نے قرآن میں ارشاد فرما دیا ہے کہ:

{وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا} (سورہ النساء ر ۲۰)

(اور ان میں سے کسی کو ڈھیر سارا مال بھی دے رکھا ہو تو تم اس میں سے کچھ

بھی نہ لیا کرو)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی رقم زیادہ بھی رکھی جاسکتی ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کی شان یہ بھی تھی کہ حق واضح ہوجانے کے بعد اُسے قبول کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کرتے تھے انہوں نے اعتراف حق کیلئے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

أخطأعمر و أصابت إمرأة۔ (عمر نے غلطی کی اور ایک عورت نے صحیح بات کہہ دی)

اس واقعہ سے جہاں حضرت عمرؓ کی حق پسندی کا اظہار ہوتا ہے وہیں اس خاتون کی بیباکی اور جرأتمندی اور علمی قابلیت اور عقلی پختگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

قربان جایئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھیوں کے معاشرہ کی پاکیزگی اور بلندی پر کہ جہاں ایک عام عورت کی شان یہ ہے کہ کسی عام آدمی کو نہیں خلیفۂ وقت اور امیر المؤمنین کو انکی چوک پر برَملا ٹوک دے اور خلیفۂ وقت کی شان یہ ہے کہ ایک خاتون کی جرأتمندانہ تنبیہ پر ذرا بھی خفگی کا مظاہرہ نہ کرے اور برسرِ عام یہ اعلان کردے کہ چوک مجھ سے ہی ہورہی تھی عورت صحیح بات کہہ رہی ہے اسلئے بات اسی کی چلے گی میری نہیں۔

یہی وہ اخلاقی قوت تھی جس نے مسلمانوں کو مشرق و مغرب کا مالک بنادیا اور بہت ہی تھوڑے سے وقفہ میں اسلام کا نور اور مسلمانوں کی زبان اور تہذیب چاردانگ عالم میں پھیل گئی۔ معاشرہ کی اعلیٰ اخلاقی بنیادوں پر تشکیل و تعمیر میں صرف مردوں کا ہی نہیں عورتوں کا بھی حصہ رہا ہے اور عظیم ماؤں نے ہی عظیم افراد پیدا کئے ہیں اور نئی نسل میں اچھے اور جائز مقصد کیلئے محنت و مشقت جھیلنے اور بے دریغ قربانی پیش کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔

اُن پاکیزہ اَخلاق اور بلند کردار خواتین میں خدیجہؓ و عائشہؓ اور فاطمہؓ بتول کے ساتھ وہ خاتون بھی ہیں جو غزوہ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی خبر سنکر بیتابانہ نکل پڑتی ہیں اور ہر کسی سے یہ دریافت کرتی پھرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کس حال میں ہیں؟ لوگ اُسے اسکے شوہر کی

شہادت کی خبر دیتے ہیں، بیٹے کی شہادت کی خبر دیتے ہیں، دیگر عزیز واَقارب کی شہادت کی خبر دیتے ہیں اور انکی زبان پر ایک ہی لفظ اور ایک ہی سوال ہے کہ یہ بتاؤ کہ حضور اکرم ﷺ پر کیا گزری؟ اور آپ ﷺ کس حال میں ہیں؟ اور جب انکو یہ خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے حضور ﷺ بخیر ہیں اور زخم لگنے کے باوجود زندہ باسلامت ہیں تو انکی زبان سے یہ مؤمنانہ تاریخی جملہ نکلتا ہے کہ:

''اگر آپ ﷺ زندہ باسلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت آسان ہے''

شوہر' بیٹے اور دیگر اَقارب سب کی جدائی انگیز ہے ہر ایک کی شہادت پر صبر ہے اور ہر طرح کی پریشانی برداشت ہے بشرطیکہ حضور اکرم ﷺ خیر وعافیت سے ہوں۔

عورتوں کے مقام کی بلندی' معاشرہ میں انکے اہم کردار اور اُمت کی ترقی وتعمیر میں انکے حصہ پر بے شمار شواہد اور دلائل موجود ہیں اور اس بات کے بھی کہ اسلام نے ہی عورتوں کو ان کا صحیح مقام عطا کیا ہے۔

تاریخ اسلام کی عظیم خواتین میں ایک نام حضرت خَنساءؓ کا بھی ہے، یہ بلند پایہ شاعرہ تھیں خاص طور پر مرثیہ کی صنف میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے، اپنے بھائی کے قتل ہوجانے پر جو اَشعار انھوں نے کہے ہیں وہ آج بھی عربی زبان کے اَدبِ عالی کا نمونہ ہیں اور اعلیٰ تعلیم کے مرحلے میں پڑھائے جاتے ہیں۔

حضرت خَنساءؓ کی ایک زندگی تو وہ تھی جو اسلام لانے سے پہلے کی ہے جسمیں انہوں نے ایسے مؤثر اشعار کہے ہیں جن سے پتھروں کے بھی دل پگھل جائیں اور جن کو سنکر ہر کوئی رونے لگے۔

لیکن یہی وہ عظیم خاتون بھی ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایسی بے مثال قربانی پیش کی جسکی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، کہاں تو ان کا حال یہ تھا کہ بھائی کے غم میں اپنے اشعار سے ہر کسی کو بے ساختہ رونے پر مجبور کردیتی تھیں یا پھر اسلام کا نور دل میں داخل

ہوتے ہی ان کی شخصیت میں ایسا انقلاب آیا کہ جنگ قادسیہ کے موقع پر اپنے چار جگر گوشوں کو خود ہی جہاد میں شرکت اور شہادت کے حصول پر اُبھارتی ہیں اور بجائے اشعار کے اپنے اِطاعت شعار اور وفا کیش بیٹوں سے اس معجزانہ اَنداز پر مخاطب ہوتی ہیں:

یا بنی إنکم أسلمتم طائعین، وھاجرتم مختارین واللّٰہ الذی لا إلہ إلا ھو انکم لبنو رجل واحد، وامرأۃ واحدۃ ما ھجنت حسبکم وما غیرت نسبکم؟!

واعلموا أن الدار الآخرۃ خیر من الدار الفانیۃ، إصبرُو وصابرُوا ورابطُوا واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون !!! فإذا رأیتم الحرب قد شمرت عن ساقیھا وجللت ناراً علی أوارھا فیمموا وطیسھا وجالدوا رسیسھا تظفروا بالغنم والکرامۃ فی دار الخلد والمقامۃ۔

(اے میرے فرزندو! تم سبھوں نے اپنے اختیار سے اسلام قبول کیا ہے اور اپنی مرضی سے ہجرت کر کے آئے ہو، اُس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کہ تم سب ایک باپ کی اولاد اور ایک ہی ماں کے بیٹے ہو نہ تو میں نے تمہارے نسب میں کوئی تبدیلی کی ہے اور نہ تمہاری عزت کو داغدار کیا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ آخرت کی زندگی دنیائے فانی کی زندگی سے زیادہ بہتر ہے، تم سب صبر واستقامت کا دامن تھامو اور اللہ کی راہ میں ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو کامران رہو گے، لیکن جب دیکھو کہ جنگ چھڑ گئی ہے اور اس کی چنگاری اُڑنے لگی ہے تو خوب بے جگری سے لڑو اور معرکہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو تو تم سبھوں کو مالِ غنیمت حاصل ہوگا' عزت ملے گی اور ہمیشہ رہنے والی جنت ملے گی)

بہادر ماں کے الفاظ کو سنکر چاروں بیٹے معرکہ میں شریک ہوگئے اور خوب دادِ شجاعت دی، بڑی بے جگری سے لڑے اور اپنی ماں کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ایک کے بعد ایک نے شہادت حاصل کی اور چاروں اللہ کی راہ میں قربان ہوگئے، اور مرثیہ گوئی کی خوگر اسی عظیم شاعرہ ماں کو جب اپنے چاروں بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو صبر و ایمان کی پیکر اس خاتون نے صرف یہ کہا کہ:

الحمد للہ الذی شرفنی بقتلهم جمیعاً وأرجو من اللّٰہ أن یجمعنی بهم فی مُستقَرّ رحمته۔

(اللہ کی بے پناہ تعریف جس نے ہمیں ان سبھوں کی شہادت کے شرف سے نوازا، اَب میری رب کائنات سے آرزو یہ ہے کہ اپنے کاشانۂ رحمت میں ان سبھوں کے ساتھ ہمیں ملادے)

ایک ایسی خاتون جو شاعرانہ جذبات سے سرشار اور مرثیہ گوئی اور ماتم نگاری کے ذریعہ پہاڑوں کے دل دہلا دینے کی صلاحیت رکھنے والی تھیں اور جس نے برسوں اپنے بھائی کی موت پر پورے جزیرۂ عرب میں غم واندوہ کی فضاء قائم کئے رکھا ہو وہ ایسی مؤمنانہ شان اور صبر و احتساب کی رُوح اور بے پناہ جذبۂ استقامت کے ذریعہ اپنے چار جگر پاروں کو ایک ساتھ اللہ کیلئے پیش کردیتی ہیں یقیناً یہ حوصلہ بڑے سے بڑے مردآہن میں بھی نہیں مل سکتا، اللہ تعالیٰ انکو اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔

حضرت خنساءؓ کی زندگی دنیا کی عورتوں ہی نہیں مردوں کیلئے بھی بے مثال نمونہ ہے، اور معاشرہ میں عورت کے بلندئ کردار اور صبر و استقامت کی ایک جیتی جاگتی مثال۔

عورتیں سرورِ کونین کی نظر میں

''عورت'' دستِ قدرت کی صنعت گری کا ایک حسین مظہر ہے، اس میں قدرت نے اپنی بے پناہ نشانیاں رکھی ہیں۔ اسکی جسمانی ساخت' اس کی طبعی نزاکت' اس کا جذبہ بے کراں' اس کی طبیعت کا انفعال' اس کی زود رنجی' اس کا جذبہ امومت یہ ساری چیزیں ربّ کائنات کی شانِ تخلیق کی علامتیں اور اس کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں اسی لئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

{وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۞} (سورہ الروم: ۲۱)

(اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ذاتوں سے ہی تمہارے لئے جوڑا پیدا کیا تاکہ تم اس سے سکون پاسکو اور تم دونوں کے درمیان محبت ورحمت کا جذبہ پیدا کر دیا، بلاشبہ اس میں عقل وخرد رکھنے والی قوم کیلئے بڑی نشانیاں ہیں)

ربّ کائنات نے عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہے۔

{وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔} (عورتوں کے ساتھ بھلائی کی زندگی گزارا کرو)

حضور اکرم ﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ:

إستوصوا بالنساء خيراً۔ (عورتوں کے ساتھ بھلائی کا رویہ اپنایا کرو)

اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ:

فإن المرأة خلقت من ضلع وإن أعوج ما فى الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمه كسرته وان تركته لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء خيراً۔
(رواہ البخاری)

(کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی کے سب سے اُوپر کے حصہ میں زیادہ کجی ہوتی ہے اَب اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ ڈالوگے اور اگر اپنی حالت پر چھوڑ دوگے تو اس کی کجی برقرار رہے گی لہٰذا عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ایک دوسرے کو تلقین کیا کرو)

اس حدیث میں عورت کے ساتھ نہ صرف حسن معاملہ کی تلقین کی گئی ہے بلکہ معاشرہ میں ایک دوسرے کو عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ پر اُبھارنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور اُن کی بعض نزاکتوں پر صبر کرنے اور اُن کی بہت سی باتوں کو انگیز کرنے کو بھی کہا گیا ہے، کیونکہ ہر چھوٹی بڑی بات پر گرفت سے گھریلو ماحول کے دَرہم برہم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

لا يفرك مؤمن مؤمنة، إن كره منها خلقا سره آخر۔ (رواہ مسلم)

(ایک مؤمن کو چاہئے کہ ایمان والی خاتون سے نفرت نہ کرے کیونکہ اس کی اگر کوئی خصلت بری لگے گی تو دوسری عادت اچھی اور دل خوش کن بھی معلوم ہوگی)۔

یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے، کوئی بھی راحت یہاں کی نہ کامل ہے اور نہ دائمی، حقیقی لذّت اور دائمی راحت کی جگہ تو جنت ہی ہے۔ بال بچے بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں لیکن اُن میں سے بعض انسان کو غلط رُخ پر ڈالدینے کا بھی ذریعہ بن جایا کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

{يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

فَاحْذَرُوْهُمْ۔} (سورہ التغابن: ۱۴)

(اے ایمان والوتمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں لہذا اُن سے آگاہ رہا کرو)

لیکن ساتھ ہی اسلام نے ''عورت'' کی عزت وتکریم کے بہت سے پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے:

- انسانیت کی اصل ہونے میں مرد وعورت دونوں کو شریک بتلایا ہے۔
- عورتوں کو مردوں کا جوڑا اور ہم پلّہ قرار دیا ہے۔
- انسانی وجود کیلئے دو بنیادی ستونوں میں سے عورت کو اہم ترین ستون قرار دیا ہے۔
- کسی ''عورت'' یا ''مرد'' کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کی ممانعت کی ہے۔
- عبادتوں میں عورتوں کو مردوں کے ہم پلّہ قرار دیا ہے اور مؤمنین کے ساتھ مؤمنات اور خشوع کرنے والوں کے ساتھ خشوع کرنے والیوں اور توبہ کرنے والوں کے ساتھ توبہ کرنے والیوں کا بھی یکساں طور پر ذکر کیا ہے۔
- قرآن میں مسلمین کے ساتھ مسلمات کے ذکر، میراث میں عورتوں کے حصہ کی تحدید اور عورتوں سے مردوں کی طرح رسول اکرم ﷺ کا بیعت لینا یہ سارے حقائق ایسے ہیں جن سے عورت کے مقام ومرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

چنانچہ اسلامی نقطۂ نظر سے عورت بھی انسان ہی ہے کوئی اور فروتر مخلوق نہیں ہے جیسا کہ بعض مذاہب میں کہا گیا ہے۔

اس کا وجود پاک ہے ناپاک نہیں ہے، اس کو بھی مردوں ہی کی طرح عبادت کا حق دیا گیا ہے، اسے محض خدمت کیلئے نہیں بنایا گیا بلکہ اس کی ذات سے بہت سے تخلیقی مقاصد وابستہ کئے گئے ہیں، اور عورتوں کو بھی اسی طرح اُن تمام معاملات' عقود اور معاہدے کرنے کا حق دیا گیا ہے جن کا حق مردوں کو دیا گیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا انسانی وجود ایک خاتون ہی کا تھا اور وہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اور قرآن شریف کے نسخے مکمل طور پر تیار کئے گئے تو اُن کی حفاظت کی ذمہ داری ایک خاتون یعنی حضرت حفصہؓ پر ڈالی گئی۔

- عورتوں کو اپنی علٰحدہ ملکیت کا حق دیا گیا۔
- عورتوں کیلئے علاحدہ میراث کے احکام ذکر کئے گئے اور اُن کیلئے بیٹی، بیوی، ماں اور بہن ہونے کی حیثیت سے الگ الگ ترکہ میں حصہ رکھا گیا۔
- زمانۂ جاہلیت کے اُس رواج کو ختم کیا گیا کہ مرد کے مرنے کے بعد اس کی بیویاں بھی وراثت میں تقسیم کر دی جائیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی بیویاں جو غارت ایمان اور ایسے بچے جو دشمن جان ہوں اور ماں باپ کو راہِ حق سے ہٹا دینے والے اور دنیا و آخرت کی آزمائشوں میں مبتلا کر دینے والے ہوں اُن سے چوکنا رہنا یقیناً ضروری ہے۔

خود عورتوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں شیطانی وسوسوں سے بھی انسان کو چوکنا رہنا چاہئے کیونکہ وہ ہمیشہ بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ شریعت نے اجنبی مرد و عورت میں تخلیہ کی جو ممانعت کی ہے اس کی وجہ انسان کی فطری کمزوری، شیطان کی وسوسہ اندازی اور ایک دوسرے کی طرف فطری کشش کے غلط رُخ اختیار کر لینے کا اندیشہ ہے۔

حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

ماترکت بعدی فتنة أضر علی الرجال من النساء۔

(میں نے اپنے بعد مردوں کیلئے عورتوں سے زیادہ مضرت رساں فتنہ نہیں چھوڑا)

زبانِ نبوت ﷺ سے نکلے ہوئے اس کلام کی صداقت کا مشاہدہ ساری دنیا آج کر رہی ہے کہ کتنے ہی لوگوں نے عورت جیسی اللہ کی نعمت کو اپنے لئے آزمائش بنا لیا ہے، جس کا نتیجہ

عورت اور مرد دونوں کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔

جس طرح ''مرد'' کا کمال یہ ہے کہ اس میں مردانگی کے اَوصاف بہادری، شہامت، عالی حوصلگی پورے طور پر ہوں اسی طرح ''عورت'' کا کمال یہ ہے کہ اس میں نسوانی خصوصیات، کشش، جمال، نرم دلی وغیرہ پوری طرح موجود ہوں۔ اسی لئے شریعت نے ایسے ''مردوں'' کی بھی مذمت کی ہے جو اپنی فطرت کے تقاضے کے خلاف خود کو ''زنانہ'' لباس میں ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور گفتگو میں خواہ مخواہ لوچ اور چال میں نسوانیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح ایسی ''عورتوں'' کی بھی سخت مذمت کی گئی ہے جو مردوں کا لباس یا انداز اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور خود کو ایسی حرکتوں سے معاشرہ میں بے وزن بنالیتی ہیں جو مردوں کیلئے مخصوص ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے مرد کیلئے زیورات کان اور ناک کی بالیاں، ہاتھوں کے کنگن اور کپڑوں کا ایسا رنگ اختیار کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے جو عورتوں کیلئے مخصوص ہیں۔

اسی طرح عورتوں کیلئے ایسی ہیئت اختیار کرنے کو ناجائز قرار دیا جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عورت کا احترام اسلام نے ہر حال میں ملحوظ رکھا ہے چنانچہ بیوی کی حیثیت سے اس کے ''حقوق'' ہیں اور شوہر کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ اس کے نان ونفقہ کا نظم کرے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اس کی ضرورتوں کا خیال رکھے، اس کے حقوق کی ادائیگی میں کمی نہ کرے۔

''ماں'' کی حیثیت سے اس کے حقوق ''باپ'' سے بھی زیادہ رکھے گئے ہیں چنانچہ حضور اکرم ﷺ سے جب ایک شخص نے دریافت کیا کہ میری اچھی رفاقت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری ماں، پھر اس نے دریافت کیا تو

فرمایا کہ: تمہاری ماں، پھر دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری ماں، چوتھی مرتبہ دریافت کیا تو فرمایا کہ: تمہارے باپ۔

اس سے "ماں" کے مقام کی عظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن میں جہاں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اس کے فوراً بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

اَحادیث میں ماں باپ کے ساتھ برے سلوک کے خطرناک انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

"عورت" کی طبعیت میں فطری طور پر رحم دلی رکھی گئی ہے۔ خاص طور پر "امومت" کا جذبہ یا "مادرمہربان" بننے کی صلاحیت ایسی ہے جو عورت کا امتیازی وصف ہے جو اس کیلئے بڑی بڑی مشکلات کو جھیلنا اور انتہائی صبر آزما حالات کا مقابلہ کرنا آسان بنادیتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی تعلیم کا نہایت ہی نرالا انداز تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب ؓ کا بیان ہے کہ:

قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبی فإذا امرأة من السبی تحلب ثديها تسقى إذ وجدت صبيا في السبي أخذته فالصقته ببطنها وأرضعته فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: أترون هذه طارحة ولدها في النار؟ قلنا: لا، وهي تقدر على أن لا تطرحه فقال: لله أرحم بعباده من هذه بولدها۔ (رواہ البخاری)

(حضور اکرم ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے جن میں ایک عورت بھی تھی جس کے سینہ میں دودھ بھر گیا تھا اور وہ بے چین تھی کہ اچانک ایک بچہ پر اس کی نظر پڑی اُسے اٹھا کر اپنے پیٹ سے چپکا لیا اور اُسے دودھ پلانے لگی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کر کے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا یہ عورت اپنے بچہ

کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ تو ہم نے کہا کہ ہرگز نہیں بشرطیکہ اس پر مجبور نہ کردی جائے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی کہیں زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنی شفقت اس کو اپنے بچہ سے ہے)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی مامتا یا ''امومت'' کا جذبہ یہ اللہ کی نعمت ہے جو ماؤں کے دلوں میں رکھی گئی ہے اور یہ کہ سلیم الفطرت عورتوں میں رحمت وشفقت کا جذبہ قدرتی طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔

اخلاقی تعلیمات کے ضمن میں ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو خودداری کی تعلیم دی ہے اور ان کو حق گوئی پر اُبھارا ہے۔

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تواضع اور مکارمِ اخلاق عورتوں اور مردوں سب کیلئے باعثِ شرف وامتیاز ہے۔

ایک حدیث میں آپ نے عورتوں کو آبگینوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کا خیال رکھنے کی تلقین کی ہے کیونکہ آبگینوں کی طرح اُن کی طبیعتوں میں بھی نزاکت ہوتی ہے اور وہ جلد رنجیدہ ہوجایا کرتی ہیں اور شیشے کی طرح ان کا دل بھی جلد ٹوٹ جاتا ہے۔

معاویہ ابن جاہم نامی ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر جہاد میں جانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ:

هل لک من أم؟ (کیا تمہاری ماں زندہ ہیں؟) انہوں نے کہا کہ ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

فالزمها فإن الجنة عند رجلها۔ (تو پھر اُنکی خدمت میں ہی لگے رہو کیونکہ جنت انکے قدموں کے پاس ہے)

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر اس نے کہا کہ مجھ سے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب ہوگیا ہے کیا میرے لئے توبہ کی

گنجائش ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری ماں موجود ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہاری خالہ موجود ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

بلکہ ابوالطفیل نامی صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو جعرّانہ کے مقام پر دیکھا کہ وہ گوشت تقسیم کر رہے ہیں، اور میں اس وقت ایک کم عمر لڑکا تھا، ذبح شدہ اُونٹ کی ہڈیاں میں نے اٹھا رکھی تھیں کہ:

إذ أقبلت امرأة حتى دنت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فبسط لها رداءه، فجلست عليه فقلت: من هذه؟ فقالوا: هذه أمه التى أرضعته۔ (رواہ ابوداؤد)

(اچانک ایک خاتون آئیں اور حضور اکرم ﷺ سے قریب ہوئیں، آپ ﷺ نے اُن کیلئے اپنی چادر بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں تو میں نے پوچھا کہ یہ کون خاتون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کی رضاعی یعنی دودھ پلانے والی ماں ہیں)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حقیقی ماں بلکہ ماں کی بہن یعنی خالہ اور اسی طرح دودھ پلانے والی ماں کا احترام بھی انسان کیلئے ضروری ہے۔

اسی طرح حضرت حلیمہ سعدیہؓ کیلئے آپ ﷺ کا اپنی مبارک چادر کا بچھانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ اس سے ایک طرف ماں خواہ وہ دودھ پلانے والی ہی کیوں نہ ہو اس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے تو ساتھ ہی یہ حقیقت بھی سارے عالم کیلئے واشگاف ہوجاتی ہے کہ عورت کا ایسا مقام بھی ہوسکتا ہے کہ اس کیلئے سرور کونین ﷺ اپنی ردائے مبارک بچھادیں۔ اس سے بڑھکر عورت کیلئے باعثِ فخر اور کیا بات ہوسکتی ہے؟

عورت، گھریلو سعادت کا عنوان

''عورت'' کا وجود گھریلو سعادت کا عنوان ہے، اور جب قدرت نے اُس کی تخلیق ہی ''مرد'' کے جوڑے کی حیثیت سے کی ہے تو فطرت کے تقاضوں اور تخلیق کے مقاصد کو نظر انداز کرنے میں نہ ''عورت'' کو چین مل سکتا ہے اور نہ ''مرد'' کو راحت نصیب ہوسکتی ہے، ''وجودِ زن'' سے تصویرِ کائنات میں رنگ کا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

عورت کے ساتھ ہی گھر اور پھر گھریلو ذمہ داریوں کا تصور آنا یقینی ہے اور جسمانی یا نفسیاتی اُلجھنوں کی شکار یا گرد و پیش اور گھر کے حالات سے مجبور کچھ عورتوں کے علاوہ خواتین اِزدواجی زندگی سے وابستہ اور آنے والی انسانی نسل کو پروان چڑھانے میں مشغول ہوتی ہیں یا خود کو اس ذمہ داری کی اَدائیگی کیلئے آمادہ پاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ انسانی نسل کی پیدائش اور پھر اس کی پرداخت و پرورش انسانی زندگی کا ایک اہم ترین اور مقدس فریضہ ہے جس کا شرف عورتوں کو بخشا گیا ہے، بچوں کی پیدائش سے لیکر ان کے پروان چڑھنے اور بڑے ہونے کے مراحل تک غیر معمولی کٹھن اور صبر آزما ہوتے ہیں جس کے لئے قدرت نے دلوں میں ماں کی مامتا اور بچوں سے فطری اور والہانہ محبت رکھدی ہے جسکی وجہ سے وہ ہر طرح کی دشواریوں کو انگیز کرتے رہنے میں اپنے لئے سعادت سمجھتی ہیں اور اس طرح کے فرائض کی اَدائیگی سے محرومی کو اپنے لئے نقص اور نامرادی کا باعث تصور کرتی ہیں۔

اس طرح فطری تقاضوں کے تحت عورت کیلئے اُمورِ خانہ داری اور گھریلو ذمہ داریوں

کی اَدائیگی کو ان کی زندگی کا لازمہ بنا دیا گیا ہے جس میں ان کے لئے راحت وسعادت بھی ہے اور معاشرے ا اور عام انسانیت کیلئے فلاح ونعمت بھی۔

لہذا یہ ایک کائناتی حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کی تشکیل میں ''مرد'' اور ''عورت'' دونوں ہی شریک ہیں، اور دونوں ہی قدرت کی تخلیق کے بہترین شاہکار بھی ہیں۔ چنانچہ محض ''مرد'' ہونے پر نہ کسی کی تعریف کی جاسکتی ہے اور نہ ''عورت'' ہونے پر مذمت۔ عربی کا نامور شاعر متنبی کہتا ہے کہ:

وما التأنيث لاسم الشمس عيب

ولا التذكير فخر للهلال

(نہ تو ''شمس'' کے لفظ کا عربی میں مؤنث ہونا کسی نقص کی علامت ہے اور نہ ''ہلال'' کے لفظ کا مذکر ہونا کوئی فخر کی بات ہے)

یہ بات ذہن میں رہے کہ شمس (بمعنی سورج) عربی میں مؤنث اور ہلال (بمعنی چاند) عربی میں مذکر استعمال ہوتا ہے۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ سورج کی بڑائی پر اُس کے نام کے مؤنث ہونے سے کوئی اَثر نہیں پڑتا، اسی طرح ''ہلال'' کے لفظ کے مذکر ہونے سے اسکی بڑائی اور عظمت ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ بڑائی ذاتی اَوصاف اور اَثر انگیزی کے لحاظ سے چاند کے مقابلہ میں سورج میں زیادہ ہے۔

''عورت'' کے بارے میں پچھلی قوموں میں طرح طرح کی غلط فہمیاں رہی ہیں، اور یونانی، ہندوستانی، یورپی، عرب، ساری تہذیبیں ''عورت'' کو اُس کا صحیح مقام دینے میں ناکام رہی ہیں۔ چنانچہ کہیں عورت کو ''شر'' کا مظہر قرار دیا گیا تو کہیں عورتوں میں انسانی روح ہونے کی ہی نفی کی گئی، تو کہیں بچیوں کو زندہ دَرگور کرنے کا رواج رہا۔ جہاں تک حقوق کی بات ہے تو ہر طرح کے اجتماعی، مالی اور انسانی حقوق مکمل طور پر پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کے بعد ہی حاصل ہوئے، چنانچہ یہ وضاحت کی گئی کہ عورتوں کے بھی اسی طرح کے حقوق ہیں

جس طرح کے مردوں کے ہیں، وہ خود ملکیت کا حق رکھتی ہے، وراثت میں بھی اس کا حصہ ہے، اس کی جان بھی مردوں ہی کی طرح قابل احترام ہے اور اس کی عزت وآبرو کی حفاظت بھی دین کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ عورتوں کو بھی تعلیمی اور اخلاقی میدان میں اسی طرح ترقی کرنے کا حق ہے جس طرح مردوں کو ہے، دنیا کی طرح آخرت میں بھی بلند مقام حاصل کرسکتی ہے، اور وہاں اس کی ذات سے دنیوی کدورتیں اور آلائشیں بھی ختم کردی جائیں گی اور انھیں اَزْواجٌ مُطَهَّرة (پاکیزہ بیویوں) کا درجہ دیدیا جائے گا۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ:

> لو أن إمرأة من نساء الجنة أشرفت إلى الأرض لملأت الأرض بريح المسک، ولأذهبت ضوء الشمس والقمر۔ (الجامع الصغیر رقم ۷۴۰۶)

> (اگر جنت کی کوئی عورت دنیا کی طرف جھانک لے تو ساری زمین کو مشک کی خوشبو سے معطر کردے گی اور چاند وسورج کی روشنیوں کو بھی ماند کردے گی)

عورتوں کا وجود جب ہر جگہ ہے تو اس کی خصوصیتوں اور کارگزاریوں کا ذکر بھی ہر مقام پر اور ہر میدان میں ملتا ہے۔

عورتیں معاشرہ کا ایک بنیادی عنصر رہی ہیں جن سے کسی حال میں صَرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا البتہ معاشرہ میں عورت کا مقام اسکی ذاتی اخلاقی صفات پر مبنی ہوتا ہے۔

عورتوں کے بارے میں بہت سی دلچسپ حقیقتیں عربی اَدب کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں ان سے لوگوں کے الگ الگ ذوق اور نقطۂ نظر کا اَندازہ ہوتا ہے، اور ان سے بہت سی عبرت وبصیرت کی باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں۔

دقیانوس کی لڑکی کو دو آدمیوں کی طرف سے نکاح کا پیغام آیا، ایک مالدار اور دوسرے فقیر کی طرف سے تو اس نے فقیر کا انتخاب کیا، تو اسکندر نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو

دقیانوس نے کہا کہ:

كان الغنى جاهلا فكان يخاف عليه الفقر و كان الفقير عاقلا فكان يرجى له الغنى۔

(مالدار لڑکا نادان تھا اسلئے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اپنی نادانی کی وجہ سے وہ فقیر نہ بن جائے، اور فقیر لڑکا عقلمند تھا اِس لئے اس بات کی اُمید کی گئی کے مالدار ہوجائے گا)

اَصمعی نے ایک ''بدوُ'' کا قول نقل کیا ہے اُس نے کہا کہ:

لا تنكحن واحدة فتحيض إذا حاضت وتمرض إذا مرضت، ولا تنكحن اثنتين فتكون بين شرتين، ولا تنكحن ثلاثا فتكون بين اثاف، ولا تنكحن أربعا فيفلسنك، ويهرمنك، ويبخلنك ويحقرنك۔

(ایک سے شادی مت کرو کیونکہ اسے ماہواری عذر پیش آیا یا وہ بیمار ہوئی تو تم کو بھی معذور اور بیمار ہونا پڑے گا، اور دو سے بھی مت کرو کیونکہ دو برائیوں کے درمیان رہوگے، اور تین سے بھی مت کرو کیونکہ تمہاری حیثیت چولھے کے تین اچکنوں میں ایک کی ہوگی، اور چار سے بھی مت کرو کیونکہ چار کا بوجھ اٹھانا تمہیں مفلس، بوڑھا، بخیل اور حقیر بنادے گا)

تو اس سے کسی نے کہا کہ تم نے تو اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام ہی کردیا تو وہ کہنے لگا کہ:

كوزان، وقرصان، وعبادة الرحمن۔

(دو پیالے پانی، دو روٹیاں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت زندگی کیلئے کافی ہیں)

عام طور پر اِس زمانہ میں بھی بعض عورتیں اسلئے سعادت سے محروم رہتی ہیں کہ ان کے اہلِ خانہ کو کسی قریبی عزیز چچازاد، ماموں زاد بھائی وغیرہ سے نکاح کا رشتہ قائم کرنے پر

اصرار ہوتا ہے اور اس معاملہ میں عمر اور سن وسال کے فرق کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے بعد میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ مکہ کے راستہ میں ایک بدو عورت کو دیکھا جس سے اچھی شکل کی خاتون میں نے زندگی میں دیکھی ہی نہیں تھی، پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ ایک پستہ قد اور بوڑھا شخص آیا اور اس نے اس سے آہستگی سے کوئی بات کہی اور چلا گیا تو میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہنے لگی کہ میرا شوہر ہے، تو میں نے دریافت کیا کہ:

کیف ترضی مثلک من مثله۔

(تم جیسی شکل وصورت کی خاتون نے ایسے شوہر کو کس طرح پسند کرلیا؟)

تو اس نے حسرت بھری آواز میں کہا کہ:

کہ واقعی مجھ جیسی عورت کا ایسے بوڑھے اور بدشکل شخص کے پاس جانا ایک سانحہ ہے لیکن جس چیز نے مجھے مجبور کیا ہے وہ اس شخص کے ساتھ ماموں زاد یا چچازاد ہونے کا رشتہ ہے۔

مرو کے قاضی نوح بن مریم نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی چاہی تو رشتہ کے بارے میں اپنے ایک مجوسی (آتش پرست) پڑوسی سے مشورہ طلب کیا تو وہ کہنے لگا کہ ساری دنیا کے لوگ تو آپ سے مسائل دریافت کرتے ہیں اور آپ مجھ سے سوال کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ تم اپنی رائے تو دو، تو اس نے بڑے حکیمانہ انداز پر کہا کہ:

إن رئيسنا كسرى كان يختار المال ورئيس الروم قيصر كان يختار الجمال ورئيس العرب كان يختار النسب ورئيسكم محمد صلى الله عليه وسلم كان يختار الدين فانظر أنت لنفسك بمن تقتدي؟

(ہمارا بادشاہ کسریٰ مال کو دیکھا کرتا تھا، اور روم کا قیصر شادی بیاہ میں جمال

اور حسن کو ترجیح دیا کرتا تھا، اور عرب سرداروں کے یہاں نسب کو بنیاد بنایا جاتا تھا، اور تمہارے سردار و آقا یعنی محمد ﷺ نے دین کو بنیاد بنانے کی تلقین فرمائی ہے اَب تم خود ہی سوچ لو! ان سبھوں میں تم اپنی بیٹی کے رشتہ کیلئے کس کی اتباع کرنا چاہتے ہو؟)

اسی طرح عمران بن حِطّان نامی شخص کی بیوی بے حد حسین وجمیل اور خوبصورت تھی لیکن وہ خود نہایت ہی پستہ قد اور بدصورت تھا تو ایک دن اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ دیکھو کہ میں اور تم دونوں ہی جنتی ہیں، اُس نے کہا کہ وہ کس طرح؟ بیوی نے کہا کہ:

لأنک أعطیت مثلی فشکرت وأنا بلیت بمثلک فصبرت والصابر والشاکر فی الجنة۔

(اسلئے کہ تم کو مجھ جیسی شریک حیات ملی تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیا، اور مجھے تم جیسا بدشکل شوہر ملا تو میں نے اس پر صبر کیا اور صبر کرنے اور شکر کرنے دونوں کیلئے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے)

زمخشری نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اِرادہ کیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس کے دل میں اس کی محبت نہیں ہے، تو حضرت عمر نے دریافت فرمایا کہ:

أو کل بیت بنی علی الحب فأین الرعایة والتذمم؟

(کیا ہر گھر میں رشتہ محبت ہی پر قائم ہوتا ہے؟ محض کفالت اور انگیز کرنے کا جذبہ بھی تو بہت سے رشتوں میں کارفرما ہوتا ہے)

اَسماء بنت خارجہ نے جب شادی کے بعد اپنی بیٹی کی رُخصتی کرنی چاہی تو نصیحت کرتے ہوئے اس سے کہا کہ:

علیک بأطیب الطیب وهو الماء وبأحسن الحسن وهو الکحل والحناء وإیاک وکثرة المعاتبة فهی مقطعة للمودة والغیرة فی

غیر موضعها فهی مفتاح الطلاق۔

(تم سب خوشبوؤں کے سردار پانی اور تمام زینتوں کے بادشاہ سُرمہ اور مہندی سے غفلت نہ برتنا، اور زیادہ شکوہ شکایت نہیں کرنا کیونکہ وہ محبت کو منقطع کردینے والی چیز ہے، اور حد سے زیادہ غیرت کا مظاہرہ بھی نہیں کرنا کیونکہ وہ طلاق کی کنجی ہے)

ایک ''عورت'' اپنے شوہر کے خلاف قاضی شُریح کی عدالت میں مقدمہ لیکر آئی اور شوہر کی زیادتیوں کا ذکر کرکے رونے لگی تو وہاں بیٹھے ہوئے عالم شَعبی نے کہا کہ عورت مظلوم معلوم ہوتی ہے تو قاضی شریح نے برجستہ کہا کہ:

إن أخوة یوسف جاؤ أباهم عشاء یبکون۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی ظالم تھے، انہوں نے اُن کو کنویں میں ڈالدیا تھا اس کے باوجود وہ رات کے وقت جب باپ کے پاس آئے تو روتے ہوئے آئے، اسلئے رونا مظلومیت کی لازمی دلیل نہیں۔ کبھی ظلم کرنے والا بھی رونے کا مظاہرہ کرکے اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسلئے قاضی کو اِس طرح کے معاملہ میں بیدار مغزی سے کام لینا چاہئے۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کی شکایت کی تو دوسرے نے کہا کہ تمہیں ایسی ہی شکایت ہے تو طلاق کیوں نہیں دیدیتے؟ تو وہ کہنے لگا:

هی حسناء فلا تفرک و أم عیال فلا تترک۔

(بات یہ ہے کہ وہ حسین وجمیل اور خوبصورت ہے اسلئے اس سے نفرت نہیں کی جاسکتی، اور بچوں کی ماں بھی ہے اسلئے اسے چھوڑا بھی نہیں جاسکتا)

شادی بیاہ کے معاملہ میں ہر قوم کے کچھ اپنے الگ الگ رواج ہوتے ہیں، چنانچہ عربوں میں ''کِندہ'' قبیلہ میں زیادہ مہر رکھنے کا رواج تھا، ایک شادی میں بسا اَوقات ایک

ہزار اُونٹ تک بطور مہر دیا جاتا تھا۔

اُموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اپنے بیٹے کی شادی میں چالیس ہزار دینار مہر کے طور پر دیئے۔ جبکہ روایتوں میں اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ:

أعظم النكاح بركة أقلها مؤنة۔

(سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس کا خرچ کم سے کم ہو)

حاصل یہ کہ معاشرہ کی تشکیل عورت و مرد کے باہمی اشتراک سے ہوتی ہے۔

انسانی تاریخ باکمال عورتوں کی داستانوں اوران کے عظیم کارناموں سے بھری پڑی ہے، ان میں عظیم مائیں اور بہنیں بھی گزری ہیں اور علم وفضل اور تہذیب وثقافت کی تحریک کو پروان چڑھانے والی عالم، شاعر، اَدیب خواتین بھی، ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام کی شریک زندگی حوا ہیں تو دوسری طرف حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اہلیہ ہاجرہ، فرعون کی بیوی آسیہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم اور سرورِ کونین ﷺ کی شریک حیات خواتین میں خدیجہؓ و عائشہؓ اور آپ ﷺ کی جگر گوشہ فاطمہ زھراءؓ بھی ہیں۔

سیاست وجہانبانی میں ملکۂ بلقیس سے لے کر ھارون الرشید کی ماں ''خیزران'' اور اسکی بیوی ''زبیدہ'' کا نام بھی عظیم اور باکمال خواتین میں لیا جاسکتا ہے۔

شاعر خواتین میں خنساء، عائشہ بنت طلحہ اور دیگر بہت سی نئے اور پرانے زمانہ کی خواتین شعراء ہیں، بلکہ باندیوں کی صف میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک شعر گو، اَدب نواز اور علم وثقافت کی دلدادہ خواتین گزری ہیں۔

روحانی کمالات میں رابعہ بصریہ کو آخر کون فراموش کرسکتا ہے؟

شاہی دَرباروں اور حرم سراؤں کی خواتین کی جھلکیاں، بدو عورتوں اور باندیوں کی زندگیاں، عربی محاوروں میں عورتوں کی زندگی کی جھلکیاں نیز خواتین شعراء کی نازک خیالیاں سبھی کے نمونے آپ کے سامنے پیش کئے جاچکے ہیں جن سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ

معاشرہ میں عورت کا مقام کتنا بلند ہے؟ اور حقیقی معنوں میں عورتوں کی زندگی اور عزت اس سے کتنی مختلف ہے جو موجودہ زمانہ میں آزادی کے عنوان سے پیش کی جاتی ہے۔ عورت کو جو حقوق اسلام نے دیئے ہیں اُنمیں :

- جینے کا حق
- تصرف کا حق
- کام کا حق
- شخصی ملکیت کا حق
- آزادی کا حق
- تعلیم کا حق
- روحانی واَخلاقی ترقی کا حق شامل ہیں۔

اسی طرح مردوں کے ساتھ:

- انسانیت میں مساوات
- انسانی حقوق میں مساوات
- حصول علم کے حق میں مساوات
- تشکیل معاشرہ کے حق میں مساوات سے عورتیں بہرہ وَر رہیں لیکن ان تمام حقائق کے باوجود عورت کی راحت وعافیت ''شمع محفل'' بننے میں نہیں ''چراغ خانہ'' رہنے میں ہی ہے۔

یہ رُتبۂ بلند ملا......جس کو مل گیا

''عورت'' کا معاشرہ میں مقام بیحد بلند ہے اور اسلامی تاریخ کے آغاز سے ہی دین کی نصرت وحمایت سے لیکر دینی معاشرہ کی تشکیل تک میں عورت کا کردار بڑا اہم رہا ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لانے والی سب سے پہلی خاتون ہیں، آپ ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے جبریل اؑمین کو انکی اصل شکل میں دیکھا اور اللہ عزّ وجل کے کلام کا آپ ﷺ کو محرمِ راز بنایا گیا اور آپ ﷺ پر اس موقع پر جب اس عظیم بار کی وجہ سے گھبراہٹ اور خوف کا احساس طاری ہوا تو آپ ﷺ کو تسکین دلانے والی اور آپ ﷺ کے قلب مبارک سے خوف اور گھبراہٹ کے احساس کو دُور کرنے والی یہی خاتون اوّل خدیجہ الکبریٰ ؓ ہیں، اور اس موقع پر حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کے کردار کے بارے میں جو الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے وہ سیرت کی سیکڑوں کتابوں پر بھاری ہیں۔قصہ یہ پیش آیا کہ:

قال لخديجة وأخبرها الخبر لقد خشيت على نفسي فقالت خديجة كلا و اللّٰه ما يخزيك اللّٰه أبدا إنك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق۔

(جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو واقعہ کی خبر دی اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا ہے تو حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم، خداوند قدوس کبھی آپ کو رُسوا نہیں کرے گا۔ بلاشبہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ناداروں کی

حاجت روائی کرتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ لوگوں کی
حق کے معاملہ میں نُصرت کرتے ہیں)

ان جملوں میں نہایت ہی اختصار اور بلاغت کے ساتھ حضرت خدیجہؓ نے حضور اکرم ﷺ کے خصائل حمیدہ اور اچھے اَوصاف کا جس طرح ذکر کیا ہے وہ خود حضرت خدیجہؓ کی غیر معمولی بصیرت، معاملہ فہمی اور حکمت و دانائی کی علامت ہے۔

اسلام کی نشر و اِشاعت کے ابتدائی مرحلہ میں حضرت خدیجہؓ کے کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی تاریخ میں حق اور سچائی کیلئے جان دینے والی بھی سب سے پہلی ایک خاتون ہی ہیں، حضرت سمیّہؓ عمار بن یاسرؓ کی والدہ محترمہ ہی سب سے پہلے ظلم کا نشانہ بنیں اور اُنھیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ظالموں نے نہایت ہی اَذیت ناک طریقہ پر شہید کردیا۔

تاریخ اسلام کی اہم ترین شخصیتوں میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے نامور چچا ہیں اور جن کو ''سید الشھداء'' کا لقب خود دَربارِ نبوی ﷺ سے ملا تھا ان کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے میں ایک ''عورت'' ہی واسطہ بنیں۔ اسی طرح عدل و انصاف کے پیکر اور دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ نے بھی اپنی ہمشیرہ فاطمہ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا، اور نامور صحابی حضرت ابوطلحہؓ نے جب اُمّ سُلیم بنت ملحان کو نکاح کا پیغام دیا تو انھوں نے مہر کے طور پر اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ اسلام قبول کرلیں، اس طرح اُن کے اسلام لانے کا ذریعہ بھی ایک ''خاتون'' ہی بنیں۔

گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ عہد نبوت کی خواتین نے شرعی آداب اور اپنی نسوانی خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے اجتماعی کاموں میں بھی حصہ لیا ہے۔

حضرت سمرہؓ بنت نہیک بڑی بیباکی کے ساتھ اچھائی کا حکم اور برائی سے خواتین کو

روکنے کا فریضہ انجام دیتی تھیں اور سرزنش کیلئے اپنے ہاتھوں میں کوڑے بھی رکھتی تھیں، حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ اس شان کی خاتون تھیں کہ راستہ سے گزرتے ہوئے انکی نظر خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ پر پڑی تو کہنے لگیں کہ:

''عمرؓ میں تمہیں اُس وقت سے جانتی ہوں کہ تم چھوٹے بچے تھے اور لوگ تمہیں پیار سے عمیر (چھوٹے عمر) کی حیثیت سے جانتے اور پکارتے تھے اور تم عکاظ کے بازار میں اپنی چھڑی سے بچوں کو خوفزدہ کیا کرتے تھے پھر تم عمر بنے اور اَب تم اَمیر المؤمنین کہلاتے ہو لہٰذا رعیت کے معاملہ میں اللہ سے خوف کیا کرو'' اُنکے الفاظ تھے:

فاتق اللّٰہ فی الرعیۃ و اعلم أن من خاف الوعید قرب علیہ البعید و من خاف الموت خشی الفوت۔

(رعیت کے بارے میں اللہ کا خوف کرو اور یاد رکھو کہ جو شخص وعید سے ڈرتا ہے دُور کے لوگ بھی اس سے قریب ہو جاتے ہیں، اور جو موت سے ڈرتا ہے اُسے ہر وقت اَندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں موقع ہاتھ سے چلا نہ جائے)

اس لب ولہجہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ سے ان معمر محترم خاتون کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر جارود نے کہا کہ:

لقد کثرت علی أمیر المؤمنین أیتھا المرأۃ۔

(اے عورت تم تو حضرت امیر المؤمنین کے سامنے حد سے زیادہ ہی جرأت کا مظاہرہ کر رہی ہو)

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:

دعھا، أما تعرفھا؟ ھذہ خولۃ امرأۃ أوس بن الصامت قد سمع اللّٰہ قولھا من فوق سبع سموات، فعمر أحق أن یسمع لھا۔

(یہ جو کچھ کہہ رہی ہیں انکو کہنے دو! کیا تم انھیں پہچانتے نہیں ہو؟ یہ اَوس بن صامت کی اہلیہ خولہ ہیں، انکی بات اللہ رب العزت نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے سنی (اور انکے بارے میں قرآنی آیت نازل کی) تو عمر تو کہیں زیادہ ہی اس کا مستحق ہے کہ وہ جو کہیں وہ سنے)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معاشرہ میں عورت کا مقام کتنا بلند ہے۔

تاریخ اسلام میں ''نُسَیبہ بنت کعب'' جو ''اُمِّ عمارہؓ'' کے نام سے پہچانی جاتی ہیں ان کی جرأت وہمت اور غزوات اور جنگ کے میدانوں میں ان کی قربانیوں کو کون فراموش کر سکتا ہے؟

غزوہ اُحد کے موقع پر وہ مسلمان فوجیوں کو پانی پلانے کی غرض سے نکلیں لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کے لشکر کو شکست فاش ہوتے ہوئے دیکھا تو تلوار سونت کر خود ہی معرکہ میں شامل ہو گئیں اور حضور اکرم ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے لگیں اور دشمنوں کی یلغار سے آپ ﷺ کو بچانے میں بڑا اہم رول اَدا کیا، خود زخمی ہو گئیں تو اپنی زندگی پر موت کو ترجیح دیکر حضور اکرم ﷺ کی زندگی اور بقا کیلئے کوشاں رہیں اور راہِ حق میں موت کو خوشی خوشی انگیز کر لیا۔

آنحضور ﷺ نے انکی بے مثال قربانی کو دیکھ کر انکے لئے' اُن کے شوہر کیلئے اور انکی اُولاد کیلئے دعاؤں کا تحفہ عطا فرمایا اور اپنی رضامندی سے ان سبھوں کو نوازا، اور حضرت اُمِّ عمارہؓ کے بارے میں فرمایا:

ما نظرت یمینا أو شمالا إلا ورأیت أم عمارة یخاطب ابنھا لمقام أمک خیر من مقام فلان وفلان۔

(میں (اس معرکہَ کارزار میں) اپنے دائیں بائیں جس طرف بھی دیکھتا اُمِّ عُمارہؓ اپنے بیٹے کو اپنا واسطہ دیکر ثابت قدمی پر اُبھارتی نظر آتی تھیں)

یقیناً ایک خاتون کیلئے حضور اکرم ﷺ کی طرف سے اپنی خوشنودی اور انکی بہادری کی شہادت سرمایۂ سعادت ہے۔

ع یہ رتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا

اسی طرح خاتون اسلام حضرت اُمّ عطیہؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی ہے، جب وہ میدان جنگ میں جاتیں تو مجاہدین کے سامانوں کی دیکھ بھال کرتیں' انکے لئے کھانا پکاتیں' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں' بیماروں کی تیمارداری کرتیں اور انکو دوا پلاتی تھیں۔

یہی نہیں بلکہ خود اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بھی جنگ اُحد کے دوران اُمّ سُلیمؓ کے ساتھ ملکر پانی کے مشکیزے اٹھاتیں' بیماروں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتیں' انکے زخموں کا علاج کرتیں اور ان کے بدن کی آلودگیوں پر پانی ڈال کر انکی صفائی کرتی تھیں ان کے زخموں پر پٹی باندھتی تھیں۔ یہ باتیں خود حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتابیں صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

اور جب حضور اکرم ﷺ کو دشمنوں نے زخمی اور لہولہان کر ڈالا تو خود جگر گوشۂ رسولؐ فاطمہ بتولؓ نے آپ ﷺ کی مرہم پٹی کی اور آپ ﷺ کے زخموں کو صاف کیا۔

غزوۂ حنین کے موقع پر حضور اکرم ﷺ حضرت اُمّ سُلیمؓ کے ہاتھوں میں خنجر دیکھ کر دریافت فرمایا کہ:

ماهذا الخنجر؟ (تم نے یہ خنجر کیوں لے رکھا ہے؟)

انھوں نے بڑی جرأت سے فرمایا کہ:

اتخذته إن دنا مني أحد من المشركين بقرت به بطنه۔

(میں نے یہ خنجر اسلئے لے رکھا ہے کہ اگر مشرکین میں سے کوئی مجھ سے قریب آنے کی کوشش کرے گا تو اس خنجر سے میں اس کا پیٹ چاک کردوں گی)

خاتون ہونے کے باوجود اُن میں غیر معمولی جرأت وحوصلہ تھا کہ سخت سے سخت مرحلہ کا بھی پامردی کے ساتھ وہ مقابلہ کرسکیں اور انھوں نے کسی کو اس کا موقع نہیں دیا کہ وہ کسی طرح کی گستاخی کا ارتکاب کرسکے یا ان سے قریب بھی پھٹک سکے، ساتھ ہی انکی اس حالت کو دیکھ کر اور انکے ہاتھوں میں ہتھیار کا مشاہدہ کر کے جنگ میں مخالفین کا حوصلہ پست ہوجائے۔

معاشرہ میں عورت کا مقام کتنا بلند ہے اس کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ خود پیغمبر آخرالزماں حضور اکرم ﷺ نے اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت اُمّ سلمہؓ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر اُس سنگین صورت حال میں مشورہ فرمایا جبکہ صحابہؓ میں افراتفری پھیل رہی تھی اور لوگوں پر یہ بات شاق گزر رہی تھی کہ وہ عمرہ کا احرام باندھکر آنے کے بعد عمرہ اور حج کی ادائیگی کے بغیر ہی حدیبیہ کے مقام سے کس طرح واپس ہوجائیں؟ اور حرم سے دُور ہی کس طرح قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے اور بال منڈا کر واپس لوٹ جائیں؟ صحابہؓ کی طرف سے پس وپیش کو دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت اُمّ سلمہؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے نہایت ہی حکیمانہ مشورہ دیا کہ اس موضوع پر کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ خود ہی اپنی قربانی کر کے اپنے بال منڈا کر لوگوں کے سامنے تشریف لائیں تو پھر کوئی پس وپیش نہ کرے گا اور سبھی آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کی پیروی کرنے لگیں گے۔ چنانچہ یہ تدبیر بیحد کارگر رہی اور فوراً ہی ایک مشکل ترین مسئلہ ایک خاتون کے مشورے سے حل ہوگیا۔

نازک آبگینوں کا خیال

''عورتوں'' میں خلقی طور پر نرمی اور نزاکت رکھی گئی ہے تاکہ وہ انسانی نسل کی تربیت اور پرداخت کا کام اچھی طرح انجام دے سکیں اور گھر میں تسکین و راحت کی علامت بنی رہیں اسلئے ہر قوم میں عورتوں کے ساتھ معاملہ کا الگ الگ نظام رائج ہے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے عورتوں کے ساتھ برتاؤ کا جو مثالی نمونہ چھوڑا ہے وہ کسی اور قوم میں نہیں پایا جاتا۔

اسلامی تعلیمات کی رُو سے نہ صرف یہ کہ عورت کا معاشرہ میں بیحد بلند مقام ہے بلکہ وہ معاشرہ کی بنیادی رُکن بھی ہے کیونکہ عورت کے بغیر نہ تو انسانی معاشرہ کی تشکیل ہوسکتی ہے اور نہ تکمیل، اسلئے حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ برتاؤ کا نہایت ہی شریفانہ اور اعلیٰ معیار قائم فرمایا ہے۔ چنانچہ کسی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ:

کان یکون فی مھنۃ أھلہ۔

(کہ آپ ﷺ گھریلو کاموں میں اپنے اہلِ خانہ کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے)

جب آپ ﷺ سفر کا اِرادہ فرماتے تھے تو اس خیال سے کہ کسی بھی اہلیہ کا دل نہ ٹوٹے یا انہیں شکوہ نہ ہو، اپنے ساتھ سفر میں جانے والی اہلیہ کے انتخاب میں قرعہ اندازی سے کام لیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا ہی بیان ہے کہ:

کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا أراد سفراً أقرع بین أزواجہ۔ (البخاری)

(جب حضور اکرم ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو آپ بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے پھر جن کا نام نکلتا اُن کو اپنے ساتھ سفر میں لے جایا کرتے تھے)

اسی طرح اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ اعتکاف میں تھے اور وہ مسجد میں آئیں اور حضور سے ایک گھنٹہ تک بات کرتی رہیں پھر وہاں سے رُخصت ہوئیں۔ اس طرح اعتکاف اور گوشہ نشینی کی حالت میں بھی آپ ﷺ نے عورت سے ملاقات یا بات چیت کرنے سے گریز نہیں فرمایا بلکہ گفتگو کے بعد اُن کو رخصت کرنے کیلئے آپ ﷺ کچھ دور تک ساتھ بھی تشریف لے گئے۔

آپ ﷺ کی زندگی کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے کھانے کی دعوت میں اس شرط کے ساتھ شرکت فرمائی کہ آپ ﷺ کی اَہلیہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ دعوت میں شریک رہیں۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پڑوس میں ایک فارسی نسل کا آدمی رہا کرتا تھا اور شوربہ اچھا پکایا کرتا تھا، اس نے ایک روز آپ ﷺ کی دعوت کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اور اِس کی بھی؟ تو اُس نے کہا کہ نہیں۔ تو حضور ﷺ نے بھی دعوت قبول نہیں فرمائی۔ پھر دوبارہ وہ شخص آیا اور کھانے کی دعوت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اور اِس کی بھی؟ اُس شخص نے پھر انکار کیا۔ تو آپ ﷺ نے بھی دعوت قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ پھر تیسری بار وہ شخص آیا اور اُس نے دعوت دی تو آپ ﷺ نے پھر وہی سوال فرمایا تو اُس شخص نے کہا کہ ہاں اُن کی بھی دعوت ہے تو آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے ساتھ خوشی سے دعوت میں تشریف لے گئے اور کھانا تناول فرمایا۔

عن أنس ان جاراً لرسول اللہ ﷺ فارسیا کان طیب المرق فصنع لرسول اللہ ﷺ ثم جاء یدعوہ فقال رسول اللہ ﷺ وھذہ؟ لعائشة فقال لا، فقال رسول اللہ ﷺ: لا۔ الخ (رواہ مسلم)

حضور اکرم ﷺ عورتوں کا اِس حد تک خیال فرماتے تھے کہ اگر اُن کو سواری پر بیٹھنے میں دشواری ہوتی تو اُن کے لئے نرم جگہ کا انتخاب فرماتے اور کبھی کبھی اُن کے لئے اپنے گھٹنا کو زینہ بنا دیا کرتے تھے تاکہ وہ اس پر قدم رکھ کر اُونٹ پر سوار ہو سکیں۔

حضرت اَنس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ:

خرجنا إلى المدينة قادمين من خيبر فرأيت النبي ﷺ يحوي لها (أي لصفية) وراءه بعباءة ثم يجلس عند بعيره فيضع ركبته وتضع صفية رجلها على ركبته حتى تركب۔ (رواہ البخاری)

(خیبر سے ہم لوگ مدینہ کیلئے نکلے تو میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ حضرت صفیہؓ کو اپنے پیچھے ایک کپڑے سے چھپائے ہوئے ہیں اور جب وہ سوار ہونا چاہتیں تو اُن کیلئے آپ ﷺ اپنا گھٹنا پیش فرماتے جس پر قدم رکھ کر وہ اُونٹ پر سوار ہوتی تھیں)

یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے حبشیوں کا کھیل دکھلانے کیلئے حضرت عائشہؓ کو اپنے مونڈھے کے پیچھے کھڑا کرلیا کرتے تھے اور خوب سیر ہوکر اُنہیں کھیل دیکھنے دیتے تھے اور اُن کی خاطر خود بھی وہاں کھڑے رہا کرتے تھے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: وكان يوم عيد يلعب فيه السودان بالدرق والحراب فأما سألت النبي صلى الله عليه وسلم وأما قال: تشتهين تنظرين؟ قلت: نعم فأقامني وراءه' خدّي على خدّه وهو يقول دونكم يا بني أرفدة حتى مللت قال: حسبک؟ قلت: نعم۔ قال: فاذهبي۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ عید کے دن حبشی لوگ نیزوں اور ڈھالوں سے کھیلا کرتے تھے اَب یا تو میں نے درخواست کی تھی یا حضور ﷺ نے خود ہی دریافت فرمایا تھا کہ: کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں! تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے اسطرح کھڑا کرلیا کہ میرا رُخسار حضور ﷺ کے رُخسار سے مل رہا تھا اور آپ ﷺ ان حبشیوں کو حوصلہ دلا رہے تھے۔ پھر فرمایا کہ اتنا دیکھنا کیا تمہارے لئے کافی ہے؟ تو پھر واپس چلی جاؤ)

حضور اکرم ﷺ کے پاس جب حضرت فاطمہؓ آتی تھیں اور اُن کی چال بھی خود حضور

ﷺ کی چال کے مشابہ تھی تو جب آپ ﷺ کی نظر اُن پر پڑتی تو آپ ﷺ فرماتے تھے:

مرحبا بابنتي ثم أجلسها عن يمينه أو عن شماله۔ (رواہ البخاری)

(خوش آمدید میری بیٹی، پھر اُن کو اپنے ساتھ دائیں یا بائیں پہلو میں بیٹھالیا کرتے تھے)

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب وہ آتی تھیں تو حضور ﷺ اُن کو چومتے تھے پھر اپنی جگہ پر بٹھالیا کرتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کو خواتین کے ساتھ کیسی شفقت تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ عین نماز کی اَدائیگی کی حالت میں اگر آپ ﷺ کو کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو ماں کی بے چینی کا خیال فرماتے ہوئے آپ ﷺ نماز میں اختصار کر دیا کرتے تھے تاکہ بچہ کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔

حضرت اَنس بن مالک ؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إني لأدخل في الصلاة وأنا أريد إطالتها فاسمع بكاء الصبي فاتجوز في صلاتي مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه۔ (رواہ البخاری)

(میں بسا اَوقات نماز میں داخل ہوتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ نماز کو لمبی کروں لیکن میرے کانوں میں کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے بچہ کے رونے سے اس کی ماں کی تکلیف کے احساس کا اندازہ ہے)

اسی طرح آپ ﷺ کا ایک طریقۂ کار یہ بھی تھا کہ سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے میں تھوڑی تاخیر فرمایا کرتے تھے تاکہ عورتیں جو پچھلی صفوں میں نماز اَدا کیا کرتی تھیں وہ پہلے آسانی سے نکل سکیں۔ چنانچہ حضرت اُمّ سلمہ ؓ کا بیان ہے کہ:

كان رسول الله ﷺ إذا سلّم قام النساء حين يقضي تسليمه

و مکث یسیرا قبل أن یقوم' قال ابن شهاب فأری ان مکثه لکی ینفذ النساء قبل أن یدرکهن من انصرف من القوم۔ (رواہ البخاری)

(جب حضور اکرم ﷺ سلام پھیرتے تو عورتیں اُٹھ جایا کرتی تھیں اور آپ ﷺ اُٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر ٹھہر جایا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ آپ ﷺ ایسا اسلئے کرتے تھے تا کہ عورتیں مردوں سے پہلے مسجد سے نکل جائیں اور انکو پریشانی نہ ہو)

حضرت اَنس بن مالک ؓ کی ہی روایت ہے کہ:

آپ ﷺ نے ایک دن انصار کی کچھ عورتوں کو بچوں کے ساتھ کسی شادی کی تقریب سے واپس لوٹتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ وہیں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

اللّٰھمَ أنتم من أحب الناس إلیَ۔

(اللہ شاہد ہے کہ تم لوگ (یعنی انصار سے تعلق رکھنے والے) میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو)

یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی خواتین کے ساتھ شفقت اور آپ ﷺ کی محبت کا یہ حال تھا کہ حُدی خواں کو بھی آپ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ تیزی کے ساتھ اُونٹوں کو نہ دوڑاؤ اور عورتوں کی نازک مزاجی کا خیال رکھو۔

حضرت اَنس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ:

إن النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم کان فی سفر و کان غلام یحدو بهن (أی بعض نساء النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم و أمّ سُلَیم) یقال له أنجشة و فی روایة لأحمد فاشتد بهن فی السباق فقال النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم یا أنجشة رِفقاً بالقواریر۔

(حضور اکرم ﷺ ایک بار سفر میں تھے اور ایک لڑکا اُونٹوں کو تیز چلانے کیلئے

حُدی خوانی کر رہا تھا، عورتوں میں آپ ﷺ کی بعض اَزواج مطہرات ؓ کے ساتھ اُمّ سُلیم ؓ بھی تھیں تو آپ ﷺ نے اس لڑکے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے انجشہ نرم روی سے کام لو اور نازک آبگینیوں کا خیال رکھو)

اسی طرح راہ چلتی ہوئی ایک خاتون کے سر پر گٹھلیوں کا بوجھ دیکھ کر آپ ﷺ نے اپنی سواری روک لی اور اُن کو اپنے ساتھ اُونٹ پر سوار کر لینے کی پیشکش فرمائی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ:

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما قالت: و كنت أنقل النوى من أرض الزبير وهي مني على ثلثي الفرسخ فجئت يوما والنوى على رأسي فلقيت رسول الله ﷺ ومعه نفر من الأنصار فدعاني ثم قال: إخ إخ ليحملني خلفه فاستحييت أن أسير مع الرجال فعرف رسول الله ﷺ أني أستحييت فمضى۔ (رواہ البخاری)

(اُسماء بنت اَبی بکر ؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے شوہر زبیر بن العوّام کے کھیت سے گٹھلیاں اٹھا کر لایا کرتی تھی جو کئی میل دُور واقع ہے ایک دن میں آ رہی تھی اور میرے سر پر گٹھلیوں کا بوجھ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی نظر پڑ گئی اور آپ ﷺ کے ساتھ اَنصار کے کچھ افراد بھی تھے، آپ ﷺ نے مجھے آواز دی پھر اپنے اُونٹ کو آپ ﷺ نے اِخ اِخ کہکر بیٹھانے کی کوشش کی تا کہ مجھے پیچھے سوار کر لیں لیکن مجھے مردوں کے ساتھ چلنے میں شرم محسوس ہوئی جسے حضور اکرم ﷺ نے بھانپ لیا چنانچہ آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھ گئے)

غزوۂ بدر کا موقع ہے اور ایک ایک صحابی کی ضرورت ہے کہ وہ اسلام اور کفر کے درمیان اس پہلے معرکہ میں شریک رہے لیکن عین اس وقت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک خاتون مریض ہیں اور وہ خود حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادی ہیں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور حضور اکرم ﷺ اُن کو اس بات کی اجازت دیدیتے ہیں کہ وہ اپنی اَہلیہ کی تیمارداری کریں اور جنگ میں نہ جانے کے باوجود ان کو وہی ثواب ملے گا جو شرکائے

جنگ کیلئے مخصوص ہے، اور ساتھ ہی دیگر شرکاء کی طرح مالِ غنیمت میں اُن کا بھی حصہ لگایا جائے گا۔

عن ابن عمر: وأما تغيب عثمان عن بدر فانه كان تحته بنت رسول الله ﷺ وكانت مريضة فقال له الرسول ﷺ: ان لك أجر رجل ممن شهد بدرا وسهمه۔ (رواه البخاری)

(حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ غزوۂ بدر سے اس لئے غائب رہے کہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ اُن کے نکاح میں تھیں اور وہ بیمار تھیں تو حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ بیوی کی تیمار داری کرو اور تم کو وہی اَجر ملے گا جو شرکائے بدر کا ہے اور تم کو مالِ غنیمت میں حصہ بھی ملے گا)

اسی طرح محض ایک خاتون کی حج میں رفاقت کی خاطر آپ ﷺ نے اُن کے شوہر کو جہاد میں شرکت سے معاف فرمادیا چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ:

عن ابن عباس قال رجل: يا رسول الله إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا وفي رواية مسلم: اني اكتسبت في غزوة كذا وامرأتي تريد الحج فقال صلى الله عليه وسلم: أخرج معها۔

(حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ میں جہاد میں نکلنا چاہتا ہوں لیکن میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بیوی کے ساتھ چلے جاؤ اور اُنہیں حج کراؤ)

ایک خاتون کو آپ ﷺ کو آگاہ کئے بغیر ہی دفن کر دیا گیا تھا تو آپ ﷺ کو اس بات کا بیحد صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے اُن کی قبر پر جا کر جنازہ کی نماز پڑھی:

عن أبي هريرة رضي الله عنه ان امرأة سوداء كانت تقم المسجد فماتت فسأل صلى الله عليه وسلم عنها فقالوا: ماتت۔ قال: أفلا

کنتم آذنتمونی۔ دلّونی فاتی قبرھا فصلی علیھا۔ (رواہ البخاری)

(حضرت ابوھریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک کالی عورت مسجد صاف کیا کرتی تھی اور اس کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی خبر کیوں نہیں دی؟ پھر آپ ﷺ اس خاتون کی قبر پر تشریف لے گئے اور اُن پر نماز پڑھی)

بلکہ ایک پُرلطف بات یہ ہے کہ ایک خاتون نے کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ صحیح وسالم واپس آجائیں گے تو میں آپ ﷺ کے سامنے ڈھول بجاؤں گی۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن بریدة قال: خرج رسول اللّٰہ ﷺ فی بعض مغازیه فلما انصرف جاء ت جاریة سوداء فقالت یا رسول اللّٰہ إنی نذرت إن ردک اللّٰہ سالماً أن أضرب بین یدیک الدف وأتغنی؟ فقال لھا: إن کنت نذرت فاضربی وإلا فلا۔ (رواہ الترمذی)

(حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے اور جب آپ کی واپسی ہوئی تو کالے رنگ کی نوخیز لڑکی سامنے آئی اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے نذر مان رکھی ہے کہ اگر آپ صحیح سالم واپس تشریف لے آئیں گے تو میں آپ ﷺ کے سامنے خوشی کے اظہار کے لئے ڈھول بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تم نے نذر مان رکھی ہے تو ڈھول بجالو ورنہ اس کی اجازت نہیں ہے)

آپ ﷺ کی زندگی میں ایسے نمونے بھی ملتے ہیں کہ آپ ﷺ نے غیر مسلم خواتین کی بھی خاطر داری میں کوئی کسر نہیں اٹھارکھی اور اُنکی سخت سے سخت بات پر بھی آپ ﷺ خاموشی اختیار کئے رہے چنانچہ روایت ہے کہ:

اشتکی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فلم یقم لیلتین أو ثلاثا فجاء ت إمرأة فقالت یا محمد إني لأرجو أن یکون شیطانک قد ترکک فلم

أره قربک منذ لیلتین أو ثلاثة فأنزل اللہ عز وجل والضُحیٰ واللَّیل إذا سجیٰ ماودَّعکَ ربّک وماقلیٰ۔ (رواہ البخاری)

(جُندُب بن سفیانؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی دو تین راتیں بیماری اور تکلیف کی گزریں تو ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ ایسا لگتا ہے تمہارے شیطان نے اَب آنا بند کر دیا ہے اور دو تین راتوں سے وہ تمہارے پاس نہیں آیا ہے۔ چنانچہ اللہ نے سورۂ والضحٰی نازل فرمائی جس میں قسم کھا کر کہا گیا ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو نہ تو چھوڑا ہے اور نہ آپ ﷺ سے ناراض ہوا ہے)

آپ ﷺ نے یہ سنکر اُس عورت کی سرزنش نہیں فرمائی۔

اِن تمام واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عورتوں کی راحت کا کتنا خیال رہا کرتا تھا اور عورتوں کی طبعی کمزوری، نازک مزاجی اور دیگر زنانہ خصوصیات کی وجہ سے اُن کے ساتھ کس قدر مشفقانہ برتاؤ فرمایا کرتے تھے۔

۞۞۞

جگر گوشۂ رسول ﷺ کی ایمانی قوت

تاریخ کی عظیم خواتین جنکا معاشرہ میں بلند مقام رہا ہے اور جنہوں نے اپنے فکر و نظر کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی اور عظمت کے لحاظ سے گہرے اَثرات چھوڑے ہیں اُن میں سرفہرست جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمۃ الزہراء ؓ بھی ہیں۔

حضرت فاطمہ ؓ کی ولادت حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے چند سال پہلے اس سنہ میں ہوئی جسمیں قریشِ مکہ نے خانہ کعبہ کی عمارت کی تجدید کا فیصلہ کیا تھا، آپ کی والدہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ ؓ ہیں جن کو عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حاصل ہے اور جو حضور اکرم ﷺ کیلئے نبوت و رسالت کے ابتدائی عہد میں بہت بڑا سہارا تھیں اور جنکی معاشرہ میں عزت و وجاہت اور عقل و رزانت سے حضور اکرم ﷺ کو بڑی راحت تھی۔

حضرت فاطمہ ؓ حضور اکرم ﷺ سے ظاہری شباہت رکھتی تھیں اور حضور ﷺ آپ ؓ سے بیحد محبت فرمایا کرتے تھے، پھر ایک خاتون ہونے کے باوجود جرأت و ہمت بھی رکھتی تھیں اور انکی ایمانی قوت بھی ایسی تھی کہ جہاں بسا اَوقات مردوں کی ہمت بھی جواب دے جاتی وہاں یہ جگر گوشۂ رسول سینہ سپر ہو جایا کرتی تھیں اور اپنے عظیم والد ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے میں اپنی ساری توانائی صَرف کر دیتی تھیں۔

چنانچہ ابوجہل کے بہکانے اور وَرغلانے پر جب بدبخت عُقبہ بن اُبی معیط نے عین سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی پشت مبارک پر اُونٹ کی اُوجھڑی لاکر ڈالدی تو کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اُسے آپ ﷺ کی پشت سے ہٹائے کیونکہ سردارانِ قریش باہم قہقہے لگا رہے اور دھمکیاں دے رہے تھے اُس موقع پر اگر کسی نے ہمت کی تو وہ حضرت فاطمہ ؓ ہی

تھیں۔انھوں نے کفار و مشرکین کو اس حرکت پر سخت وسُست بھی کہا اور حضور اکرم ﷺ کے جسم سے اس غلاظت کو دُور کیا۔

اس کے علاوہ بھی کبھی آپ ﷺ کے چہرۂ اَنور سے مشرکین کی طرف سے پھینکی ہوئی دُھول صاف کرتیں، کبھی آپ ﷺ کی راہ سے کانٹے ہٹاتی نظر آتیں۔غرض یہ کہ وہ اپنے عظیم باپ ﷺ پر دل وجان سے فدا تھیں اور انکی راحت کیلئے ہر طرح کے خطرات جھیلنے اور سختیاں برداشت کرنے کیلئے آمادہ رہتی تھیں۔

قریش مکہ نے جب آپ ﷺ پر قاتلانہ حملہ کی سازش تیار کی تو سب سے زیادہ فکر مند حضرت فاطمہؓ ہی رہنے لگیں لیکن آپ ﷺ کی حفاظت کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے کر رکھا تھا اور اس نے یہ خوشخبری بھی سنادی تھی کہ لوگوں کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے گا۔چنانچہ آپ ﷺ نے "شاهت الوجوه" (ظالموں کے چہرے مسخ ہوئے) کہتے ہوئے ایک مشت خاک اُنکے چہروں پر پھینکی اور رُخصت ہو گئے جس کا اَثر یہ ہوا کہ وہ لوگ آپ ﷺ پر حملہ آور نہیں ہو سکے اور جس جس پر بھی اس مٹی کے ذرّات پڑے سبھی بدر کے معرکہ کی نذر ہو گئے۔

حضرت فاطمہؓ بڑی باعزیمت خاتون تھیں، بڑے بڑے مصائب انہوں نے جھیلے اور اُف تک نہ کہا اور صبر ورضا کا پیکر بنی رہیں۔والدہ نے داغِ مفارقت دی جس سے خود حضور اکرم ﷺ بے حد مغموم اور متاثر ہوئے اور انکی وفات کے سال کو آپ نے ''عام الحزن'' قرار دیدیا کیونکہ اسی سنہ میں ہمدرد چچا اَبوطالب بھی رخصت ہو گئے جو حضور ﷺ کی ہمیشہ پشت پناہی کیا کرتے تھے۔

حضرت فاطمہؓ کو اپنی تین بہنوں، حضرت رقیہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت اُمّ کلثومؓ کی وفات کا بھی غم سہنا پڑا جو سب کی سب آپ سے پہلے ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں، اس کے بعد وہ اپنی بہنوں میں تنہا رَہ گئی تھیں یہ غم بھی انکے لئے معمولی نہیں تھا لیکن وہ اللہ کے فیصلے پر

راضی اور صبر و استقامت کی پیکر بنی رہیں۔

حضور اکرم ﷺ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مدینہ ہجرت فرما گئے اس کے بعد حضرت فاطمہؓ اس وقت روانہ ہوئیں جب آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت علیؓ بن ابی طالب خود اپنی والدہ فاطمہ بنت اسدؓ نیز فاطمہ بنت الزبیرؓ، فاطمہ بنت حمزہ عبد المطلبؓ اور ایمن ابن اُمّ ایمنؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ کیلئے روانہ ہوئے اور انکے ساتھ حضرت فاطمہؓ بتول بھی گئیں۔

راستہ میں مشرکین نے حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت علیؓ بن ابی طالب کی بہادری کے سامنے وہ نہ ٹک سکے اور ان کو پسپا ہوجانا پڑا اور مرعوب ہوکر وہ خود منتشر ہوگئے۔

حضور اکرم ﷺ سے نسب کا رشتہ رکھنے کا خواہاں کون نہیں ہوسکتا لیکن یہ رُتبہ بلند ملا جسکو مل گیا۔

حضرت فاطمہؓ جب اٹھارہ سال کی ہوگئیں تو نکاح کا پیغام مختلف لوگوں کی طرف سے آنے لگا اُن میں خود حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی شامل ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس معاملہ میں آپ ﷺ کو اللہ کے فیصلہ کا انتظار ہے، کبھی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ابھی کم عمر ہے لیکن آپ ﷺ کا رُجحان اس معاملہ میں شروع سے حضرت علیؓ کی طرف تھا اور آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ وہ حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے نکاح میں دیں۔ حضرت فاطمہؓ نے جب شادی کا ذکر سنا تو آبدیدہ ہوگئیں تو حضور ﷺ نے ان کو تسکین دلاتے ہوئے فرمایا کہ:

مالک تبکین یا فاطمة فو اللّٰہ أنکحتک أکثرھم علماً وأفضلھم حلماًوأوّلھم سلماً۔

(بیٹی فاطمہ تم روکیوں رہی ہو؟ میں نے تمہارے نکاح کیلئے جن کا انتخاب کیا

ہے وہ علم میں برتر، تحمل و بردباری کے پیکر اور اسلام و ایمان میں سبقت لے جانے والے ہیں)

حضرت فاطمہؓ کے آبدیدہ ہونے کی وجہ ایک تو شادی کے بعد عظیم باپ ﷺ کا گھر چھوٹ جانے کا احساس، اپنے مقام و مرتبت کا خیال اور ایسے مبارک وقت میں والدہ محترمہ کا سایہ سروں پر نہ ہونے کا احساس یہ ساری ہی چیزیں ایسی ہیں جس پر انسان کے آنکھوں سے آنسو آ ہی جایا کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے پاس ایمان و یقین کی دولت اور نسبی نجابت و شرافت کے علاوہ سیم وزر کی دولت تھی بھی کہاں کہ وہ جگر گوشۂ رسول ﷺ کے شایانِ شان تحفے اور زیب و زینت کے سامان فراہم کر سکیں۔

حضرت علیؓ نے اپنی زِرَہ فروخت کر دی جس سے کل چار سو اسی ۴۸۰ درھم حاصل ہوئے، حضور ﷺ نے اس کا ایک حصہ خوشبو اور زیب و زینت کے سامان کیلئے اور ایک حصہ نیا گھر بسانے کے اخراجات کیلئے خرچ کرنے کی تلقین فرمائی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

خطبۂ نکاح آپ ﷺ نے خود ہی پڑھا، اور دونوں کیلئے برکت و سعادت اور پاکیزہ نسل کی دُعا فرمائی، اور رُخصتی کے بعد بھی آپ ﷺ انکی سرپرستی اور خبر گیری فرماتے رہے اور پانی دَم کر کے دونوں کے سینے پر آپ ﷺ نے چھڑک دیا۔

حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کو کس قدر عزیز تھیں اس کا اَندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جب آتیں تو آپ ﷺ اُن کا ہاتھ پکڑ لیتے کبھی اُسے چوم بھی لیا کرتے اور پھر انکو اپنے برابر بٹھاتے تھے۔

یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت علیؓ ہشام بن المغیرہ کی بیٹی سے شادی کا عزم رکھتے ہیں تو حضور ﷺ بے چین ہو گئے اور بڑی ناراضگی کے عالم میں فرمایا:

إنی لا آذن، لا آذن، لا آذن۔ إنما فاطمة بضعة منی یریبنی ما رابها۔

(میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے اور جس چیز سے فاطمہ کو تشویش ہو میرے لئے بھی تشویش کی بات ہے)

چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں کسی اور خاتون سے رشتۂ نکاح قائم نہیں فرمایا۔ اور جگر گوشۂ رسول کا مقام بھی اتنا ہی بلند و بالا تھا کہ انکی گھریلو زندگی میں کسی اور کی مداخلت ہرگز قابل انگیز نہیں ہوسکتی تھی۔

حضرت فاطمہؓ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی آخری بیماری کے زمانہ میں آئیں تو حضور نے انکے کانوں میں کچھ ارشاد فرمایا تو حضرت فاطمہؓ رونے لگیں پھر آپ ﷺ نے دوبارہ اُنکے کانوں میں کچھ فرمایا تو وہ ہنسنے لگیں کسی یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوئی اور جاننا چاہا کہ حضور ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی سے ایسی خاص بات کیا فرمائی ہے کہ جس سے اُن پر پہلے تو یہ اثر ہوا کہ وہ رونے لگیں پھر دوبارہ آپ ﷺ کے ارشاد کو سنکر وہ ہنسنے لگیں۔ لیکن حضرت فاطمہؓ نے صفائی سے انکار کر دیا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں حضور کا راز افشا نہیں کرسکتیں چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ دَراصل پہلے حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ گویا اَب اُن کے وصال کا وقت قریب ہے اسلئے میں رونے لگی۔ پھر دوبارہ آپ نے سرگوشی کے انداز پر ارشاد فرمایا کہ میں جب دُنیا سے رُخصت ہوجاؤں گا تو مجھ سے دوسری دنیا میں سب سے پہلے ملنے والی تم ہوگی، تو پھر میں ہنسنے لگی۔

حضور ﷺ کی یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ چھ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ جگر گوشۂ رسول فاطمہ بتولؓ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں تو بیشمار ایسے مواقف ہیں جو رہتی دنیا تک کیلئے سبق

آموز رہیں گے۔

صحیح حدیثوں میں یہ بات تو ہے ہی کہ آپؓ نے ایک دن حضور اکرم ﷺ سے اپنی مشقت کا ذکر کر کے کسی خدمت گزار کا مطالبہ کیا، اللہ کے رسول اور مربیٔ اعظم ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی کی مشقت سنی بھی اور ہاتھوں کے چھالے بھی دیکھے لیکن اپنی بیٹی کو خادم کے بجائے اللہ کی تسبیح وتحمید کے کلمات سکھلا دیئے اور زندگی کی سعادت اور آخرت کی کامیابی کیلئے ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھتے رہنے کی تلقین فرمائی اور عظیم بیٹی نے باپ ﷺ کی طرف سے تلقین کردہ کلمات کو حرز جان بنالیا اور خادم کی طلب کو ہمیشہ کیلئے ذہن ودماغ سے خارج کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ کیلئے سب سے زیادہ سعادت کے ایام وہ تھے جب انکے سروں پر سرورِ کونین ﷺ کا سایہ برقرار تھا وہ حضرت علیؓ کی زوجیت میں تھیں اور اللہ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جیسے پھول انکو عطا کئے جنکو خود حضور اکرم ﷺ اپنے دو پھول قرار دیتے اور محبت میں اپنی پشت پر ان کو سوار فرما لیتے اور نماز کی حالت میں انکی راحت کا خیال فرماتے اور دیر تک سجدہ میں پیشانی زمین پر رکھے رہتے تھے۔

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار قرار پائے اور حضرت فاطمہؓ جنتی عورتوں کی رہبر اور سربراہ قرار پائیں۔اس سے بڑھکر اور دنیا وآخرت کی سعادت کیا ہوسکتی ہے؟

حضور اکرم ﷺ کے وصال پر یوں تو ہر کوئی بے چین ہو کر رہ گیا کسی کی زباں بند ہوگئی اور وہ سکتہ کے عالم میں آ گیا، کسی نے تلوار سونت لی اور موت کے واقعہ پر یقین کرنا ہی اس کیلئے مشکل ہوگیا۔ کسی کو یہ غم ستانے لگا کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اَب آسمان وزمین کے درمیان رابطہ ختم ہوگیا ہے اور پاک وحی کا سلسلہ بند ہوگیا ہے جو سب سے بڑی محرومی ہے کہ آسمان سے فرشتہ ربّ کائنات کا پیغام لیکر آیا کرتا تھا اَب وہ اس مقصد کیلئے

کبھی نہیں آئے گا۔

اس طرح کے المناک ماحول میں حضرت فاطمہؓ پر کیا گزری ہوگی اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے، تاریخ وسیرت کی کتابوں میں انکی طرف منسوب کئی شعر نقل کئے گئے ہیں جو انتہائی غم کے عالم میں آپ کی زبان سے نکل جایا کرتے تھے خواہ اُن میں سے بعض ان کا کلام ہو یا کسی پیشرو شاعر کا۔ کسی میں یہ مفہوم اَدا کیا گیا ہے کہ جس نے حضور اکرم ﷺ کے روضہ کی مٹی سونگھ لی اُسے کسی اور خوشبو کے سونگھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور یہ کہ:

صبت علي مصائب لو أنها

صبت على الأيام صرن لياليا

(مجھ پر غم کے ایسے ایسے پہاڑ ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ دن کی روشنی پر ٹوٹتے تو وہ بھی رات ہو جاتی)

اُن کا وہ جملہ کتنے پیار و محبت کا ہے جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی تدفین سے فارغ ہو کر لوٹنے والے صحابہؓ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا اور خاص طور پر حضرت انسؓ سے خطاب کر کے کہنے لگیں کہ:

یا أنس کیف طابت أنفسکم أن تحثوا التراب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

(اے انس آپ لوگوں کو آخر یہ بات کیسے گوارا ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کو زیر زمیں دفن کردیں اور آپ ﷺ پر مٹی تھوپ دیں؟)

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب سوائے ایک غم انگیز کی چیخ کے ہو بھی کیا سکتا ہے؟

خود انکی اپنی وفات کا وقت آیا تو زیر لب تبسم کے ساتھ اس دنیا سے رُخصت ہوئیں تا کہ اپنے پدر بزرگوار سے سب سے پہلے جا ملیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی پیشین گوئی فرمادی تھی۔

حضرت فاطمہؓ کا مقام معاشرہ میں اسلئے بلند تھا کہ: وہ جگر گوشۂ رسول تھیں۔

اور اسلئے بھی کہ:

وہ علم و فضل کے ساتھ صبر و استقامت کی پیکر بھی تھیں۔

اور اسلئے بھی کہ:

وہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی، حضرت علیؓ کی شریک حیات اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی ماں کی حیثیت سے ایک مثالی خاتون اور رہتی دنیا تک آنے والی عورتوں کیلئے آئیڈیل تھیں۔

اور اسلئے بھی وہ معاشرہ میں بلند مقام رکھتی تھیں کہ وہ آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے، غم و اَلم کو انگیز کرنے اور حالات کا صبر و استقامت کے ساتھ مقابلہ کرنے میں اپنی مثال آپ تھیں۔

آج بھی خاتونِ جنت کی طرف سے دنیا کی تمام خواتین کیلئے یہ پیغام ہے:

سچے ایمان، پکّے عقیدے اور اچھے عمل کے ذریعہ دنیا کی زندگی بھی جنت نشاں بن سکتی ہے اور آخرت کی جنت کا بھی آدمی مستحق ہوسکتا ہے۔ ربّ کائنات اُنکی قبر پر رحمت کی پھوار برساتا رہے۔

زیورِ علم سے آراستہ خواتین

تہذیبی ترقی اور عروج کے زمانہ میں مسلمان عورتیں علم وفضل کے کس مقام پر فائز تھیں اس کا اندازہ قرنِ اوّل کی بعض خواتین کی زندگی سامنے رکھنے سے اچھی طرح لگایا جاسکتا ہے۔

ابھی پہلی صدی ہجری ختم نہیں ہوئی ہے حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ ایک کے بعد ایک دنیا سے رُخصت ہوتے جارہے ہیں اور زمانہ اُن لوگوں کا آتا جارہا ہے جنھوں نے خود حضور اکرم ﷺ کا جلوۂ اَنور تو نہیں دیکھا تھا البتہ آپ ﷺ کی صحابیت کے شرف سے مشرف ہونے والوں کے ساتھ زندگی بسر کی تھی' ان سے علم سیکھا تھا اور انکی صحبت کا فیض اٹھایا تھا ایسے مردوں کو ''تابعی'' اور عورتوں کو ''تابعیہ'' کہا جاتا ہے۔

تابعین کے سرخیل اور اسلامی خلافت کو خلافتِ راشدہ کے رنگ میں فروغ دینے والے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو احساس ہوتا ہے کہ اَکابر اہلِ علم اٹھتے جارہے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی اَحادیث کا بڑا ذخیرہ جن صحابہ کرامؓ کے سینوں میں تھا وہ رُخصت ہوتے چلے جارہے ہیں چنانچہ انہوں نے مدینہ کے گورنر ابوبکر محمد بن ابوحزم کو خط لکھا کہ وہ تدوین حدیث کے کام کا آغاز کریں اور حضور اکرم ﷺ کی اَحادیث کو تحریری طور پر محفوظ اور مدوّن کرنے کا انتظام کریں اس سلسلہ میں خاص طور پر انہوں نے عُمرہ بنت عبدالرحمن کی حدیثوں کو لکھنے پر زور دیا اور یہ کام نہ ہونے کی صورت میں علم کے ضائع ہوجانے کے اندیشہ کا اظہار کیا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عُمرہ بنت عبدالرحمن کس پایہ کی عالمہ تھیں کہ انکی روایت

کردہ حدیثوں کو محفوظ کرنے کا خلیفۂ وقت کو اِس درجہ خیال تھا۔

حضرت عَمرہ دَرحقیقت مشہور صحابی سعد بن زُرارہؓ کی پوتی تھیں انکی پرورش اور تعلیم وتربیت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کی گود میں ہوئی تھی، انکو اللہ تعالیٰ نے قوّتِ حافظہ کے ساتھ غیر معمولی ذکاوت وذہانت سے بھی نوازا تھا، وہ فقہ وحدیث میں مہارت رکھتی تھیں چنانچہ خلیفۂ وقت بھی ان سے فتوے پوچھتے اور حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔ امام زُھریؒ جو بلند پایہ محدّثین میں شمار ہوتے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے میرے استاذ مدینہ کے فقیہ قاسم بن محمدؒ نے مشورہ دیا کہ اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو عَمرہ بنت عبدالرحمن کے پاس جاؤ چنانچہ جب میں انکی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اُنہیں علم کا سمندر پایا۔

حضرت عَمرہ کے پاس حضرت عائشہؓ کی اَحادیث کا بڑا ذخیرہ تھا اور وہ ان کی تین بلند پایہ خواتین شاگردوں میں سے ایک تھیں جنکو حضرت عائشہؓ سے خصوصی فیض پہنچا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے حضرت اُمّ سلمہؓ، اُمّ ہشام بنت الحارثؓ، حبیبہ بنت سہلؓ اور حمنہ بنت جحشؓ وغیرہ سے بھی کسبِ فیض کیا تھا اور ان سبھوں سے روایتیں نقل کی تھیں۔ مشہور صحابی رافع بن خدیج الانصاریؓ سے بھی انہوں نے روایتیں نقل کی ہیں اور پھر انکے شاگردوں میں امام زُھریؒ، ابوبکر بن حزمؒ، عُروہ بن الزبیرؒ اور سلیمان بن یسارؒ جیسے بلند پایہ لوگ ہیں۔

مشہور مؤرخ ابن سعد کہتے ہیں کہ عَمرہ بلند پایہ عالمہ تھیں، امام ذہبی ان کا شمار بلند پایہ علماء وفقہاء کی صف میں کرتے ہیں اور وہ خود ایک طویل عرصہ تک مدینہ طیبہ میں حضرت عائشہؓ کی اَحادیث کے بارے میں حضرت عَمرہ سے رُجوع کرتے رہے۔ ۸۹ھ ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع سے قریب اپنے بھائی کے باغ میں دفن ہوئیں۔

قرنِ اوّل کی خواتین صرف حدیث اور فقہ کا علم ہی حاصل نہیں کیا کرتی تھیں بلکہ ان کو اَدب، شعر اور دیگر علوم میں بھی مہارت حاصل ہوا کرتی تھی۔ اور ان میں سے بعض علاج

معالجہ کا کام بھی سیکھتی تھیں پھر ہر طرح کی ذہنی وعقلی بلند پروازیوں کے باوجود وہ اپنی نسوانی خصوصیات کی بھی مکمل طور پر حفاظت کرتی تھیں اور معاشرہ میں انکو عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

آیئے زنانہ کمال کا ایک اور رنگ ہم حضرت عائشہ بنت طلحہؓ کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ زمانہ ان کا بھی وہی ہے اور ان کا شمار بھی تابعیات میں ہوتا ہے، اللہ نے انکو باطنی فضل وکمال کے ساتھ ظاہری حسن وجمال سے بھی خوب نوازا تھا، اچھی صورت وسیرت رکھنے والی عورتوں میں ان کا چرچا رہتا اور اُن کے حُسن وجمال کو جو بھی دیکھتا حیران وششدر رہ جاتا تھا، وہ خود ہی اپنے بارے میں فرماتی ہیں کہ:

واللّٰہ لأنا أحسن من النار فی عین المقرور فی اللیلۃ القارۃ۔

(خدا کی قسم ٹھنڈی رات میں سردی سے بیچین شخص کی نظر میں آگ جتنی پیاری ہوتی ہے میں اس سے بھی زیادہ دلکش ہوں)

عائشہ بنت طلحہؓ نہایت شریف گھرانے کی تھیں انکی والدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اُمّ کلثوم تھیں اور انکے والد جنت کی بشارت پانے والے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ تھے جو اپنی سخاوت کی وجہ سے "طلحۂ خیر" اور "طلحۂ فیاض" کے نام سے مشہور تھے۔

عائشہ بنت طلحہؓ کو حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شاگردی کی نسبت تو تھی ہی کہ وہ رشتہ میں انکی خالہ بھی تھیں لیکن ساتھ ہی انکو شعر واَدب اور دیگر علوم وفنون میں بھی بڑا کمال حاصل تھا چنانچہ ایک طرف بلند پایہ محدّثین اِمام ذہبیؒ، اِمام مزّیؒ، ابوزرعہ رازیؒ وغیرہ انہیں عَمرہ بنت عبدالرحمن اور حفصہ بنت سیرین کی طرح معتبر ترین راویوں میں شمار کرتے ہیں تو دوسری طرف اَدب کی کتابیں انکے لطائف، انکی زندگی کے البیلے انداز اور اپنے شوہر کے ساتھ انکی دلچسپ داستانوں سے بھری پڑی ہیں، ساتھ ہی وہ جہاں علمی کمال میں شہرت رکھتی ہیں وہیں ذکر وعبادت میں بھی اپنے زمانہ میں بے مثال نظر آتی ہیں۔

ان کے قلب کی پاکیزگی کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ انکے والد جنکی وفات پر ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا وہ کہہ رہے ہیں کہ:

یا بنیة أخرجیني من هذا الماء الذی یؤذیني۔

(بیٹی مجھے اس جگہ سے نکالو کیونکہ یہاں بہنے والے پانی سے مجھے اَذیت ہورہی ہے)

چنانچہ بیدار ہونے کے ساتھ ہی انہوں نے چند افراد کو ساتھ لیا اور سیدھے اپنے والد کی قبر پر گئیں اور اسے کھول کر دیکھا تو واقعی پانی سے انکے ایک پہلو پر نشان پڑ گیا تھا ورنہ انکی لاش جوں کی توں محفوظ تھی۔ چنانچہ انہوں نے بصرہ میں ایک مکان خرید کر انکو وہاں دفن کر دیا اور قریب میں ایک مسجد بھی بنوادی۔

عائشہ بنت طلحہؓ کی شادی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے عبداللہ سے ہوئی تھی انکے انتقال کے بعد مُصعب بن الزبیر سے انہوں نے نکاح کر لیا جو مدت سے اس کے خواہاں تھے۔

کہا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کے صحن میں ایک دن مُصعب بن الزبیرؔ عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن عمرؓ تینوں جمع تھے ہر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اپنی اپنی خواہشات اور اُمنگوں کا ذکر کرو تو مصعب بن الزبیر نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت الحسینؓ سے شادی کروں چنانچہ انکی یہ تمنا پوری ہوگئ، عبدالملک بن مروان نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ خلافت کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں آجائے چنانچہ اسکی بھی یہ تمنا پوری ہوگئ، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جنت میں جانے کی تمنا کی جسے اللہ تعالیٰ پوری کرنے والا ہے۔

مُصعب بن الزبیر کی عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت الحسینؓ دونوں سے شادی ہوئی اور انہوں نے دونوں کو پانچ پانچ لاکھ درہم بطور مہر دیئے اور اتنی ہی قیمت کا جہیز بھی دیا۔

عائشہ بنت طلحہ میں حُسن و جمال کے ساتھ جونسوانی اَوصاف پیدا ہوتے ہیں وہ بھی یقیناً تھے چنانچہ جب رُوٹھ جاتیں تو انکو منانا بڑا مشکل ہوتا اور مصعب بن الزبیر کو اس کے لئے بڑے جتن کرنے پڑتے تھے۔

ایک دن صبح سویرے سوئی ہوئی تھیں کہ شوہر نامدار نے بیس ہزار دینار کی قیمت کے آٹھ موتی انکی گود میں لاکر بکھیر دیئے تو بجائے خوش ہونے کے کہنے لگیں ''کہ میری نیند ان موتیوں سے کہیں زیادہ قیمتی تھی''۔

ایک دن ناراض ہوگئیں تو دس ہزار درہم کے انعام کے وعدہ پر اَشعب نامی شخص نے ان کو منانے کی کوشش کی لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ شخص کہنے لگا کہ اللہ کے واسطے آپ تھوڑی دیر کیلئے مان جائیں تاکہ میں اپنے دس ہزار وصول کرلوں پھر آپ کو بداخلاقی کا اختیار ہے یہ سنکر ان کو ہنسی آ گئی اور انہوں نے اپنے شوہر سے ناراضگی ختم کردی۔

مُصعب بن الزبیر قتل کردیئے گئے تو پھر انہوں نے عبیداللہ بن معمر سے شادی کرلی اور آٹھ سال تک ان کے ساتھ رہیں پھر ان کا بھی انتقال ہوگیا تو انہوں نے کھڑے ہو کر ماتم کیا جو عربوں کے رواج کے مطابق اس بات کی علامت تھی کہ اَب وہ شادی نہیں کریں گی۔

اس کے بعد انہوں نے ایک سال مکہ مکرّمہ میں اور ایک سال مدینہ طیبہ میں گزارنا اپنی زندگی کا معمول بنالیا تھا، اور چونکہ انکے پاس دولت بھی بے پناہ تھی تو کبھی کبھار اسکی دیکھ بھال کیلئے طائف بھی جایا کرتی تھیں اور حج کیلئے نکلتیں تو بڑے شان وشوکت سے نکلتی تھیں۔

ان کے حُسن و جمال سے زیادہ ان کے فضل وکمال کا شہرہ تھا اور انکو بڑی عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

ہشام بن عبدالملک کے دربار میں گئیں اور اس نے پوچھا کہ کیوں زحمت کی؟ تو بڑی بیباکی سے کہا کہ:

''اسلئے آئی ہوں کہ ایک طرف بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی ہے اور دوسری طرف بادشاہِ وقت بھی اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہے''

ہشام بن عبد الملک نے علماء اور دانشوروں کو جمع کیا کہ عائشہ بنت طلحہ کے ساتھ علمی مجلس منعقد کی جاسکے چنانچہ انکے علم فضل، اور شعر واَدب اور علم الانساب میں مہارت پر خود خلیفۂ وقت دنگ رَہ گیا اور انکی عالمانہ گفتگو سن کر علماء کو بھی حیرت ہوئی۔

یہ شان تھی قرنِ اَوّل کی خواتین کی جو خاتونِ منزل ہونے کے ساتھ علم وفضل میں بھی یکتائے روزگار ہوا کرتی تھیں اور جن کی وجہ سے معاشرہ میں عورتوں کو بلند مقام حاصل تھا۔ کاش کہ آج کی خواتین بھی صرف فیشن کے پیچھے دوڑنے کے بجائے اپنے آپ کو علم واَدب کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتیں۔

اُس زمانہ کی صرف ایک دو خواتین ہی کا یہ حال نہ تھا بلکہ بے شمار عورتیں ایسی تھیں جن کو علم وفضل میں امتیاز حاصل تھا چنانچہ حضرت علیؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی جنکا نام بھی فاطمہ تھا (یاد رہے کہ مشہور مؤرخین طبری اور ابن کثیر وغیرہ نے حضرت علیؓ کی صلبی اولاد میں ۱۴ر لڑکے اور ۱۷ر بیٹیوں کا ذکر کیا ہے)۔

انہوں نے اَسماءؓ بنت عُمیس اور محمد بن الحنفیہ وغیرہ سے حدیثیں روایت کی ہیں اور انکی حدیث امام نسائی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔ فاطمہ بنت علیؓ میں قدرتی طور پر علم وفضل کے ساتھ زہد ووَرع اور جرأت وحیا کی وغیرہ کے اَوصاف بھی تھے، انہیں اِس بات سے سخت نفرت تھی کہ عورتیں مردوں جیسی ہیئت اختیار کریں، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان کا بیحد احترام کرتے تھے اور آلِ بیت میں سے ہونے کی وجہ سے اُن کا خاص طور پر خیال رکھا کرتے تھے، اللہ نے انکو عمر بھی طویل دی تھی چنانچہ انکی وفات ۱۱۷ھ ہجری میں ہوئی جبکہ وہ ۹۰ر سال سے زیادہ عمر کی ہوچکی تھیں۔

اسی زمانہ کی نامور خواتین میں حضرت ''خَیرہ اُم الحسن البصریؒ'' کا بھی شمار ہوتا ہے جو

مشہور تابعی حضرت حسن البصریؒ کی والدہ تھیں، اُنکی عظمت کیلئے تو یہ بات بھی کافی تھی کہ اللہ نے انکو حضرت حسن بصریؒ جیسا نامور عالم، عابدؒ فقیہ اور فصیح واعظ وخطیب بیٹا عطا کیا تھا۔

حضرت خیرہ حضرت اُمّ سلمہؓ کی باندی تھیں چنانچہ ان کو حضرت اُمّ سلمہؓ سے علم حاصل کرنے کا موقع ملا اور اُن سے متعدد نامور علماء وفقہاء نے فیض حاصل کیا، حفصہ بنت سیرین کا شمار بھی انکی شاگردوں میں ہوتا ہے۔

خَیرہ تو حضرت اُمّ سلمہؓ کی خدمت میں مشغول رہا کرتی تھیں اور انکے بیٹے حسن اپنی شیر خوارگی کے زمانہ میں جب روتے تھے تو حضرت اُمّ سلمہؓ ان کو چُپ کرنے کیلئے اپنی چھاتی سے لگا لیتی تھیں اور اپنا دودھ بھی بسا اُوقات پلا دیتی تھیں۔

یاد رہے کہ ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد سب سے زیادہ روایتیں حضرت اُمّ سلمہؓ ہی کی ہیں۔

مسلم خواتین کا ذوقِ علم

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ:

إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: من صدقة جارية أو علم ينتفع به بعده أو ولد صالح يدعو له۔ (رواہ مسلم)

(جب کسی انسان کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، ایک جاری رہنے والا صدقہ، دوسرے فائدہ پہنچانے والا علم، اور تیسرے نیک اولاد جو اُس کیلئے دُعاء کرے)

اس کا اثر ایک طرف تو یہ ہوا کہ جہاں کہیں بھی دُنیا میں مسلمان رہے وہاں مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں اور قبرستانوں کیلئے اَوقاف کی جائدادیں بے شمار ہوتی گئیں تو دوسری طرف علم کے حصول کا جذبہ جو قرآن نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کردیا تھا اُس کو آپ ﷺ کے اس ارشادِ مبارک نے خود علم حاصل کرنے کے ساتھ اپنے بچوں کو علم سکھانے اور اُن میں تقویٰ وطہارت کی رُوح پیدا کرنے کا رُجحان اتنا بڑھادیا کہ ساری اسلامی دنیا علم وعمل کا گہوارہ بن گئی اور مردوں کے ساتھ عورتیں بھی بڑی تعداد میں مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرکے بہترین معلّمات بن گئیں چنانچہ ایک ایک محدّث کے سیکڑوں اُساتذہ میں بسا اَوقات اَسّی اَسّی خواتین کے نام بھی آتے ہیں جن سے انھوں نے علم حاصل کیا تھا۔

حافظ ابن عساکر جنکی ایک کتاب ''تاریخِ دمشق'' حال ہی میں ۸۰ رجلدوں میں چھپی ہے ان کے اساتذہ میں اَسّی سے زائد عورتیں شامل ہیں جن سے انھوں نے روایتیں نقل کیں اور علم حاصل کیا ہے، مسلمانوں کے علاوہ دُنیا کی کوئی قوم اس طرح کی ایک مثال بھی

پیش نہیں کرسکتی۔

مشہور مؤرخ محمد بن سعد جنکی کتاب ''طبقات ابن سعد'' تاریخ کے بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے انہوں نے حدیث روایت کرنے والی عورت راویوں کا الگ سے تذکرہ کیا ہے اور سات سو سے زائد ایسی خواتین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ یا آپ ﷺ کے صحابہ کرام یا دیگر ائمہ سے روایتیں نقل کی ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مقام کتنا بلند ہے؟ اور انکو اللہ نے کیسے زبردست علم وفضل سے نوزا تھا؟ اور حضور ﷺ نے اُن کے بارے میں یہ شہادت بھی دی ہے کہ أقضاهم علی (صحابہ میں سب سے زیادہ قضاء کی اہلیت رکھنے والے علی بن اَبی طالبؓ ہیں)

آپ کو یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ انھوں نے جہاں براہِ راست علم حاصل کیا تھا وہیں حضور اکرم ﷺ کی باندی میمونہ بنت سعدؓ سے بھی روایت کی ہے اور استفادہ کیا ہے۔ دیکھئے (الاصابۃ ۷/۱۷۳)

محدّثین میں ایک نام امام ابومسلم فراہیدیؒ کا آتا ہے انہوں نے ستر عورتوں سے حدیثیں نقل کی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ نے فاطمہ بنت جوہر سے علم حاصل کیا ہے، ابن حزمؒ نے زینب بنت الکمال سے علم حاصل کیا، حافظ ابن حجرؒ کے اَساتذہ میں زینب بنت عبداللہ کا نام بھی آتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تو متعدد خواتین کی علمی مجلسوں میں شرکت کی ہے اور اُن سے حدیث کی سندیں اور ڈگریاں لی ہیں اور یہ مبارک سلسلہ حضرت اُمّ المؤمنین عائشہؓ سے لیکر اس صدی تک جاری رہا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

ما رأیت أحدا أعلم بفقه و لا طب و لا شعر من عائشة۔ (طبقات ابن سعد

۷/۳۹)

(میں نے فقہ، طب اور شعر کا حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

ما رأيت أحدا من الناس أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحديث العرب ولا بنسب من عائشة۔ (العلم والعلماء ص/۲۴۴)

(میں نے لوگوں میں قرآن، فرائض اور حلال وحرام کے ساتھ شعر، عربوں کی تاریخ اور عربوں کے انساب کا حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی ماہر نہیں دیکھا)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ:

ما أشكل علينا أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم حديث قط فسألنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علما۔ (من أخلاق العلماء ص/۲۶۱)

(ہم حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کو جب بھی کوئی علمی اِشکال پیدا ہوتا تو وہ حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے اور اُنکے پاس مسئلہ کا حل ضرور مل جاتا)

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

إنها كانت وحيدة عصرها في ثلاثة علوم: علم الفقه وعلم الطب وعلم الشعر۔

(تین علوم میں وہ یکتائے روزگار تھیں، فقہ، طِب اور شعر میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا)

اِمام حاکم نیساپوری فرماتے ہیں:

فحمل عنها ربع العلم۔ (الاجابۃ للزرکشی ص/۵۹)

(علم کا ایک چوتھائی حصہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو پہنچا)

حضرت عائشہؓ کے علم وفضل کا یہ حال تھا کہ وہ بڑے بڑے صحابہ کو غلطیوں پر ٹوک دیتی تھیں اور انکی روایت کردہ حدیثوں میں اِصلاح فرمایا کرتی تھیں اور ان حدیثوں کا صحیح موقع ومفہوم بیان کرتی تھیں چنانچہ امام زرکشی نے پوری ایک کتاب ہی اس موضوع پر مرتب کردی ہے اور ان حدیثوں کو جمع کردیا ہے جن پر حضرت عائشہؓ کے اعتراضات واصلاحات ہیں۔

معاشرہ میں اگر کوئی بات غلط دیکھتیں تو اس پر تنبیہ فرمایا کرتی تھیں اس سلسلہ کا ایک قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص قصہ گو اور واعظ تھا جو موقع بے موقع لوگوں کو نصیحت کیا کرتا تھا اور دُعائیں بھی سجع اور قافیہ کی پابندی کے ساتھ اور شعری وزن کے مطابق کرنے کی کوشش کرتا تھا، حضرت عائشہؓ نے جب اسکی یہ حالت دیکھی تو ابن اَبی السائب نامی اس شخص کو بلاکر تنبیہ فرمائی اور کہا کہ:

إجتنب السجع فی الدعاء فإن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وأصحابه ما کانو ن یفعلو ن ذلک۔ وقص علی الناس فی کل جمعة مرة فان أبیت فثنتین فان أبیت فثلاثا فلا تمل الناس هذا الکتاب، ولا الفینک تأتی القوم وهم فی حدیث فتقطع علیهم حدیثهم ولکن أتر کوهم فاذا جرؤوک علیه وأمروک به فحدثهم۔ (مسند احمد بن حنبل ۶/۲۱۷)

(تم دُعاء میں تکلف اور سجع بندی سے پرہیز کرو کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور انکے صحابہؓ ایسا نہیں کیا کرتے تھے، اور لوگوں کو ہر جمعہ کے دن ایک بار وعظ کیا کرو یا ہفتہ میں دو بار یا تین بار تا کہ لوگوں کے دلوں میں قرآن کے بارے

میں اُکتاہٹ پیدا نہ ہو اور لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ کسی بات میں مشغول ہوں تو انکی بات کا ٹا مت کرو، اور وہ خود تم سے تقریر کیلئے کہیں تو تقریر کیا کرو، اَزخود بولنے کی کوشش مت کیا کرو)

اُنکی تاریخ دانی کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مشرکین مکہ کے ظلم سے بھاگ کر سیکڑوں مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کر لی تھی اور وہاں کے بادشاہ نجاشی نے انہیں پناہ دیدی تھی تو قریش نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن اَبی ربیعہ کو بہت سارا مال وخزانہ دیکر بھیجا تھا کہ نجاشی کو دیکر اُسے اِس بات پر آمادہ کر لیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ نہ دے، نجاشی کے سامنے جب وہ ہدیے پیش کئے گئے تو اس نے یہ کہکر ان کو قبول کرنے سے انکار کردیا کہ:

لا حاجة لي بها فو الله ما أخذ اللهٰ مني الرشوة حين رد إلي ملكي فآخذ الرشوة فيه و ما أطاع الناس فيّ فاطيعهم فيه۔

(مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے اللہ نے مجھے ملک لوٹاتے وقت مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں بھی کسی سے رشوت نہیں لے سکتا اور لوگ میری فرماں برداری کرتے ہیں تو میں بھی انکی دیکھ بھال جاری رکھوں گا)

اس جملہ کا مطلب اس وقت تک کسی نے نہیں سمجھا جب تک کہ حضرت عائشہؓ نے حبشہ کی تاریخ اور نجاشی کے بھگا دیئے جانے کے بعد دوبارہ ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کا قصہ نہ بیان کردیا، اس سے انکی تاریخی بصیرت اور اِرد گرد کے حالات سے باخبر ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

شعر واَدب اور فصاحت وبلاغت میں انکی مہارت اور قابلیت کے بھی بہت سے واقعات ہیں۔ ایک بار جب اُن سے عُروہ بن الزبیر نے یہ دریافت کیا کہ دیگر علوم میں تو آپ کی مہارت مُسلّم ہے ہی لیکن ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ آپ نے علم طِب کہاں سے

حاصل کیا؟ انہوں نے اُن کے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ:

أی عروۃ إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسقم عند آخر عمرہ أو فی آخر عمرہ فکانت تقدم علیہ وفود العرب من کل وجہ فتنعت لہ الأنعات فکنت أعالجہا فمن ثم۔ (صفۃ الصفوۃ ۲/ ۲۴)

(اے عُروہ حضور اکرم ﷺ اپنی عمر مبارک کے آخری حصہ میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے اور انکے پاس عرب کے وفود آتے اور دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں اُنکے مطابق آپ ﷺ کا علاج کیا کرتی تھی جس سے مجھے طِب میں مہارت حاصل ہوئی)

علّامہ ابن حزمؒ نے اپنی "جوامع السیرۃ" میں حضرت عائشہؓ کی روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ۲۲۱۰ لکھی ہے جو حضرت ابو ھریرہؓ کے بعد سب سے بڑی تعداد ہے۔

اَزواجِ مطہرات میں آپ کے بعد نمبر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا جنکی روایت کردہ حدیثوں کی تعداد ابن حزمؒ نے تین سو اٹھتر لکھی ہے۔

علم سے یہ شغف صرف صحابہؓ ہی کو نہیں تھا بلکہ بعد کے زمانہ میں بھی ایک سے ایک حیرت انگیز واقعات سامنے آتے رہے ہیں۔

علمائے اسلام میں ایک اہم نام ربیعۃ الرأی کا آتا ہے یہ بہت بڑے عالم اور فقیہ گزرے ہیں، انکی عظمت کیلئے شاید یہ ذکر کر دینا کافی ہو کہ ان کے شاگردوں میں اِمام مالک بن انسؒ کا نام بھی آتا ہے جو ائمہ اَربعہ میں سے ایک اور مدینہ طیبہ کے نامور علماء میں سے ہیں، ان کے علاوہ امام سفیان ثوریؒ نے بھی ان سے علم حاصل کیا ہے۔

ربیعۃ الرأی اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے مفتی اعظم رہ چکے ہیں اور اپنی ذکاوت وذہانت اور دینی احکام کو سمجھنے میں عقل ورأی کے استعمال کی وجہ سے انکے نام کا جزء ہی "الرأی" بن گیا ہے۔ وہ اپنے وقت کے بڑے محدّث، بڑے فقیہ اور بڑے عابد وزاہد عالم

تھے، بعض فقہاء نے اُن کو حضرت حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ سے بھی زیادہ بڑا عالم اور فقیہ قرار دیا ہے۔

ربیعہ الرأی اتنے بڑے امام کس طرح بنے؟ اور ان کی ساخت و پرداخت میں ان کی مادرِ مہربان کا کتنا حصہ رہا ہے؟ اور انہوں نے ان کو کس طرح تعلیم دلائی تھی؟ اس کا اندازہ اس قصہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

اور یہ کوئی ذہنی مفروضہ یا فرضی کہانی نہیں ہے، ان کے والد بزرگوار کا نام فرّوخ تھا جو جہاد کیلئے خراسان چلے گئے تھے اس وقت ربیعہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی تھے، فرّوخ نے اپنی نیک بیوی کے پاس ۳۰ ہزار دینار اخراجات وغیرہ کیلئے رکھدیئے تھے، اپنے اس سفر سے وہ پورے ۲۷ سال بعد واپس لوٹے اور اس شان سے کہ ان کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اور وہ گھوڑے پر سوار تھے، چنانچہ انہوں نے نیزے سے اپنے گھر کے دروازے کو کھولا تو اُن کے بیٹے ربیعہ نکلے جو اُن کی روانگی کے وقت ماں کے پیٹ میں ہی تھے لہذا یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کو پہچان لیں چنانچہ ربیعہ نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ: خدا کے دشمن تم میرے گھر پر حملہ کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟ دشمنِ خدا تم میرے اہلِ خانہ کے پاس کیسے پہنچ گئے؟ چنانچہ باپ اور بیٹے جو دونوں ہی ایک دوسرے کو اجنبی سمجھ رہے تھے لڑائی شروع ہوئی اور ایک نے دوسرے کا گلا پکڑ لیا اور لڑنے لگے شور وشغب سنکر محلہ کے لوگ جمع ہوگئے اور دونوں نے دھمکی دی کہ ہم تجھے بادشاہ کے پاس پہنچا کر ہی دَم لیں گے اتنے میں امام مالکؒ پہنچ گئے اور انہوں نے باپ سے کہا کہ تم اس گھر میں کیوں جانا چاہتے ہو جبکہ دوسرا گھر تمہارے لئے فراہم ہوسکتا ہے؟ تو فرّوخ نے کہا کہ: میں فرّوخ ہوں اور یہ گھر میرا ہے یہ بات سنکر انکی اہلیہ بول پڑیں کہ یہ تو میرے شوہر ہیں اور یہ ان کا لڑکا ہے جسے وہ حمل کی حالت میں چھوڑ کر گئے تھے یہ سننا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوکر رونے لگے۔

جب فرّوخ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ جاتے وقت میں نے

تمہارے پاس ۳۰؍ ہزار دینار چھوڑے تھے وہ کہاں ہیں؟ اُسے نکالو اور لو یہ چار ہزار دینار نئے ہیں۔

عورت نے کہا کہ مال تو میں نے ایک جگہ دفن کر دیا ہے اور اُسے چند دنوں بعد ہی نکالا جا سکتا ہے چنانچہ ربیعہ مسجد چلے گئے اور وہاں درس دینے لگے جس میں امام مالک، حسن بن زید اور مدینہ کی نامور شخصیتیں شریک تھیں اور لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے دَرس سُن رہے تھے کہ اُن کے والد قریب آئے تو لوگوں نے اُن کیلئے تھوڑی سی گنجائش نکال دی اور ربیعہ اپنے درس میں مشغول رہے چونکہ فرّوخ نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اُن کا بیٹا بلند پایہ عالم ہوگا کوئی اور شخص سمجھ کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے تو لوگوں نے بتلایا کہ یہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن ہیں چنانچہ فرّوخ کہنے لگے کہ اللہ نے میرے بیٹے کا مقام تو بہت بلند کر دیا ہے، گھر لوٹے تو اپنی اہلیہ سے کہنے لگے کہ اللہ نے تمہارے بیٹے کو تو بڑا اُونچا مقام دیا ہے میں نے علم وفقہ میں اس کے مقام اور مرتبہ کا کسی کو نہیں پایا۔ یہ سنکر نیک دل اور عقلمند بیوی نے پوچھا کہ:

فأیما أحب إلیک ثلاثون ألف دینار أو هذا الذی هو فیه من الجاه؟ قال: لا واللّٰه إلا هذا، قالت: فانی أنفقت المال کله علیه، قال: فواللّٰه ما ضیعتیه۔ (صفۃ الصفوۃ ۲/ ۱۰۲-۱۰۳)

(اچھا یہ بتایئے کہ آپ نے جو میرے پاس تیس ہزار دینار چھوڑے تھے وہ آپ کو پسند ہیں یا بیٹے کا یہ علمی مقام؟ تو وہ کہنے لگے نہیں خدا کی قسم ہمیں تو بیٹے کا یہ علمی مقام ہی پسند ہے تو بیوی نے کہا آپ کے دیئے ہوئے دینار میں نے بیٹے کی تعلیم پر خرچ کر دیئے ہیں تو وہ کہنے لگے خدا کی قسم تم نے بہت اچھا کیا تم نے وہ دینار ضائع نہیں کئے بلکہ ان کو صحیح مَصرف میں خرچ کیا ہے)

اسلامی تاریخ کے ابتدائی عہد کی عورتوں کی یہی شان تھی کہ وہ اپنے بچوں کے حصولِ علم کیلئے سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ رکھتی تھیں اور بچے بھی بڑی مشقتیں برداشت کرکے علم حاصل کرتے اور اپنے ماں باپ کا نام روشن کرتے تھے۔

دراصل علم کے طلب کا جذبہ مردوں کی طرح عورتوں کے دلوں میں اسلئے پیدا ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔

(علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے)

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من سلک طریقاً یطلب فیه علما سلک اللّٰہ به طریقاً من طرق الجنة وان الملائکة لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بما یصنع۔ (رواہ احمد)

(جو شخص علم کی طلب میں نکلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ کھولدیتے ہیں اور طالب علم کے عمل سے خوش ہوکر فرشتے اس کیلئے اپنے پَر بچھادیا کرتے ہیں)

چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون آئیں اور عرض کیا کہ:

یا رسول اللّٰہ ذھب الرجال بحدیثک فاجعل لنا من نفسک یوماً فقال: إجتمعن فی یوم کذا و کذا فاجتمعن فأتاھن۔

(اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کے تمام ارشادات تو مَردوں کیلئے خاص ہوکر رہ گئے ہیں وہی فائدہ اٹھا رہے ہیں اسلئے ہم لوگوں کا خیال فرمائیں اور ہمارے لئے بھی ایک دن متعین کردیں چنانچہ آپ ﷺ نے عورتوں کو ہدایت فرمائی کہ تم سب فلاں اور فلاں دنوں میں جمع ہوجایا کرو چنانچہ آپ ﷺ نے

خاص طور پر اُن دنوں میں عورتوں کو اپنے ارشادات سے فیضیاب فرمایا)

اُمّ الفضل بنت الحارث کا بیان ہے کہ عرفہ کے دن کچھ لوگوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آج حضور اکرم ﷺ روزے سے ہیں یا روزے سے نہیں ہیں؟ چنانچہ انہوں نے جانچنے کیلئے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا تو آپ ﷺ نے اُسے نوش فرمالیا اُسوقت آپ ﷺ اپنے اُونٹ پر سوار تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی مسئلہ پر بحث و گفتگو کا سلسلہ مردوں اور عورتوں کے درمیان جاری تھا، اور عام معاشرہ میں علمی ذوق کافی بڑھ گیا تھا چنانچہ بعد کی صدیوں میں گھر گھر علم کا چرچا رہنے لگا اور بعض عورتوں نے تو علمی میدان میں اتنا کمال حاصل کیا کہ وہ مرد اہل علم کی غلطیوں کی اصلاح کرتی تھیں اور انہیں اپنے علم و فضل سے سیراب کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح کی باکمال عورتوں میں ایک نام فاطمہ سمرقندیہ کا بھی ہے جو اس پایہ کی عالمہ گزری ہیں کہ اُن کے گھر سے جو فتوے جاری ہوا کرتے تھے اُن پر والد اور شوہر کے ساتھ وہ بھی دستخط کیا کرتی تھیں اور اگر کوئی غلطی ہوتی تو اسکی اصلاح بھی فرمایا کرتی تھیں، اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اُنکے والد "تحفة الفقهاء" جیسی کتاب کے مصنف اور نامور فقیہ تھے اور جب انکی شادی کا پیغام آیا تو اس عظیم باپ نے بادشاہِ وقت کے بیٹے سے اپنی باکمال بیٹی کی شادی پسند نہیں کی اور اُسے ٹھکرا دیا اور ان کی شادی اپنے ایک غریب شاگرد سے کردی جن کے بارے میں بطور نکتہ اور لطیفہ کے یہ بات کہی جاتی تھی کہ: **"حفظ تحفته و تزوج ابنته"** (انہوں نے انکی کتاب تحفہ کو حفظ کرلیا اور انکی بیٹی سے شادی کرلی)

جانتے ہیں کہ یہ نامور اور باکمال داماد کون تھے؟ یہ وہی ہیں جن کو دنیا علّامہ کاسانیؒ کے نام سے جانتی ہے اور جنہوں نے "بدائع الصنائع" نام کی عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا لکھی ہے جس سے بہتر اور مرتب کتاب فقہ حنفی میں اور کوئی نہیں ہے اور جس پر آج بھی اپنے فتووں میں علماء اعتماد کیا کرتے ہیں اور بطور سند کے اس کی عبارتیں نقل کرتے ہیں، اسلامی تاریخ میں عورتوں کا یہ عظیم اور بلند علمی مقام تھا۔ کاش کہ موجودہ زمانہ کی خواتین بھی محض زیبائش و آرائش پر ساری

توجہ دینے کے بجائے اپنے عظیم مقام کا ادراک کرسکتیں اور علم وعمل کی دنیا میں کمال حاصل کرکے خود کو زندہ جاوید بنا سکتیں!

مسلم خواتین کی بیدار مغزی

علم ایسا وصف ہے جس میں زیادتی کی دُعاء کرنے کی تلقین خود پیغمبروں کو بھی کی گئی ہے۔قرآن شریف میں ہے:

{قُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً۔}

(آپ کہیے کہ اے پروردگار میرے علم میں اِضافہ فرما)

چنانچہ مسلمان مرد ہو یا عورت ہر کوئی حصولِ علم کیلیۓ بے چین رہا کرتا تھا، لوگوں نے علم کی خاطر دُور دُور کے سفر کئے اور جہاں کہیں علم کا سرچشمہ نظر آیا اُس سے فیضیاب ہونے کی کوشش کی۔

موجودہ زمانہ میں بہت سی خواتین محض سنی سنائی باتوں پر دل میں یقین قائم کر لیتی ہیں یا گھر یلو رسم و رِواج ہی کو دین سمجھنے لگتی ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتی ہیں جب کہ ماضی میں حال یہ تھا کہ وسائل کی کمی کے باوجود اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ مسئلہ کی صحیح نوعیت پہلے سمجھیں پھر اُس پر عمل کریں اِس معاملہ میں مردوں اور عورتوں سبھوں میں یکساں جذبہ پایا جاتا تھا، چنانچہ اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ عورتوں نے مردوں کو علمی غلطیوں پر ٹوکا اور اُن کو مسئلہ کی صحیح نوعیت سمجھائی ہے، یا ایک عورت نے صحیح بات معلوم کر کے بہت سی دوسری عورتوں کیلیۓ اصلاح کی راہ کھولدی ہو۔

اُمّ سُلیم بنت ملحان حضرت اَنس بن مالک ؓ کی والدہ تھیں وہ ایک دن حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خواب دیکھنے پر وجوبِ غسل کا مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صرف خواب تک معاملہ محدود نہ ہو بلکہ کپڑے پر تری محسوس ہو تو غُسل واجب

ہوجاتا ہے۔ یہ سوال سنکر حضرت اُمّ سلمہؓ نے شرم کے مارے اپنا چہرہ چھپالیا اور کہنے لگیں کہ تم نے تو تمام عورتوں کو رُسوا کردیا، حضور ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہیں ہے اس کا سوال صحیح ہے اور تمہارا اعتراض اور شرمسار ہونا بے موقع ہے۔ (رواہ البخاری)

بلکہ جب خود عورتوں کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جاتی تو اس میں کوئی بات اُنکو اَنہونی معلوم ہوتی تو وہ فوراً اعتراض کر بیٹھتی تھیں کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟

چنانچہ ایک دن حضرت عائشہؓ کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ:

إن الميت ليعذب ببكاء أهله۔

(میت کو اس کے اہلِ خانہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے)

تو فوراً بول پڑیں کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ:

{لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرىٰ} (سورہ الأنعام / ۱۶۴)

(ایک شخص کے گناہ کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا)

تو اہل وعیال کے رونے میں مرنے والے کا کیا قصور جو اُسے عذاب دیا جائے؟

ان کے اعتراض کا مقصد یہ تھا کہ بظاہر سننے والے نے حضور اکرم ﷺ کی پوری بات نقل نہیں کی ورنہ قرآن اور حدیث دونوں کی ہدایتیں الگ الگ نہیں ہوسکتیں، عذاب کا مستحق صرف وہ شخص ہوگا جو اپنے بعد رونے کا نظم قدیم عرب رِواج کے مطابق خود کر کے جائے۔

غرض یہ کہ عورتیں دماغ کھلا رکھتی تھیں اور دینی مسائل کو بھی پوری بیدار مغزی سے سنتی تھیں اور صحیح بات پر ہی یقین کرتی تھیں۔

سُبَیعہ بنت الحارث اسلمیہ کے شوہر سعدؓ کا حجۃ الوداع کے دوران انتقال ہوگیا اُس وقت وہ حمل سے تھیں جب بچہ کی ولادت ہوگئی تو انہوں نے زیب وزینت کے لباس نفاس کے اَیام پورے ہوجانے کے بعد پہن لئے اور انکو نکاح کے پیغام بھی آنے لگے تو ایک شخص

نے یہ دیکھ کر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ تم کو ابھی چار مہینے دس دن عدت وفات گزارنی چاہیئے اس سے پہلے زیب وزینت کا لباس پہننا تمہارے لئے جائز نہیں ہے، انہوں نے یہ بات سنی تو سیدھے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں اور مسئلہ دریافت کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بچہ کی پیدائش کے بعد تمہاری عدّت پوری ہوگئی اسلئے اَب تمہارے لئے چار مہینے دس دن گزارنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ زیب وزینت ترک کرنے کی۔

اَب دیکھئے کہ اگر وہ خاموش رہ جاتیں تو نہ صرف اُن کا عمل غلط ہوتا بلکہ عورتوں کے ذریعہ غلط مسئلہ دوسری عورتوں میں پھیلتا اسلئے انہوں نے براہِ راست حضور اکرم ﷺ سے مسئلہ دریافت کرکے اپنی جیسی لاکھوں عورتوں کی اُلجھنیں ختم کردیں اور صحیح مسئلہ دنیا کو معلوم ہوگیا اور اُنکی اس حدیث پر عام لوگوں نے نہیں خود ائمہ اَربعہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ جیسے بڑوں نے بھی اعتماد کیا اور یہ مسئلہ تسلیم کیا کہ شوہر کے انتقال کے چند منٹ بعد بھی اگر بچہ کی پیدائش ہوجائے تو عورت کی عدّت ختم ہوجاتی ہے اور اس کیلئے دوسری شادی کی راہ کھل جاتی ہے۔ (رواہ مسلم)

خود حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن جس کا حساب لیا جائیگا اُسے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، انہوں نے یہ سنکر فوراً ہی سوال کیا اگر واقعہ یہی ہے کہ جس سے حساب لیا جائے گا اسکو عذاب ضرور ہوگا تو پھر قرآن کریم کی آیت:

{فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيراً ۞} (اُن سے آسان حساب لیا جائے گا) کا آخر کیا مطلب ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہاں مراد یہ ہے کہ مطلق پیشی تو اچھے برے سب کی ہوگی لیکن حساب کے دوران جس سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی اسکی تو تباہی آہی گئی تو آسان حساب کا مطلب بغیر جرح قدح کے حساب کے مرحلہ سے گزر جانا ہے۔

اور علم وفضل میں کمال صرف عہد صحابہؓ کی خاصیت نہیں تھی آپ ﷺ کے بعد بھی ایک سے ایک فاضل عورتیں گزری ہیں جن کے علم وفضل کا سکہ چلتا تھا۔

مشہور تابعی سعید بن المسیّبؒ کی صاحبزادی کیلئے خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے کیلئے نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے انکار کر دیا اور ایک عام صالح نوجوان عبداللہ بن وداعہ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، لڑکی حافظ قرآن، عالم و فاضل اور حُسن و جمال میں یکتا تھی، اُمور خانہ داری اور شوہر کے حقوق سے بھی خوب آشنا تھی۔ شادی کے بعد شوہر جب حضرت سعید بن المسیبؒ کی مجلس علم میں جانے لگے تو لڑکی نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ تو شوہر نے جواب دیا تمہارے والد بزرگوار کی مجلس میں تاکہ علم حاصل کروں تو بیوی نے کہا کہ اَب وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے سعید بن المسیّب کا علم میں آپ کو سکھلاؤں گی آپ گھر میں ہی بیٹھئے۔

چنانچہ پورے مہینے بیوی ہی شوہر کو پڑھاتی اور اپنے والد کے علم سے فیضیاب کرتی رہیں اور شوہر کو حضرت سعید بن المسیّبؒ کی مجلس میں یا کسی اور اہل علم کے پاس حصولِ علم کیلئے جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص دینی علوم میں بھی نہ صرف عورتیں مردوں کے برابر رہی ہیں بلکہ بسا اَوقات اُن پر سبقت بھی لے گئی ہیں اور عملی میدان میں ایسی حاضر دماغی اور بیدار مغزی کا عورتوں نے ثبوت دیا ہے جس سے پوری قوم کسی بڑی آزمائش میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ گئی ہے۔

حضرت اَسماء بنت عُمیسؓ سے ایک دن حضرت عمر بن الخطابؓ نے مزاح کے طور پر فرمایا کہ:

یا حبشیة سبقناکم بالهجرة قالت: أي لعمري لقد صدقت، کنت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یطعم جائعکم ویعلم جاهلکم، وکنا البعداء الطرداء أما واللّٰہ لآتین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فلأذکرنه ذلک له۔ فأتت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم

فقالت یا رسول اللّٰہ ان رجالا یغمزون علینا ویزعمون اننا لسنا من المهاجرین الأولین؟ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: بل لکم هجرتان، هاجرتم إلی الحبشة ونحن مرهونون بمکة ثم هاجرت بعد ذلک إلی المدینة۔ (طبقات ابن سعد ۸/۲۸۰)

(اے حبشہ والی ہم لوگ ہجرت کر کے تم سے سبقت لے گئے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہاں ہاں سچ ہی کہتے ہونا' تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے وہ تمہارے بھوکوں کو کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو سکھاتے تھے اور ہم لوگ تو دور دراز پڑے ہوئے تھے، بخدا میں ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤں گی اور اُن سے اِس کا ذکر کروں گی چنانچہ وہ حضور ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ اے رسول خدا ﷺ کچھ مرد حضرات ہم پر طنز کرتے اور چٹکیاں لیتے ہیں کہ ہمارا شمار مہاجرین اوّلین میں نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم نے تو دو ہجرتیں کی ہیں، ہم مکہ میں یرغمال تھے تو تم نے حبشہ کی ہجرت کی، پھر اَب ہجرت کر کے مدینہ میرے پاس آ گئی ہو)

بیعت عقبہ جو رات کی تاریکی میں ہوئی اس میں بھی دو عورتیں نُسیبہ بنت کعب المازنیہؓ اور اَسماء بنت عَمروؓ موجود تھیں جو حضرت معاذؓ بن جبل کی والدہ تھیں اور غزوۂ خیبر میں انہوں نے اہم رول اَدا کیا تھا۔

اسی طرح مکہ میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر لیا اور باہم طے یہ کیا کہ آپ ﷺ کے قتل میں ہر قبیلہ کے افراد کو شریک کیا جائے اور یہ سازش خفیہ رہے کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہو، اس سازش کی بھنک محسوس کرنے والی اور حضور اکرم ﷺ کو بروقت متنبّہ کرنے والی ایک خاتون ہی تھیں جو سو سال سے بھی زیادہ عمر کی تھیں اور انکا نام رقیقہ بنت صیفی تھا، چنانچہ حضرت علیؓ کو بستر پر لٹا کر ہجرت کیلئے نکلنے کا فیصلہ آپ ﷺ نے اس

معمر خاتون کی بروقت اطلاع پر ہی کیا تھا اور اس طرح ایک انتہائی خطرناک مرحلہ سے آپ ﷺ کو آگاہ کرنے کا شرف ایک خاتون ہی کو حاصل ہوا۔

پھر جب آپ ﷺ غار ثَور پہنچ گئے اور اہلِ مکہ کی آنکھوں میں قدرت نے دُھول جھونکنے کا نظم کردیا تو مسلسل اہل مکہ کی حرکتوں پر نظر رکھنا' آپ ﷺ کیلئے ضروری زاد اور توشہ کا تیار کرنا اور پھر آپ ﷺ کو مسلسل صورتِ حال سے آگاہ رکھنے کا فریضہ بھی ایک خاتون نے ہی انجام دیا تھا جو اَسماء بنت اُبی بکرؓ کے نام سے معروف ہیں۔ ظاہر ہے کہ مکہ شہر سے پہاڑ کی بلندیوں پر واقع غار ثور تک ہر روز جانا اور رات کی تاریکیوں میں واپس آنا آسان کام نہیں تھا لیکن انہوں نے محض ایمانی جذبہ اور رسول اکرم ﷺ سے محبت میں یہ سب کچھ انگیز کیا۔ اُس وقت کے خوفناک ماحول اور دُشوار گزار پہاڑی راستہ کی وجہ سے یہ کام مردوں کیلئے بھی آسان نہ تھا پھر یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ اُنکو جب مشرکین کی ایک ٹولی نے گھیر لیا اور اُن سے اُنکے والد حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا جس پر طیش میں آکر ابوجہل نے اُنکو زور کا طمانچہ مارا جس سے انکے کانوں کی بالیاں تک گر گئیں لیکن پہاڑوں جیسا عزم رکھنے والی اس خاتون نے راز افشا نہیں کیا اور یہ نہیں بتلایا کہ وہ لوگ کہاں چھپے ہوئے ہیں اور انکا ارادہ کیا ہے؟

حضرت اَسماءؓ کو ذات النطاقین کا لقب اسی سفر ہجرت کیلئے اپنی کمر بند چاک کر کے توشہ کو باندھنے کی وجہ سے ملا، یقیناً انہوں نے وہ کام انجام دیا جو بہت سے مرد بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔

عُقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اُم کلثومؓ بھی ان پاک نفوس خواتین میں سے ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں بے مثال قربانیاں دی ہیں، صلح حدیبیہ کے زمانہ میں وہ چھپ کر مدینہ طیبہ آ گئیں جبکہ معاہدہ کے مطابق طے یہ تھا کہ جو کوئی بھی اس زمانہ میں مکہ سے مدینہ آجائے اُسے آپ ﷺ دوبارہ مکہ لوٹا دیں گے۔ اُمّ کلثوم نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ:

إني فررت إليك بديني فامنعني ولا تردني لهم يفتنوني ويعذبوني ولا صبرلي على العذاب إنما أنا إمرأة وضعف النساء إلى ماتعرف وقد رأيتك قد رددت رجلين فقال: إن الله عزوجل قد نقض العهد في النساء۔ (رواہ البخاری)

(میں اپنا دین لیکر آپ ﷺ کے پاس آ گئی ہوں لہذا اَب میری حفاظت کیجئے اور دوبارہ مشرکین کے پاس نہ بھیجئے کہ وہ مجھے عذاب دیں اور مجھ میں انکی تعذیب کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ میں ایک عورت ہوں اور عورتوں کی کمزوری آپ ﷺ کو معلوم ہے۔ (مجھے تشویش اسلئے ہے کہ) میں نے دیکھا ہے کہ میری طرح آنے والے دو مردوں کو آپ ﷺ نے دوبارہ واپس کردیا ہے یہ سنکر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے معاملہ میں معاہدہ کو ختم فرمادیا ہے)

چونکہ وہ پختہ ایمان رکھنے والی خاتون تھیں اور اپنے اخلاص کی وجہ سے اللہ کی نظر میں بھی مقبول تھیں اسلئے فوراً ہی آیت نازل ہوئی اور انکے مسئلہ کا حل نکل آیا اور حضور اکرم ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ مؤمن عورتوں کو دوبارہ مشرکین کے پاس نہ لوٹایا کریں نہ وہ مشرکین کیلئے حلال ہیں اور نہ مشرکین انکے لئے۔

دین حق کی نُصرت میں بڑھ چڑھکر حصہ لینے والیوں میں حضرت عباسؓ کی اہلیہ اُمّ الفضلؓ بھی تھیں جن کا اصلی نام لبابہ تھا، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کرنے والی خواتین میں پہلا نام انہیں کا ہے، حضور اکرم ﷺ کی راحت کا ہمیشہ خیال رکھتیں اور آپ ﷺ کی ہر معاملہ میں مدد کرتی تھیں اور ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل جس طرح آپ ﷺ کی دل آزاری اور اَذیت رسانی میں پیش پیش رہتی تھی اُمّ الفضلؓ اسی طرح آپ ﷺ کی راحت رسانی اور آپ ﷺ کا غم ہلکا کرنے میں پیش پیش تھیں۔

حضور اکرم ﷺ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے حضرت عباسؓ کو طویل عرصہ تک مکہ میں رہنا پڑا جبکہ اُمّ الفضل مدینہ آ گئی تھیں انہوں نے شوہر سے جدائی کے زمانہ کو اللہ کی رضا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کیلئے بڑے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا گو کہ تنہا حضرت عباسؓ کے مکہ میں رہ جانے پر انکو تشویش لاحق رہی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو علم کا بحر بیکراں اور حضور اکرم ﷺ کی دعاؤں کا مظہر تھے وہ آپ ہی کے بیٹے تھے۔

اسلام میں سب سے پہلے جس طرح ایمان لانے کا شرف ایک خاتون حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے کہ حضور ﷺ پر وحی کی آمد کے ساتھ ہی انھوں نے تصدیق کی اور بے چوں وچرا ایمان لے آئیں اسی طرح اسلام میں سب سے پہلے شہید ہونے کا شرف بھی ایک خاتون ہی کو حاصل ہوا اور وہ حضرت عمارؓ کی والدہ سُمیّہؓ ہیں جن کو ابوجہل نے نہایت اَذیّت ناک طریقہ پر ضرب لگا کر شہید کر دیا تھا۔ انہوں نے جان دینا تو گوارا کر لیا لیکن نہ تو مشرکین کی بات مانی اور نہ زبان سے ہی سہی جبر و اِکراہ کی حالت میں کلمۂ کفر کہا۔ یقیناً وہ رہتی دنیا تک ایمان والوں کے سر کا تاج بننے کی شان رکھتی ہیں۔ یہ تمام خواتین ایمانی قوت اور مؤمنانہ فراست سے بہرہ وَر تھیں اور انکی زندگیاں قیامت تک آنے والی عورتوں کو وفاداری، بیدار مغزی اور دین کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کا سبق دیتی رہیں گی۔

حاتم طائی کی بیٹی
محسنِ انسانیت ﷺ کے دربار میں

فضائل اخلاق میں ''سخاوت'' کا تصور آتے ہی ذہن حاتم طائی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور اگر کسی دست گرفتہ اور بخیل شخص سے غیر متوقع طور پر جود و سخا کا ظہور ہوجائے تو بولتے ہیں کہ ''اُس نے حاتم کی قبر پر لات ماردی'' حالانکہ حاتم طائی نہ تو کسی فرضی قصہ کا خیالی کردار ہے اور نہ اسکی سخاوت کی داستانیں افسانوی انداز کے قصے ہیں، حاتم طائی ایک واقعی شخص تھا اور جو حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل ہی اس دنیا سے رُخصت بھی ہوگیا، اور اس کا زمانہ وہ ہے جسمیں نہ تو آج کی طرح میڈیا کی طاقت تھی اور نہ اُس وقت جزیرہ نمائے عرب دنیا کے تمدنی علاقوں سے جڑا ہوا تھا اِس کے باوجود اُس کے ایک اخلاقی وصف میں نمایاں ہونے کی وجہ سے صدیاں گزر جانے کے باوجود اُس کا نام آج بھی نہ صرف لوگوں کی زبانوں پر ہے بلکہ ''سخاوت'' میں کسی کی تعریف کرنی ہو تو تشبیہ دینے کیلئے اسی کا نام ذہنوں میں آتا ہے۔

اُس نامور باپ کی بیٹی صحرائے عرب کے طبعی ماحول میں آنکھیں کھولنے والی' قبائلی زندگی میں پروان چڑھنے والی' شرم و حیاء کی پیکر' عزت نفس سے سرشار' عظیم باپ کی سرداری کا احساس لئے ہوئی اور باپ کی دَریادلی اور سخاوت پر فخر کے جذبات سے بھرپور خاتون قید کرکے لائی جاتی ہے۔ ایک طرف اپنے باپ کی سرداری کا احساس اور دوسری طرف ساری عمر کیلئے باندی بن کر زندگی گزارنے کا خوف، ایسی حالت میں وہ اس طرح گویا ہوتی ہے:

إني بنت سيد قومي، كان أبي يفك العاني، ويحمي الذمار، ويقري الضيف، ويشبع الجائع ويفرج عن المكروب، ويطعم الطعام ويفشي السلام، لم يرد طالب حاجة قط أنا بنت حاتم الطائي۔

(میں اپنے قوم کے سردار کی بیٹی ہوں، میرا باپ پریشاں حالوں کی خبر گیری کرتا تھا، لوگوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کیا کرتا تھا، نو واردوں کی ضیافت کیا کرتا تھا، بھوکوں کا پیٹ بھرا کرتا تھا، مصیبت زدوں کی پریشانی دور کیا کرتا تھا، لوگوں کو کھانا کھلاتا اور سلام کو عام کیا کرتا تھا، اس نے کبھی کسی حاجتمند کو نامراد واپس نہیں کیا، یعنی میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں)

فصیح وبلیغ زبان سے الفاظ موتی کی طرح نکلے، جملے اتنے موزوں کے جیسے زبان سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

''حاتم طائی'' کو کون نہیں جانتا، دریادلی اور سخاوت میں اس کا نام بچہ بچہ کی زبان پر جاری' شاعروں اور اُدیبوں کے یہاں ضرب المثل کے طور پر مشہور اور صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی اس نام کا کوئی بدل نہیں ہے، چنانچہ سخاوت کا ذکر آتا ہے تو مثال حاتم طائی ہی کی دی جاتی ہے۔

يا جارية هذه صفة المؤمن ولو كان أبوك مسلما لترحمنا عليه۔۔۔ خلوا عنها، ثم أسلمت وحسن اسلامها۔

(بٹیا یہ ایمان والے شخص کے اُوصاف ہیں، اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس کے لئے رحمت کی دُعاء کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے رہا کردو بعد میں وہ اسلام لے آئیں اور اس پر ثابت قدم رہیں)

حضور ﷺ نے فرمایا دَراصل اس خاتون کا اس مؤثر انداز پر تعارف کرانا ہی اس کی اوراس کے قبیلہ کی رہائی کا وسیلہ بن گیا۔

اس خاتون نے ...... قیدی خاتون نے ...... باندی بنا کر لائی جانے والی خاتون نے اپنا تعارف کسی عام آدمی سے نہیں کرایا تھا، اس نے اپنے باپ کے عظیم اَوصاف کا ذکر ایک ایسی ذات کے سامنے کیا تھا جس سے بڑا پیکرِ اَخلاق اور جس سے بڑھ کر انسانیت کا محسن کوئی آیا ہی نہیں، جو خود ان اَوصاف کا اُس کے باپ سے بڑھ کر حامل تھا اور جس کی بلند اخلاقی کا چرچا زمین پر ہی نہیں بلکہ اس کی شہادت آسمان سے بھی نازل ہوئی تھی، اس نے اپنا تعارف قرآنی اخلاق کے پیکر محمد ﷺ سے کرایا تھا۔

آپ ﷺ نے خاتون کی بات سنتے ہی اُس کے باپ کے اچھے اَوصاف اور اعلیٰ اخلاق کی داد دی اور فرمایا کہ یہی وہ اَوصاف ہیں جنکی تکمیل کیلئے میں آیا ہوں اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ:

خلوا عنها۔ (اُسے آزاد کردو) اتنے بڑے باپ کی بیٹی باندی نہیں بنائی جائیگی اسے رہا کردو، وہ اسلام کی دولت سے بہرہ وَر نہیں بھی ہے تو اس کے باپ کے کریمانہ اخلاق کا تقاضا ہے کہ وہ آزاد رہے۔ بھلا یہ کریمانہ برتاؤ کب رائیگاں جاسکتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ سفانہ نے جب حضور ﷺ سے عرض کیا کہ:

یارسول اللّٰہ هلک الوالد وغاب الوافد فامنن علی من اللّٰہ علیک۔

(اے پیغمبر خدا والد تو دنیا سے رُخصت ہو ہی گئے ہیں جس کو ساتھ ہونا چاہئے اس نے بھی راہِ فرار اختیار کر لی ہے لہذا آپ مجھ پر احسان فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر بھی کرم فرمائے گا)

تو حضور ﷺ نے سفانہ کی بات سنتے ہی ارشاد فرمایا:

قد فعلت فلا تعجلی بخروج حتی تجدی من قومک من یکون لک ثقة حتی یبلغک إلی بلادک ثم آذنینی۔

(میں نے تمہارے ساتھ احسان کا معاملہ کر دیا لیکن تم یہاں سے نکلنے میں عجلت سے کام نہ لو بلکہ تمہاری قوم کا کوئی قابل اعتماد آدمی مل جائے جو

تمہارے وطن تک تمہیں پہنچا سکے تو مجھے اسکی اطلاع دینا)

چنانچہ وہ مدینہ طیبہ میں ٹھہری رہیں یہاں تک کہ انکو قابلِ اعتماد ساتھی مل گیا جو قافلہ کے ساتھ باعزت طور پر ان کو لیجائے، انہوں نے حضور ﷺ سے اجازت لی حضور ﷺ نے سفانہ کے باپ کی سخاوت اور اعلیٰ اخلاق کا ذکر فرمایا اور انکو نہ صرف آزادی کی دولت عطا فرمائی بلکہ کپڑے اور گرانقدر تحائف سے بھی نوازا جو ایک اُونٹ کے بوجھ کے برابر تھے، رُخصت ہوتے ہوئے سفانہ بنت حاتم نے شکریہ کے الفاظ اس طرح اَدا کئے:

شكرتك يد افتقرت بعد غنى ولا ملكتك يد استغنت بعد فقر وأصاب الله بمعروفك مواضعه ولا جعل لك إلى لئيم حاجة ولا سلب نعمة كريم إلا وجعلك سببا لردها عليه۔

(آپ ﷺ نے ایک ایسی ذات پر احسان فرمایا ہے جو تونگری کے بعد ناتواں ہوگئی ہے، اور آپ ﷺ کا یہ کرم صحیح مقام پر پہنچا ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ضرورت کسی کم ظرف شخص کے پاس نہ رکھے، اور نہ کسی شریف آدمی سے اپنی نعمتیں سلب کرے۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو آپ اس کی واپسی کا ذریعہ بنیں)

سفانہ نے قافلہ کے ساتھ سیدھے شام کا رُخ کیا جہاں عدِی بن حاتم اپنے اہل وعیال کے ساتھ پناہ لئے ہوئے تھے۔

بھائی کو دیکھتے ہی انہوں نے ناراضگی کی زبان میں کہا:

القاطع الظالم احتملت بأهلك وولدك وتركت بقية والدك۔

(قطع رحمی کرنے والے ظالم انسان تم خود تو اپنے بال بچوں کے ساتھ بھاگ نکلے لیکن اپنے والد کی یادگار کو چھوڑ دیا، تم کو شرم نہیں آئی؟)

انھوں نے غصہ ٹھنڈا کرنے اور اپنی حرکت پر ندامت کا اظہار کرنے کیلئے کہا کہ: ''سفّانہ تم ناراض نہ ہو تم کو یقینا بولنے کا حق ہے صحیح بات یہی ہے کہ تم کو چھوڑ کر راہِ

فرار اختیار کرنے کیلئے میرے پاس کوئی معقول عذر نہیں تھا''۔

پھر وہ پوچھنے لگا کہ یہ بتاؤ کہ تم جن کے پاس سے آ رہی ہو انکے بارے میں کیا خیال ہے؟

سفانہ نے کہا کہ ہمیں جلد از جلد ان سے جا کر مل جانا چاہئے اگر وہ واقعی پیغمبر ہیں تو ایمان میں سبقت لیجانے والوں کا خاص مقام ہوا کرتا ہے۔ اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو بھی لوگ باعزت طور پر زندگی گزار سکیں گے۔

عدی بن حاتم کہنے لگے کہ واقعی رائے تو معقول ہے، سفانہ نے مزید کہا کہ تم نے وہ حرکت کی ہے جو تمہارے باپ کبھی نہیں کر سکتے تھے اسلئے برضا و رغبت اُن سے مل جاؤ یا خوف کی وجہ سے تمہیں بہر حال یہ قدم اٹھالینا چاہئے۔

عدی کہنے لگے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دیدے گا، چنانچہ عدی بن حاتم شام سے رُخصت ہو کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور پھر تو انکو حضور ﷺ سے بڑا قرب حاصل ہو گیا، مختلف غزوات اور جنگی معرکوں میں بھی انہوں نے دادِ شجاعت دی اور حضور اکرم ﷺ سے متعدد حدیثیں بھی روایت کیں، اور ان کا شمار آپ ﷺ کے جلیل القدر اصحاب میں ہونے لگا۔

اس طرح ایک خاتون سفانہ بنت حاتم طائی نے اپنی ہوشمندی سے نہ صرف اپنی جان بچائی بلکہ اپنے نصرانی بھائی کو بھی حلقہ بگوشِ اسلام بننے کا بھی سبب بن گئیں اور خود حضور اکرم ﷺ کی عنایتوں اور تحائف سے بھی بہرہ وَر ہوئیں اور خود اُن کا شمار بلند پایہ صحابیات میں ہونے لگا۔

سفانہ میں بھی بچپن سے ہی اپنے والد کی بعض خصوصیات تھیں، والد اگر اُسے کچھ دیتے تو وہ بھی کسی اور کو دیدیا کرتی تھیں۔ باپ نے ایک دن کہا کہ ایک گھر میں اگر دو سخی جمع ہو جائیں تو گھر میں کچھ باقی نہیں رَہ سکتا، سفّانہ نے کہا کہ میں تو ہاتھ نہیں روک سکتی، باپ نے کہا کہ میں بھی نہیں روک سکتا، تو باپ نے تجویز رکھی کہ دونوں الگ الگ رہیں اور کارِ خیر

کا سلسلہ جاری رہے۔

اس طرح ایک خاتون معاشرہ میں اپنا مقام کیسے بنا سکتی ہے اسکی ایک مثال سفانہ بنت حاتم بھی ہیں اور تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ نہ صرف عظیم باپ حاتم طائی کی نسبت سے روشن رہے گا بلکہ اسلئے بھی روشن رہے گا کہ وہ خود بھی بڑے اچھے اخلاق کی حامل اور عقل ودانائی کے زیور سے آراستہ' فصاحت اور زباں آوری سے بہرہ وَر تھیں، اور معاشرہ میں انکو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

عہد صحابہؓ میں خواتین میں علم سے شغف بھی تھا اور اچھے عمل اور اخلاق کا ذوق بھی، اور اسی وجہ سے اُن کا معاشرہ میں مقام بھی بے حد بلند تھا۔

Z Z Z ZZ

مسلم خواتین میں خود اعتمادی کا جذبہ

عہدِ نبوت میں عورتوں کو اپنے حقوق و فرائض کا پورے طور پر اِدراک تھا چنانچہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اسلام نے آ کر انہیں کتنا بلند مقام عطا کیا ہے؟ اور وہ کن اُمور میں مردوں کی ہمسری کر سکتی ہیں؟ اور کن کن اُمور میں وہ مردوں سے سبقت بھی لیجا سکتی ہیں؟ اور یہ بات پچھلے صفحات میں واضح طور پر آ چکی ہے کہ خواتین نے سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ سے اپنے لئے مزید تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کی درخواست کی، اور یہ مطالبہ کیا کہ مردوں کی طرح اُن کے لئے بھی خصوصی درس کا نظم کیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اُن کی یہ خواہش پوری فرمائی۔

عورتوں نے حضور اکرم ﷺ سے ایسے مسائل دریافت کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جن کے ذکر میں بظاہر حیاء رُکاوٹ بن جایا کرتی ہے اور عورتیں اُن کے بارے میں صحیح شرعی علم سے محروم رہ جایا کرتی ہیں۔

بعض خواتین کے سامنے اگر کسی نے غلط شرعی مسائل بیان کئے اور اُن کو شبہ ہوا تو خاموش بیٹھ جانے کے بجائے اُنہوں نے خود ہی پیش قدمی کر کے رسول اکرم ﷺ سے براہِ راست مسائل دریافت کئے اور اپنے ساتھ مردوں کی معلومات کو بھی دُرست کیا، چنانچہ مشہور محدّث حافظ ابن حجرؒ سُبیعہ بنت الحارث کے رویّہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے خود سوال کر کے صحیح مسئلہ جاننا چاہا اسی طرح ہر مرد و عورت کو چاہئے کہ اگر کسی مفتی یا قاضی کے بیان کردہ مسئلہ یا فیصلہ کے بارے میں شبہ ہو تو وہ صورتِ حال کی وضاحت کرانے سے باز نہ آئے خواہ مسئلہ کتنا ہی پیچیدہ اور نازک کیوں نہ ہو۔ اس معاملہ میں عمر کی بھی کوئی قید نہیں ہے، جوان اور بوڑھی سبھی خواتین مسئلہ کی صحیح نوعیت معلوم کرنے کا

یکساں حق رکھتی ہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ:

أردف النبي صلی اللہ علیه وسلم الفضل بن عباس یوم النحر خلفه علی عجز راحلته وأقبلت امرأة من خثعم وضیئة تستفتي رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت یا رسول اللہ إن فریضة اللہ في الحج علی عباده أدرکت أبي شیخا کبیرا لا یستطیع أن یستوي علی الراحلة فهل یقضي عنه أن أحج عنه؟ قال: نعم۔

(بقرعید کے دن حضور اکرم ﷺ نے اپنی سواری پر پیچھے فضل بن عباسؓ کو سوار کر رکھا تھا کہ قبیلہ خثعم کی ایک نہایت ہی خوبصورت خاتون نے سامنے آ کر حضور اکرم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا کہ میرے والد نہایت ہی ضعیف ہیں، وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے اگر میں اُنکی طرف سے حج اَدا کردوں تو اُن کا حج اَدا ہوجائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہاں ہوجائے گا)

شادی بیاہ کے معاملہ میں بھی عورت کے مفاد کا احساس باپ یا عورت کے دوسرے سرپرستوں کو ہوتا ہے، چنانچہ نکاح کیلئے ولی کی شرط لگائی گئی ہے لیکن اگر ولی عورت کے مفاد کے خلاف اقدام کرے اور اُس کی شادی ایسی جگہ کرنی چاہے جو اُسے ناپسند ہے یا عورت پختہ عمر کی ہوگئی ہے اور وہ خود ہی کسی بنا پر اپنے نکاح کے معاملہ کو طے کرنا چاہتی ہے تو اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اور ایک طرف عورتوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوخی و بے حیائی کا مظاہرہ نہ کریں، اور دوسری طرف اُس کے سرپرستوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ بالغ عورت کی رائے کو اہمیت دیں اور ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے عورت کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ چنانچہ بخاری شریف میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ: جعفر کی اولاد میں سے ایک خاتون کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہوگیا کہ اس کے ذمہ داران اس کی شادی ایسی جگہ کردیں گے جو اُسے پسند نہیں ہے لہذا اُس نے انصار کے دو ذمہ داروں کے پاس اس سلسلہ میں پیغام بھیج کر اپنے اندیشہ کا اظہار کیا، تو اُن دونوں نے یقین دہانی کرائی کہ:

لا تخشين فان فاطمة بنت خدام أنكحها أبوها وهي كارهة فرد النبي صلى اللہ علیہ وسلم ذلک۔

(تم ڈرومت، اسلئے کہ فاطمہ بنت خدام کی شادی اُس کے باپ نے ایسی جگہ کردی تھی جو اُسے ناپسند تھی، تو حضور اکرم ﷺ نے اس نکاح کو کالعدم قرار دیدیا)

اسی طرح حضرت بریرہؓ کو مُغیث نامی شخص کے ساتھ ازدواجی تعلق برقرار رکھنا پسند نہیں تھا چنانچہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی سفارش پر کہا کہ کیا مجھے آپ ﷺ اس کا حکم دے رہے ہیں کہ میں ہر حال میں اُن کے ساتھ ہی رہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حکم نہیں میں صرف سفارش کررہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ مجھے اُن کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور میں اُن کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اُنکی آزادی پر روک نہیں لگائی اور انہو ں نے شوہر سے علٰحدگی حاصل کرلی۔

حافظ ابن حجرؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

يؤخذ من قولها أتأمرني؟ ان بريرة علمت ان أمره واجب الامتثال، فاستفصلت هل هو أمر فيجب عليها إمتثاله أو مشورة فتتخير فيها؟ وقال: وفي الحديث جواز مخالفة المشير فيما يشير به في غير الواجب واستحباب شفاعة الحاكم في الرفق بالخصم حيث لا ضرر ولا الزام ولا لوم على من خالف ولا غضب ولو عظم قدر الشافع وفيه حسن أدب بريرة لأنها لم تفصح برد الشفاعة وإنما قالت: لا حاجة لي فيه۔ (فتح الباری ۱۱/۳۵-۳۳۴)

(بریرہؓ کے اس سوال سے کہ کیا آپ ﷺ مجھے حکم دے رہے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتی تھیں کہ آپ ﷺ کا حکم ماننا لازم ہے، اسلئے انہوں نے وضاحت چاہی کہ آپ ﷺ کا حکم ہے یا مشورہ؟ جسے قبول کرنے اور نہ کرنے

کا اُن کو اختیار ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مشورہ کا ماننا ضروری نہیں ہے، اور مشورہ دینے اور سفارش کرنے والے کا مقام خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، نہ ماننے پر نہ ناراضگی کا اندیشہ ہے اور نہ ملامت کا۔ اس سے حضرت بریرہؓ کے حُسنِ اَدب کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں آپ ﷺ کی سفارش کو نہیں مانتی بلکہ یہ کہا کہ مجھے ان شوہر صاحب کی ضرورت نہیں ہے)

یہی نہیں بلکہ ایک خاتون نے تو خود کو حضور اکرم ﷺ کے سامنے براہِ راست نکاح کیلئے پیش کیا جس کو دیکھ کر حضرت اَنسؓ کی بیٹی کہنے لگیں کہ کتنی بے حیا خاتون ہے یہ خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں نکاح کیلئے پیش کررہی ہے۔ تو حضرت اَنسؓ نے فرمایا کہ تم سے بہتر ہے، اس نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں خود کو پیش کیا۔ اسی سے امام بخاریؒ نے یہ مسئلہ اَخذ کیا ہے کہ کوئی صلاح وتقویٰ میں امتیاز رکھنے والا شخص ہو تو اس کے سامنے عورت خود کو نکاح کیلئے پیش کرسکتی ہے اور یہ ظاہر کرسکتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ شرعی اُصولوں کے مطابق ازدواجی رشتہ قائم کرنا چاہتی ہے۔

علّامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ:

فی الحدیث دلیل علی عرض المرأة نفسها علی من ترجی برکته۔

(حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنے آپ کو اس شخص کے ساتھ نکاح کیلئے پیش کرسکتی ہیں جس سے برکت کی اُمید ہو)

اسی طرح اگر عورت ظلم وزیادتی کا شکار ہو یا اسے حقوق پورے نہ مل رہے ہوں تو اس کو شوہر سے علٰحدگی اختیار کرلینے کا حق بھی ہے۔

ثابت بن قیسؓ کی اہلیہ کا قصہ مشہور ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے یہ واضح ہوجانے پر کہ شوہر اور بیوی کے درمیان نباہ کی کوئی شکل باقی نہیں رہی آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم علٰحدگی چاہتی ہو تو انہوں نے مہر کے طور پر تم کو جو باغ دیا ہے وہ واپس کردو اور وہ تمہیں چھوڑ

دیں گے، انہوں نے کہا کہ بہت اچھا، چنانچہ اس نے باغ واپس کر دیا اور حضور ﷺ کے حکم پر شوہر نے طلاق دیدی۔

اسی طرح عاتکہ بنت زید کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ:

كانت امرأة لعمر بن الخطاب تشهد صلاة الصبح والعشاء في الجماعة في المسجد فقيل لها: لم تخرجين وقد تعلمين ان عمر يكره ذلك ويغار؟ قالت: وما يمنعه أن ينهاني؟ قال يمنعه قول رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تمنعوا اماء الله مساجد الله۔ (رواہ البخاری)

(حضرت عمرؓ کی اہلیہ فجر اور عشاء کی نمازوں میں مسجد جایا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ کو یہ بات پسند نہ تھی اور اُنہیں اس سے غیرت آیا کرتی تھی، جب اُن کی اَہلیہ سے کہا گیا تو کہنے لگیں تو پھر وہ ہمیں روکتے کیوں نہیں ہیں؟ کہا گیا کہ وہ اس لئے نہیں روکتے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکا کرو)

اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے علّامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

أخرج عبد الرزاق بسنده عن الزهري قال: فلقد طعن عمر وانها لفي المسجد۔ (فتح الباری ۳/ ۳۴)

(عبدالرزاق نے امام زھریؒ سے نقل کیا ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ کو نیزہ مارا گیا اُس وقت وہ مسجد میں ہی تھیں)

اس کے علاوہ عورت کو اس کی بھی گنجائش دی گئی ہے کہ وہ شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ حلال روزی کے لئے کوئی مناسب حرفت اختیار کر سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:

فكانت أطولنا يدا زينب لأنها كانت تعمل بيدها وتتصدق۔ (رواہ

مسلم)

(ہم میں سب سے زیادہ سخی زینبؓ تھیں جو دستکاری کے کے ذریعہ مال کماتی تھیں اور اللہ کی راہ میں اس کا صدقہ کر دیا کرتی تھیں)

مستدرک حاکم میں ہے کہ:

إن زینب بنت جحش کانت إمرأة صناعة بالید کانت تدمغ وتحرز وتتصدق فی سبیل اللّٰہ۔ (فتح الباری ۲۹/۳۔۳۰)

(زینب بنت جحشؓ دستکاری کا ہنر رکھتی تھیں، وہ رنگ کا کام کرتی تھیں اور پیسے جمع کر کے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا کرتی تھیں)

فاطمہ بنت قیس کا بیان ہے کہ اعلان کیا گیا کہ مسجد میں اکٹھے ہو جاؤ نماز ہونے والی ہے، چنانچہ میں بھی جلدی سے چلی گئی اور مردوں کی صفوں کے پیچھے والی سب سے پہلی صف میں کھڑی ہوگئی۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح اُمّ کلثوم بنت عقبہ ابھی دوشیزگی ہی کے عالم میں تھیں کہ اپنے ایمان کی حفاظت کیلئے وہ ہجرت کر کے چلی آئیں اور جب اُن کے اہل خاندان نے اُن کو واپس بلانا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کی اِجازت مرحمت نہیں فرمائی اور حضرت اُمّ کلثوم کو دوبارہ آزمائش میں مبتلا ہونے سے بچالیا۔

یہی نہیں خواتین کا حوصلہ عہد نبوت میں اتنا بلند تھا کہ وہ نہ صرف اللہ کی رضا اور ایمان کی حفاظت کیلئے ہجرت کی سعادت سے مشرف ہوتی تھیں بلکہ وہ جہاد میں شرکت اور شہادت کے شرف سے ہمکنار ہونے کی تمنا بھی دل میں رکھتی تھیں اور بڑی جنگ میں ہی نہیں سمندری سفر اور بحری لڑائی میں شرکت سے بھی گریز نہیں کرتی تھیں۔

حضرت اَنس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب قُباء کی طرف جاتے تھے تو اُمّ حرام بنت ملحان کے یہاں بھی تشریف لیجایا کرتے تھے جو آپ ﷺ کی خدمت میں کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کرتی تھیں، یاد رہے کہ اُمّ حرام حضرت عُبادہ بن

الصامتؓ کے زیر نکاح تھیں۔ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے اور اُن کے گھر پر کچھ کھانا تناول فرمایا اور وہیں آپ ﷺ کو نیند آ گئی پھر جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی تو اُمّ حرام نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کیوں مسکرارہے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا:

أناس من أمّتي عرضوا عليّ غزاة في سبيل الله يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الأسرة۔ قالت: أدع الله أن يجعلني منهم فدعا ثم وضع رأسه فنام ثم استيقظ يضحک فقلت ما يضحکک يا رسول الله؟ قال: ناس من أمتي عرضوا عليّ غزاة في سبيل الله وفي رواية: أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم فقلت أدع الله أن يجعلني منهم قال: أنت من الأوّلين، فركبت البحر زمن معاوية فصرعت عن دابتها حين خرجت من البحر فهلكت۔ (رواه البخاري ومسلم)

(میری اُمت کے کچھ افراد میرے سامنے پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے اس سمندر کی پشت پر تخت رکھ کر بادشاہوں کی طرح بیٹھ کر نکلیں گے، تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ اللہ سے دُعاء فرما دیجئے کہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر لے تو آپ ﷺ نے دُعاء فرمائی اور پھر سو گئے، اور جب بیدار ہوئے تو مسکراتے ہوئے۔ چنانچہ اُمّ حرام نے پھر وہی سوال دہرایا اور آپ ﷺ نے اُسی طرح کا جواب عنایت فرمایا۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: قیصر کے شہر کو فتح کرنے کیلئے جو پہلا لشکر میرے اُمتیوں کا جائے گا وہ سب کے سب بخش دیئے گئے۔اُمّ حرام نے پھر کہا کہ میرے لئے بھی دُعاء فرما دیجئے کہ میں اُن میں شامل ہو جاؤں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو پہلے گروہ میں شامل ہوگی۔ چنانچہ حضرت امیر

معاویہؓ کے زمانہ میں وہ سمندر کے معرکہ میں شریک ہوئیں اور سمندر سے نکلتے وقت اپنی سواری سے گر کر ہلاک ہوگئیں)

اس طرح اللہ نے اُن کے لئے شہادت کا انتظام فرمادیا۔

خواتین، اسلامی عہد میں شاہانِ وقت کو بھی اُن کی غلطیوں پر ٹوکنے سے باز نہیں رہتی تھیں۔ زید ابن اسلم کا بیان ہے کہ اُموی حکمراں عبدالملک بن مروان نے ایک دن کسی نوکر کو بلایا اور غصہ میں اُسے لعن طعن کیا تو اُمّ الدرداءؓ نے اگلے دن عبدالملک بن مروان کو ٹوکا کہ تم گزشتہ رات کسی نوکر پر لعنت بھیج رہے تھے حالانکہ میں نے حضرت ابوالدرداءؓ سے سنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

لا یکون اللعانون شفعاء ولا شھداء یوم القیامة۔ (فتح الباری ۲۱/۴۹۶)

(زیادہ لعن طعن کرنے والے لوگ قیامت کے دن نہ شفاعت کرسکیں گے اور نہ اُن کو گواہ بنایا جائے گا)

غرض یہ کہ عورتوں کی خود اعتمادی اور اپنی شخصیت پر بھروسے کی بہت سی مثالیں ہیں کہ انھوں نے بعض مواقع پر مردوں سے بھی زیادہ حوصلہ اور عزیمت کا ثبوت دیا ہے۔ مثال کے طور پر:

- صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت اُمّ سلمہؓ کی اصابت رائے اور حضور اکرم ﷺ کو ایسا مشورہ دینا جس سے بہت بڑا فتنہ ٹل گیا۔
- حضرت خولہؓ کا حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث و گفتگو کرنا۔
- عورتوں کے حضور اکرم ﷺ سے مراجعت پر حضرت عمر بن الخطابؓ کے اعتراض کے جواب میں حضرت اُمّ سلمہؓ کی صاف گوئی۔
- حضرت اَسماء بنت عمیسؓ کا اُن کی ہجرت کے بارے میں حضرت عمرؓ کے

اشکال پر ڈٹ جانا۔

- اُسماء بنت اُبی بکرؓ کا سورج گرہن کی طویل نماز میں شریک رہنا۔
- بیٹے کی وفات کی اطلاع شوہر کو دینے میں حضرت اُمّ سلیمؓ کا بے مثال صبر وضبط۔
- باپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ کا خلافت کے بحران کو حل کے بارے میں دلچسپی لینا۔
- اُسماء بنت اُبی بکرؓ کا حجّاج کے ظلم وجبر کے مقابلہ میں ڈٹ جانا۔
- حضرت عائشہؓ کا دیگر صحابہ کرامؓ کی متعدد علمی غلطیوں کی اصلاح کرنا۔

اِن تمام مثالوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورتیں معاشرہ میں کتنا اہم رول اُدا کرسکتی ہیں۔ چنانچہ وہ خواتین جو علمی میدان میں امتیاز رکھتی ہیں وہ بہت سے اجتماعی مسائل کو حل کرنے میں بسا اُوقات مردوں سے زیادہ مؤثر ہوسکتی ہیں۔

f f f ff

عہدِ قدیم کی مایۂ ناز خواتین

مرد کی طرح عورتیں بھی تاریخ کے ہر عہد میں معاشرہ کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار اَدا کرتی رہی ہیں اور اپنی عظمت کے لازوال نقوش تاریخ کے صفحات پر قائم کرتی رہی ہیں۔

اگر ہم انسانی تاریخ کے قدیم عہد پر نظر ڈالیں تو ہمیں وہاں بھی ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں جو بے مثال کردار اور غیر معمولی عظمت کی حامل رہی ہیں، اور انکی زندگیوں میں بھی عصر حاضر کی خواتین کیلئے بڑے پیغامات ہیں، اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری گفتگو صرف عصر صحابہؓ و تابعینؒ یا موجودہ زمانہ کی نامور خواتین ہی کے ذکر تک محدود نہ رہے بلکہ ہم پچھلی قوموں کے حالات اور اُن کے معاشرے میں عورتوں کے مقام پر بھی نظر ڈالیں چنانچہ آیئے ہم آپ کے سامنے بعض ایسی خواتین کا ذکر کرتے ہیں جو بلاشبہ عہد ساز کہی جاسکتی ہیں اور جنکی دانشمندی و حکمت اور صبر و استقامت کا جذبہ ہمیشہ خواتین کا نام روشن کئے رہے گا۔

- معاشرہ میں عورت کے مقام کا ذکر نامکمل رہے گا اگر تاریخ انسانی کی بعض اُن نامور خواتین کا ذکر نہ کیا جائے جن کے ساتھ غیر معمولی واقعات وابستہ ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن نے ملکۂ سبا کا ذکر بڑے مؤثر اور دل آویز طریقہ سے کیا ہے، عام تاریخ اور کہانیوں کی کتابوں میں ملکۂ سبا کو ملکۂ بلقیس کے نام سے بھی ذکر کیا جاتا ہے قرآن میں یہ نام نہیں آیا ہے کیونکہ قرآن کا پچھلی قوموں کے ذکر کا اپنا ایک الگ ہی انداز ہے جو قرآن میں قصوں کے ذکر کے اصل مقصد سے ہم آہنگ ہے۔

قرآن کے بیان سے جس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ ملکۂ سبا ایک انتہائی دانا اور غیر معمولی فہم و فراست رکھنے والی خاتون تھیں اور جہانبانی و حکمرانی کے اُصولوں سے

بھی خوب آشنا تھیں، چنانچہ ہُدہُد کی مخبری کے بعد جیسے ہی انکو حضرت سلیمان ؑ کا مکتوب ملا انہوں نے اَزخود کوئی عاجلانہ فیصلہ کرنے کے بجائے اپنے درباریوں اور مشیروں کا اجلاس طلب کرلیا اور مسئلہ اُنکے سامنے رکھا اور یہ کہتے ہوئے رکھا کہ مجھے ایک نہایت ہی مبارک خط موصول ہوا ہے جس کا دیباچہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور جو سلیمان ؑ کی طرف سے اِرسال کردہ ہے اور جس میں اطاعت کی دعوت دی گئی ہے ورنہ برے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے اَب آپ لوگ ہمیں مشورہ دیں کہ ہم کیا کریں؟ دَرباریوں نے ملکہ کی حکمت ودانائی پراعتماد کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود ہی فیصلہ کریں ہم لوگ تو ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں صرف آپ کا اشارہ چاہئے لیکن اس دانشمند خاتون نے جسے حضرت سلیمان ؑ کی طاقت و قوت کا اندازہ تھا کہ اُنکے فوجیوں میں انسان ہی نہیں جنوں کا گروہ بھی شامل ہے اور ہوا پر بھی انکی حکمرانی ہے اور چیونٹی سے لیکر ہدہد تک کی نہ صرف وہ بولیاں سمجھتے ہیں بلکہ یہ سب انکی خدمت کیلئے ہمہ وقت صف بستہ کھڑے رہتے ہیں لہذا اُن سے مقابلہ کا نتیجہ پہلے ہی سے معلوم ہے چنانچہ اپنی قوم کو اس نے عام بادشاہوں کے تباہ کن رویہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ:

{إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً}

(سورہ النمل ۲۷/۳۴)

(یہ بادشاہ جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر کے رکھدیتے ہیں اور وہاں کے بااقتدار اور معزز لوگوں کو ذلیل وخوار کر کے چھوڑتے ہیں)

چنانچہ انھوں نے مقابلہ آرائی کی راہ اپنانے کے بجائے صلح کا پیغام بھیجا اور قدیم بادشاہوں کے طریقے کے مطابق کچھ تحفے تحائف پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت سلیمان ؑ صرف بادشاہ ہی نہیں اللہ کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر بھی تھے، ان کا پہلا کام غیر اللہ کی پرستش کو مٹانا اور توحید کے پیغام کو پہنچانا تھا، چنانچہ انہوں نے تحفے واپس کردیئے اور فوج کشی کے اِرادہ کا اظہار فرمایا، صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ملکۂ سبا خود

ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دربار میں حاضر ہوگئیں اور اپنے آپ کو انکی پناہ اور بعض روایتوں کے مطابق ایمان لانے کے بعد خود کو انکے نکاح میں دیدیا، اور اِس طرح اُنھوں نے اپنی قوم کو بڑی تباہی سے بچالیا۔

ملکۂ سبا کی زندگی میں جو پہلو عبرت وبصیرت کے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ بڑی معاملہ فہم تھیں، انہوں نے خودرائی کا مظاہرہ نہیں کیا اور اپنے مشیروں سے رائے لی، پھر صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرکے وہ موقف اختیار کیا جس سے ایک طرف انکی قوم تباہی سے محفوظ ہوگئی اور خود وہ ایمان کی دولت سے بہرہ وَر ہوگئیں اور دنیا کی عزت وعظمت کے ساتھ آخرت کی کامیابی کی راہ بھی انکے لئے کھل گئی۔

یہ تو قدیم عہد کی ایک خاتون کی داستان ہے انکے علاوہ بھی متعدد عورتیں ایسی گزری ہیں جن کا نام تاریخ میں روشن ہے اور جنکی عزیمت بعد والی خواتین کے حوصلوں کو مہمیز کرتی ہے۔

- زمانہ قدیم کی خواتین ہی میں سے ایک روشن نام فرعون کی اہلیہ محترمہ کا ہے، عورت کیلئے سب سے زیادہ کٹھن اور صبر آزما مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی صورتِ حال سے دوچار ہوجائے کہ جس کے ساتھ اس کے شب و روز گزرتے ہیں وہ غلط فکر وعقیدہ کا حامل ہو، بیوی ہونے کی حیثیت سے اس پر لازم ہے کہ وہ شوہر کی بات مانے اسکی ہم خیال رہے ورنہ اسکی زندگی اجیرن ہوکر رہ جائیگی، اور ایمان وعقیدہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی راہ اس سے الگ کرلے اور چندروزہ دنیوی لذّت وراحت کیلئے آخرت کی اَبدی اذیت اور دائمی عذاب کو ترجیح نہ دے، اور حق کو چھوڑ کر باطل کو نہ اپنائے۔

قرآن کریم نے بڑے لطیف انداز پر ایسی کشمکش کے موقع پر عورت کے کردار کو بیان کیا ہے۔ ایک طرف حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کے شوہر تو اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں میں سے ہیں لیکن بیویاں کفر وشرک کی علمبردار اور اخلاقی گراوٹ کا نشان بنی ہوئی ہیں۔ اللہ نے ان دونوں کو کفر کی علامت کی حیثیت سے پیش کیا

ہے تا کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ اور دوسری طرف دو مثالیں ایسی پاکیزہ سیرت اور نیک خصلت عورتوں کی ذکر کی ہے جو واقعی معاشرہ میں مثالی کردار کی حامل رہی ہیں۔

ایک تو فرعون کی بیوی آسیہ کا کردار ہے کہ فرعون جیسے ظالم و سرکش بادشاہ کے گھر میں ہیں جس کا نام سنکر ہی لوگوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور غیر معمولی اقتدار پر شکر گذار ہونے کے بجائے سرکشی کی راہ اپنائے ہوئے ہے۔ ہر طرف قتل و خونریزی کا بازار گرم کئے ہوئے ہے اور اِس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ معمولی بادشاہ ہی نہیں بلکہ- خدا کی پناہ- وہ ربّ کائنات سے بھی اُونچا مقام رکھتا ہے۔

لیکن اسکی شریک حیات کا حال یہ ہے کہ وہ ایمانِ کامل کی دولت سے سرفراز ہیں، فرعون کی حرکتوں پر نالاں ہیں اور اپنا رشتہ ربّ کائنات سے جوڑے ہوئی ہیں اور صِدق دل سے دُعاء کرتی ہیں کہ اے اللہ اس سرکش و ظالم شخص سے ہمیں نجات دے اور اپنے کاشانۂ رحمت میں جگہ دے اور فرعون کے محل کی لذّتوں اور عیش کوشیوں سے اپنی پناہ میں رکھ چنانچہ وہ کہتی ہیں کہ:

{رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۞} (سورہ التحریم ۱۱/)

(اے پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنادے اور فرعون اور اس کے عمل سے بلکہ پوری ظالم قوم سے ہمیں نجات دیدے)

چنانچہ ربّ کائنات نے انکی زندگی کو اہلِ ایمان کیلئے نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

یقیناً فرعون کی بیوی کی زندگی صالح عورت کے کردار کی ایک اچھی مثال ہے اور یہ سبق دیتی ہے کہ "عورت" ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرد جو رائے تھوپنا چاہے عورت اسے بے چون و چرا تسلیم کرلے یا جس طرح کے عمل پر اُسے مجبور کرنا چاہے وہ خاموشی کے ساتھ اُسے انگیز کرتی رہے۔

انسان ہونے میں عورت مرد ہی کے برابر ہے اور اچھے اور برے عقیدہ پر مرد و عورت

دونوں سے باز پُرس ہوگی اور اپنے اچھے برے عمل کا ہر ایک خود ہی ذمہ دار ہے، اور قیامت کا مرحلہ ایسا ہوگا کہ باپ کو بیٹے کی فکر ہوگی اور نہ شوہر کو بیوی کی اسلئے اگر شوہر صحیح عقیدہ اور اچھے عمل کی طرف بلاتا ہے تو یقیناً اسکی ہر بات قابلِ تسلیم ہے لیکن اگر شوہر غلط عقیدے یا برے عمل کی طرف بلاتا ہے تو اَب عورت کیلئے ہرگز اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اپنی کمزوری کا عذر کر کے وہ اسے انگیز کرتی رہے۔

اللہ کے حکم کے آگے کسی انسان کے حکم کی کوئی حیثیت نہیں، دنیا کی ہر کٹھنائی کو انگیز کیا جاسکتا ہے لیکن آخرت کی باز پُرس اور جہنم کے عذاب کو ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

-تاریخ انسانی کی مایہ ناز خواتین میں حضرت ہاجرہؓ کا نام بھی آتا ہے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی زندگی کی شریک اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہیں، حضرت ابراھیم علیہ السلام جیسے عزیمت والے پیغمبر کے ساتھ رہنے والی خاتون بھی ایمان واخلاص میں بے حد پختہ تھیں۔ انکے اخلاص ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ غیر ارادی طور پر ان سے صادر ہونے والی اُدا کو بھی ربّ کائنات نے حج کے اعمال میں شامل کر دیا ہے چنانچہ صفا ومَروہ کے درمیان سعی کرنے والا ہر شخص اس مبارک خاتون کی یاد ذہنوں میں ضرور تازہ کرتا ہے جو اپنے ننھے بچے اسماعیل علیہ السلام کیلئے پانی کی تلاش میں بیتابانہ صفا اور مَروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔

حضرت ہاجرہؓ کے عزم وحوصلہ اور اللہ کی ذات پر یقین کامل کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک بے آب وگیاہ میدان میں انکو چھوڑا جارہا ہے اور انکے ساتھ ان کا ننھا سا جگر کا ٹکڑا بھی ہے، ہر طرف سناٹا اور خوف کا عالم ہے جہاں تنہا رہنے پر کوئی مرد بھی بآسانی آمادہ نہیں ہوسکتا۔ جنگلی جانوروں کے حملہ سے لیکر کسی ظالم انسان کی چیرہ دستی اور نظر نہ آنے والی ایسی اللہ کی مخلوق جسکی سرشت میں ہی گزند پہنچانا ہو اسکی طرف سے تکلیف پہنچنے کا ہر لمحہ خدشہ لاحق تھا لیکن وہ باکمال خاتون یہ جاننے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے ہر خوف اور

اُندیشہ سے بے نیاز ہوکر وہاں بخوشی رہنے پر آمادہ ہوگئیں کہ اللہ کے اشارے کے بغیر جب کوئی پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا تو پھر ڈرنے اور خوف کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسکی حفاظت اور معیت کے بعد پھر اندیشہ کس بات کا؟

بعد کی زندگی میں بھی اس عظیم خاتون نے اللہ کے حکم پر ہمیشہ سر تسلیم خم کیا اور کبھی بھی ناگواری کا اظہار نہیں کیا، حتیٰ کہ اُسوقت جبکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہوجانے والے بیٹے کو اللہ کے حکم سے قربان کرنا چاہا تو بھی حضرت ہاجرہؓ کی طرف سے کسی طرح کی پریشانی یا مزاحمت کا اظہار نہیں کیا گیا اور اللہ کے ہر حکم کی بجا آوری کیلئے وہ برضا ورغبت آمادہ ہوگئیں جو صرف ان کا ہی حوصلہ تھا ورنہ عورت کا دل کس طرح ایسی صبر آزما صورت حال کو خاموشی سے انگیز کرسکتا ہے؟

یہ تین خواتین ایسی ہیں جن کا زمانہ الگ الگ، جن کے گھر اور اردگرد کے ماحول میں غیر معمولی فرق ہے لیکن ان تینوں کی زندگیاں اپنے اندر بعد کی خواتین کیلئے بیش بہا سبق اور درس عبرت رکھتی ہیں، اور یہ بتلاتی ہیں اگر عورت کا جذبہ صحیح ہو تو نہ قوم کا دباؤ اُسے راہِ حق سے ہٹا سکتا ہے اور نہ کسی طرح کا گھریلو ماحول۔ اور کسی فرعونِ وقت کی شریک حیات ہوکر بھی ایک عورت حق پر قائم رَہ سکتی اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھ سکتی ہے، اور اقتدار میں رہتے ہوئے بھی مناسب موقع پر صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت وہ اپنے اندر رکھتی ہے اور ہزار خوف ہو لیکن اس کی زبان دل کی رفیق رہ سکتی ہے، اور اللہ کی رضا کیلئے بڑی سے بڑی قربانی بھی عورت پیش کرسکتی ہے۔

ZZZZZ

اُمّ اَیمنؓ اور اُمّ موسیٰؓ کا مومنانہ کردار

حضور اکرم ﷺ کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وھب کی باندی ''برکہ'' نامی خاتون تھیں جو تاریخ وسیرت کی کتابوں میں ''اُمّ اُیمن'' کے نام سے معروف ہیں، حضور ﷺ نے ان کو آزاد کردیا تھا اور انہوں نے عُبید بن زید سے شادی کرلی تھی جن سے ''اَیمن'' پیدا ہوئے۔ ان سے علٰحدگی کے بعد حارثہؓ سے جو حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے اور جنکو حضور ﷺ کی خدمت میں انہوں نے پیش کردیا تھا اور حضور نے انکو بھی آزاد فرمادیا تھا، جب حضور اکرم ﷺ نے اُمّ اَیمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ایک خاتونِ جنت سے کون شادی کرے گا؟'' تو حضرت حارثہؓ نے انکو اپنے نکاح میں لے لیا، حضور ﷺ انکو دیکھتے تو ''ماں'' یا ''ماما'' کہہ کر پکارتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے اہلبیت کی باقیات میں سے ہیں۔

ایک دن اُمّ اَیمن حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں کہ مجھے سواری چاہئے تو حضور ﷺ نے اَزراہِ مزاح فرمایا کہ تم کو میں اُونٹنی کا بچہ سواری کیلئے دوں گا تو وہ کہنے لگیں کہ اُونٹنی کا بچہ مجھے کیسے اٹھا سکے گا؟ حضور ﷺ فرماتے رہے میں تو تم کو اُونٹنی کا بچہ ہی دوں گا، ظاہر بات ہے کہ جتنے اُونٹ ہیں وہ سب اُونٹنی کے بچے ہی ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ مزاح فرماتے ہوئے بھی کبھی کوئی بات خلافِ حقیقت نہیں کہتے تھے۔

حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میری ماں کی وفات کے بعد اُمّ اَیمن ہی میری ماں کی جگہ پر ہیں، انکی کرامتوں کے ذکر میں آتا ہے کہ وہ جب ہجرت کرکے مدینہ طیبہ جارہی تھیں تو روزے سے تھیں راستہ میں ایک مرحلہ ایسا آیا کہ اُن کے پاس پینے کا پانی بھی نہیں رہ گیا

اور وہ سفر سے سخت تھکن محسوس کرنے لگیں اور صحراء کی تپش میں پیاس سے بالکل بے قابو ہوگئیں ٹھیک اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے انکے لئے سفید رسّی میں لٹکتا ہوا ڈول نازل فرمایا جس سے انہوں نے اپنی پیاس بجھائی، وہ کہا کرتی تھیں اس کے بعد سے سخت سے سخت دھوپ میں بھی کبھی مجھے پیاس محسوس نہیں ہوئی۔

جب آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے کردی تو انکے گھر پر آئے اور پوچھا کہ کیا میرا بھائی یہاں ہے؟

اُمّ اَیمن نے کہا کہ حضور ﷺ یہاں آپ کا بھائی کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علی بن ابی طالبؓ، تو اُمّ اَیمن نے کہا کہ اَب جبکہ اپنی بیٹی فاطمہؓ کو آپ نے ان کے نکاح میں دیدیا ہے تو آپ ﷺ کے بھائی وہ کیسے رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں ہی مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کرائی تھی تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا تھا اسلئے آپ ﷺ کا یہ فرمانا بجا تھا کہ وہ میرے بھائی ہیں۔

اُمّ اَیمن جب کسی کو مخاطب کرتیں تو صرف ''سلام'' کہتی تھیں، حضور ﷺ نے انکو اسکی اِجازت مرحمت فرمادی تھی۔

اُمّ اَیمن کی زبان میں سختی اور لکنت تھی، غزوۂ حنین کے موقع پر انھوں نے بجائے ''ث'' کے ''س'' سے ثبت اللّٰہ أقدامکم (اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو ثابت قدم رکھے) کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا: تمہاری زبان میں سختی ہے اسلئے تم خاموش ہی رہو کہ لفظ کی غلط اَدائیگی کی وجہ سے دُعاء کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔ اسلئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

أسکتي یا أم أیمن فإنک عسراء اللسان۔

(اُمّ اَیمن تم خاموش رہو کیونکہ تمہاری زبان میں خشونت ہے)

خود حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اُمّ اَیمن مسلسل روتی رہیں اور جب حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ نے ان سے دریافت کیا تو فرمانے لگیں کہ حضور ﷺ کی وفات پر میں اسلئے رو رہی ہوں کہ اَب آسمان اور زمین کے درمیان وحی کا رابطہ ہمیشہ کیلئے منقطع ہوگیا، اور اَب قیامت

تک آسمان سے وحی نہیں آئے گی۔

اسی طرح جب حضرت عمر بن الخطابؓ کو اَبولؤلوَہ مجوسی نے نیزہ کے حملہ کا نشانہ بنایا تو بہت زیادہ متأثر ہوئیں اور رونے لگیں، اور کہنے لگیں کہ:

الیوم وھیَ الإسلام۔ (آج اسلام کمزور ہوگیا)

اُمّ اُیمن اس کے باوجود کہ ایک آزاد کردہ باندی تھیں لیکن انہوں نے اپنی سادگی، خدمت گزاری اور ایمان واخلاص کی وجہ سے حضور ﷺ کے دل میں اپنا مقام بنالیا تھا اور ساری زندگی وفاداری میں انہوں نے گزار دی اور معاشرہ میں ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اُنکے گھر پر جایا کرتے اور انکی تعظیم کیا کرتے تھے، اور اِن حضرات سے پہلے خود حضور اکرم ﷺ بھی انکی خاطر داری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔

اُمّ اُیمن کے کردار سے اَندازہ ہوتا ہے کہ عورت خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہو وہ معاشرہ میں اپنا مقام بلند کرسکتی ہے اور اپنے اعلیٰ اَخلاق وکردار سے معاشرہ کے بڑے اور نمایاں افراد کو بھی اپنے احترام پر مجبور کرسکتی ہے، اور عورت اگر عقل ودانائی سے بہرہ وَر ہو تو حالات پر قابو پانے میں مرد سے زیادہ کامیاب رول اَدا کرسکتی ہے۔ چنانچہ انسانیت کی قدیم تاریخ سے لیکر جدید زمانہ تک ایسی بے شمار خواتین گزری ہیں جنہوں نے حالات کا رُخ پلٹنے میں بے مثال کردار اَدا کیا ہے اور تاریخ کے صفحات پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، انہیں خواتین میں عہدِ قدیم کی طرف اگر دیکھیں تو حضرت شعیب علیہ السلام کی دو نوخیز لڑکیاں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن وغیرہ تاریخ کی وہ مایۂ ناز ہستیاں گزری ہیں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی سیرت اور خصوصیت پر نظر ڈالنے کیلئے مستقل مضمون دَرکار ہے۔

عقل ودانائی اور فہم وفراست سے بھرپور خاتون کا ایک کردار وہ بھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اَدا کیا تھا، ایک ایسے وقت میں کہ جب بنی اسرائیل پر فرعون کا قہر ٹوٹا

ہوا تھا اور وہ اُس کے تمام بچوں کو قتل کرنے کے درپے تھا اور بچیوں کو زندہ رکھنے پر تا کہ وہ قوم کو مزید ذلّت کا مزہ چکھا سکے ایسے ماحول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوتی ہے، اور جیسا کہ ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے جگر گوشہ کو زندہ اور پھلتا پھولتا دیکھے لیکن اُمّ موسیٰ علیہ السلام کیلئے مشکل یہ تھی کہ آخر فرعون کے ظلم سے بچا کسطرح جائے؟ اور نو مولود بچہ کو اس قہر سے بچایا کسطرح جائے؟ ظاہر اَسباب میں اسکی کوئی راہ نہیں تھی لیکن دو عورتوں کی روحانی قوت اور ایمانی فراست نے اللہ کی توفیق سے وہ معجزہ دکھلایا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بچہ نہ صرف یہ کہ زندہ رہا، خود قاتل کے گھر میں پلا اور اسکی آنکھوں کا تارا بن کر رہا اور پھر وہی فرعون کی تباہی اور ہلاکت کا باعث بھی بنا۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت کا معاملہ بھی کتنا عجیب ہے؟ وہ جسے چاہتا ہے کہ باقی رکھے تو آگ جیسی جلا کر بھسم کر ڈالنے والی چیز بھی اس کیلئے گل و گلزار بن جاتی ہے، اور پھر سمندر کی تہوں میں موجود انسانی وجود کو اپنی چیرہ دَستی کا نشانہ بنانے والی دیو ہیکل مچھلی کا پیٹ ہی اس کیلئے آرام دَہ بستر بن جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد قدرتی طور پر سب سے زیادہ تشویش انکی ماں کو ہوئی اور عین اس قلق اور اضطراب کے عالم میں اُنہیں الہام ہوتا ہے اور الہام بھی ایسا جسے وہ اشارۂ الٰہی سمجھ لیتی ہیں اور اس پر عمل کرتے ہوئے ایک درندہ صفت اور خونخوار انسان سے بچانے کیلئے اپنے جگر گوشہ کو دریا کی موجوں کے حوالہ کر دیتی ہیں اور اشارۂ الٰہی پر ایسا یقین کرتی ہیں کہ بے خوف و خطر بیٹے کو ایک صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈالدیتی ہیں کیونکہ اشارہ یہ مل رہا ہے کہ:

{فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ۔} (سورہ القصص ر۷)

(اگر انکی جان کے بارے میں تمہیں خطرہ محسوس ہو رہا ہو تو انکو سمندر میں ڈالدو)

کس ماں کا جگر ایسا ہوگا کہ وہ اپنے بچے کو سمندر میں ڈالدے؟ جس کا خوف ہی

انسان کا دل دہلا دینے کیلئے کافی ہوتا ہے اور جسکی تہوں میں نہ جانے کیسے کیسے خوفناک اور مہلک سمندری جانوروں اور نہنگوں کا گروہ رہتا ہے اور جو ہر لحہ کسی بھی انسانی وجود کو لقمۂ تر بنا لینے کیلئے کافی ہے، لیکن اللہ کی حفاظت وعنایت کے بعد عظیم ماں کو نہ سمندر کی موجوں کا خوف ہوتا ہے اور نہ دریائی قاتل جانوروں کا، چنانچہ ان کے اس کمال ایمانی کا صلہ اللہ نے انکو اس طرح دیا کہ نہ صرف بچے کی حفاظت کی بلکہ دودھ پینے کیلئے بھی اُسے اپنی ماں کے پاس ہی بھیج دیا۔

اس سلسلہ میں مادر مہربان کی ہدایت پر انکی بہن نے جو کردار اَدا کیا کہ خود فرعون کے دَربار سے ایسا پروانہ حاصل کرلیا کہ بچہ دودھ پینے کیلئے اپنی ماں کے پاس لوٹا دیا جائے، اور وہ بڑی احتیاط اور خفیہ تدبیر سے تاکہ کہیں راز فاش نہ ہوجائے، اور نہ صرف موسیٰ علیہ السلام بلکہ ان سے وابستگی رکھنے والے سبھی افراد فرعون کی ستم گری کا نشانہ بن جائیں۔

چنانچہ انھوں نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ پیشکش کی ''یہ بچہ جو کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا اس کیلئے میں ایک ایسی دایہ کی نشاندہی کرسکتی ہوں جس کا دودھ یہ بچہ پینے لگے گا'' اس طرح فرعون اس بات پر آمادہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کی گود میں پہنچ گئے۔

اِس طرح ان کی دانشمندی نے کتنی بڑی مشکل حل کردی اور کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی پریشانی دور کردی اور انکے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچادیا۔

معاشرہ میں عورت کے مقام کے موضوع پر گفتگو کے وقت یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ:

''مرد'' اور ''عورت'' دونوں ہی ربّ کائنات کی تخلیق کا بہترین شاہکار ہیں، اور دونوں کا کمال اپنی اپنی خصوصیات برقرار رکھنے اور فطرت کے تقاضوں کی پابندی کرنے میں ہے۔ ''مرد'' کیلئے اسکی مردانگی' قوّت' شجاعت ومروّت اور مردانہ اخلاق کو اسکی فضیلت اور امتیاز کا ذریعہ بنایا گیا ہے تو عورت کیلئے عفت وعصمت اور حیا و پاکدامنی کو زیور بنایا گیا

ہے۔ چنانچہ نہ مرد کیلئے یہ بات موزوں ہے کہ وہ خود کو زنانہ خصوصیات کا حامل بنانے کی کوشش کرے، اور نہ عورتوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ مردوں کا بھیس بدل کر فطرت کے تقاضوں سے صَرفِ نظر کر لیں۔ عقل و دانش اللہ کی دَین ہے اور اس میں برابری محض اپنی خواہش سے نہ مردوں کے بس میں ہے اور نہ عورتوں کے، البتہ علم و فضل اور تقویٰ وطہارت کا میدان ایسا ہے جس میں مرد و عورت دونوں کو ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کا حق ہے، اور اللہ نے انسانی امتیاز کو نہ مردانگی اور نسوانیت سے جوڑا ہے نہ مال کی کثرت سے اور نہ رنگ و نسل کی بہتری سے بلکہ واضح طور پر یہ اعلان کر دیا ہے کہ امتیاز کا معیار تقویٰ وطہارت ہے اور اس بات کی نفی بھی کر دی ہے کہ نہ عربی کو عجمی پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے اگر فضیلت کی کوئی بنیاد ہے تو وہ اخلاقی کمالات اور اندرونی خصوصیات ہیں جن کیلئے ہر ایک کو دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

جہاں تک مردوں اور عورتوں کے درمیان حقوق و فرائض کی تقسیم کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں بھی واضح ہدایات موجود ہیں اور نبی رحمت ﷺ نے اس دنیا میں اپنے آخری سانس تک یہی تلقین فرمائی کہ:

إستوصوا بالنساء خيرا۔ (عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو)

اور مردوں کو یہ بھی بتلایا کہ عورتوں کی تخلیق قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ہے اور زوجین کے درمیان مودّت و رحمت کا رشتہ ہونا چاہئے اور عورتوں کی بعض مزاجی خصوصیات کو انگیز کرنا خود مردوں ہی کیلئے سعادت کا ذریعہ ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات پر تنگدلی اور ناراضگی سے گھر کی راحت اور سکون کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

مردوں کو بھی یہ بتلایا گیا ہے کہ:

إنما الدنيا متاع و خير متاع الدنيا المرأة الصالحة۔

(دنیا سامانِ راحت ہے اور اس دنیا میں بھی سب سے اچھی راحت اور آسائش کی چیز نیک عورت ہی ہے)

اسلام نے مردوں اور عورتوں کے جو حقوق وفرائض متعین کر دیئے ہیں وہ ہر ایک کی جسمانی ساخت اور فطری استحقاق کو سامنے رکھ کر متعین کئے ہیں اسلئے باہم مفادات کے ٹکراؤ کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے، اور ہر ایک کی طاقت وصلاحیت کو سامنے رکھ کر ہی اسکو کسی بات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزمائی یہ عورتوں کا کام نہیں ہے، چنانچہ بعض خاص حالات کو چھوڑ کر عورتوں پر جہاد فرض نہیں کیا گیا ہے۔ قرنِ اوّل کی بعض خواتین یقیناً غزوات اور جنگی معرکوں میں شریک ہوتی رہی ہیں لیکن انفرادی طور پر، کوئی باقاعدہ فوجی ڈویژنوں کا جز بن کر نہیں، اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیلئے، براہِ راست لڑائی میں حصہ لینے کیلئے نہیں۔ آخر عورتیں ہی مجاہدین کو پیدا کرتی ہیں اسلئے عورتوں کے معرکوں سے دُور رہنے میں ہی خیر ہے اور جہاں تک اَجر وثواب کا تعلق ہے تو اس کا دینے والا خود ربّ کائنات ہے اسلئے وہی عورتوں کو معرکوں میں شرکت کے بغیر بھی آخرت میں بلند مقام سے نوازے گا۔

k k k k k

ایک شہزادی کی بے مثال زندگی

''فاطمہ بنت عبد الملک'' ایک ایسی خاتون کا نام ہے جس کی پرورش اور پرداخت شاہی محل میں ہوئی، باپ نامور خلیفہ اور عہد اسلامی کا ایک طاقتور حکمراں اور دادا مروان بن الحکم خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا نامور عالم اور فقیہ بھی۔

عبد الملک بن مروان کی پیدائش ۲۶ھ میں ہوئی تھی اور بچپن میں اس کا شمار ذہین' خوش اخلاق اور عابد و زاہد نوجوانوں میں ہوتا تھا، خلافت کے زمانہ کے اس کے کارناموں سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اُس کی وفات ساٹھ سال کی عمر میں ۸۶ھ میں ہوئی۔ ''تاریخ الخلفاء'' میں علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے اس کے ۱۰/ایسے کارناموں کا ذکر کیا ہے جو اسی کے زمانہ میں ہوئے اس سے پہلے انجام نہیں پا سکے تھے۔

فاطمہ بنت عبد الملک کے چار بھائی بھی اپنے اپنے وقت کے نامور خلفاء گزرے ہیں ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ہی مسجد نبوی ﷺ میں توسیع ہوئی، دمشق میں اس نے جامع اُموی تعمیر کرائی، اُس کے زمانہ میں فتوحات بھی بہت ہوئیں، خود اُس کو قرآن سے شغف اور اہل قرآن سے محبت تھی۔

سلیمان بن عبد الملک بھی نامور خلیفہ گزرا ہے اور اس کے بھی عادات واَطوار اچھے تھے، فصاحت و بلاغت میں بھی معروف تھا، عمر بن عبد العزیز کو اُس نے اپنے مشیروں میں رکھا تھا اور اُس کے سامنے قیامت کا ذکر کیا جاتا تو اس پر خشیت طاری ہو جایا کرتی تھی، جرجان اور کہستان وغیرہ کا علاقہ اسی کے زمانہ میں فتح ہوا، مرنے کے وقت اُس کی زبان پر أسألکَ مُنقَلَباً کَرِیماً (ہم آپ سے اچھے انجام کی درخواست کرتے ہیں) کے الفاظ

تھے۔

فاطمہ کا تیسرا بھائی یزید بن عبدالملک تھا جس کی وفات ۱۰۵ھ میں ہوئی اور چوتھا بھائی ھشام بن عبدالملک تھا جو سیاست اور حُسنِ تدبیر میں طاق تھا اُس کے کارنامے مشہور ہیں، اپنی انگوٹھی اس نے الحُکمُ لِلحَکَمِ الحَکِیمِ (بادشاہت تو حکیم و دانا اور فیصلہ کرنے والی ذات کی ہی ہے) کندہ کرا رکھا تھا۔

یہ چاروں تو فاطمہ کے باپ شریک بھائی تھے لیکن اس کے سگے بھائی کا نام مَسلَمہ بن عبدالملک تھا، اس کی فتوحات اور اہل علم واَدب سے شغف کی بھی بے شمار داستانیں ہیں۔

فاطمہ بنت عبدالملک کے شوہر نامدار پانچویں خلیفہ راشد' عدل وانصاف کے پیکر' زہد وتقویٰ میں یکتا اور علم وفضل اور تقویٰ وخشیت میں بے مثال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے جنہوں نے خلافت کے منصب پر فائز ہو کر حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد کی یاد تازہ کردی اور بادشاہی میں بھی گدائی کی زندگی بسر کی، اُن کے اَوصاف وکمالات تو اتنے بے شمار ہیں جن کے ذکر کے لئے دفتر بھی ناکافی ہے۔ ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے

اس طرح فاطمہ بنت عبدالملک خلیفہ کی پوتی، خلیفہ کی بیٹی، چار خلیفوں کی بہن اور خلیفۂ وقت کی شریک حیات بھی تھیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک ایسی خاتون جس کے اِردگرد شاہانہ شان وشوکت' شاہی دربار' شاہانہ ٹھاٹ باٹ رہا ہو اور جہاں علم واَدب کا چرچا ہو' فکر وفن کا دَور دورہ ہو وہاں پروان چڑھنے والی خاتون میں قدرتی طور پر ایسے عادات واَطوار آجاتے ہیں جو اُسے دوسروں سے ممتاز رکھتے ہیں۔

فاطمہ بنت عبدالملک کو بھی قدرت نے حسن وجمال کے ساتھ علم واَدب اور فصاحت وبلاغت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

فاطمہ کا کمال یہ تھا کہ ایک طرف باپ' دادا اور بھائیوں سے ملا ہوا عیش وعشرت کا

ماحول تھا اور دوسری طرف نامور شوہر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی زاہدانہ اور تقشّف کی زندگی تھی۔ شاہی دربار میں پلنے اور بڑھنے والی نوعمر خاتون کیلئے تخت شاہی اور دَر بار شاہی اور شاہی محل کے خَدَم وحَشَم اور شہرت وناموری کی زندگی کو دیکھنے اور پھولوں کی سیج پر پروان چڑھنے اور ناز ونعمت کی زندگی گزارنے کے بعد یکدم بے سروسامانی اور کفاف کی زندگی گزارنا ممکن نہیں ہوتا لیکن اس باکمال خاتون نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ساتھ زندگی گزار کر اور اپنی ہر خواہش اور ہر طرح کے زیب وزینت کے سامان سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کی زندگی گزارنے کی ایسی مثال پیش کی ہے جو تا قیامت خواتین کیلئے نشانِ راہ کا کام دے گی۔

عبدالملک بن مروان کے پاس کئی بیٹیاں تھیں لیکن فاطمہ سے اسے محبت زیادہ تھی اسلئے اسے وہ ہمیشہ خصوصی تحفے تحائف سے نوازتا رہتا تھا جو محل کی دوسری عورتوں اور خود فاطمہ کی بہنوں کیلئے بھی باعثِ رشک ہوا کرتے تھے۔ اُس نے اپنے بیٹے ولید بن عبد الملک کو خاص طور پر فاطمہ کی دیکھ بھال پر مامور کر دیا تھا۔

عبدالملک نے اپنے رب سے فاطمہ کے بارے میں یہ دُعاء بھی کی تھی کہ **اللّٰھمّ احْفظْنِي فيْهَا** (رب کائنات فاطمہ کے بارے میں مجھے خصوصی عنایت سے نوازیئے) اس کی یہ دُعاء اس طرح قبول ہوئی کہ فاطمہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شریک حیات بن گئیں۔

عبدالملک بڑا تیز اور بابصیرت انسان تھا، اُس نے اپنے بھتیجے عمر بن عبدالعزیز جن کے سیرت وکردار سے وہ واقف تھا، جن کی ذات میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا خون اُسے دوڑتا ہوا نظر آتا تھا کیونکہ ان کی والدہ لیلیٰ بنت عاصم بن عمر بن الخطابؓ تھیں۔

میمون بن مہران کا قول ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ علماء کے بھی استاذ تھے شروع میں خوش پوشاک ہونے میں مشہور تھے، اُن کی چال بھی بڑے خاص انداز کی تھی، خوشبو کے استعمال میں بھی اپنے ہم عمروں میں امتیاز رکھتے تھے اور پورے طور پر شاہی دربار کی نمائندگی

کرتے تھے۔ ان کی چال اس غضب کی تھی کہ لڑکیاں اور دربار کی باندیاں اس کی نقالی کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ نازک مزاجی کا یہ حال تھا کہ کبھی ایک ایک ہزار دینار کا جُبّہ خریدتے لیکن ہاتھ لگانے کے بعد اس کی خشونت اور سختی کی شکایت کرتے، چار سو دینار کی قمیص خریدتے اور کہتے کہ بڑا ہی موٹا اور تکلیف دہ کپڑا ہے۔

عطر کے استعمال کا حال یہ تھا کہ لوگ اُن کے کپڑوں کے بعد اپنے کپڑے دُھونے کی کوشش کرتے تا کہ اُن کی خوشبو کا کچھ حصہ اُن کے کپڑوں میں آ جائے۔

اُن کے پاس غلاموں اور باندیوں کی ایک بڑی تعداد تھی لیکن اُن کے علمی کمالات اور ذکاوت و ذہانت کے پیشِ نظر عبدالملک بن مروان نے ملکی معاملات میں بھی ان کو دخیل بنانے اور سیاسی اُمور میں ٹریننگ دینے کیلئے اُن کو اپنے قریب کر لیا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی نوعمری کے یہ واقعات قصہ و کہانی کے قبیل کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ واقعات و حقائق ہیں جن کا ذکر مستند مؤرخین نے کیا ہے، اور بعد میں خلافت کا بار سنبھالنے کے ساتھ ہی جو اُن میں تبدیلی آئی اور انہوں نے ناز و نعمت کی زندگی ترک کر کے یکسر زاہدانہ زندگی شروع کر دی اور نہایت ہی موٹا چھوٹا لباس پہننے لگے تو جیسا کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنی مایۂ ناز کتاب "الخِرَاج" میں لکھا ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا کہ:

یاأمیر المؤمنین، غیّرت کل شيء حتی مشیتک۔

(امیر المؤمنین! آپ نے تو اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی چال تک بدل ڈالی)

تو انہوں نے برجستہ فرمایا کہ:

واللّٰہ ما رأیتها کانت إلا جنونا۔ (کتاب الخراج ۱۷/)

(خدا کی قسم اَب میرا خیال یہ ہے کہ وہ ایک طرح کا جنون تھا)

فاطمہ بنت عبدالملک کے نکاح کا جب خلیفہ عبدالملک بن مروان نے فیصلہ کیا تو بھرے دربار میں اپنے بھتیجے عمر بن عبدالعزیز کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

قد زوّجک أمیر المؤمنین فاطمة بنت عبد الملک۔

(امیر المؤمنین نے فاطمہ بنت عبدالملک کو آپ کے نکاح میں دیدیا)

تو انہوں نے شرماتے ہوئے نہایت ہی بااَدب انداز پر اَدب وبلاغت سے بھرپور یہ جملہ کہا:

وصلک اللّٰہ یا أمیر المؤمنین، فقد کفیت المسألة وأجزلت العطیة۔

(اللہ تعالیٰ آپ کو اس صلہ رحمی کا اَجر دے، آپ نے سوال کی زحمت نہیں دی اور بے مثال نعمت عطا کی)

اس جواب پر عبدالملک بن مروان جھوم اٹھا جس سے دربار میں موجود بعض رشتہ داروں کو حسد ہونے لگا۔

عبدالملک نے اپنے ہونہار داماد سے ایک دن دریافت کیا کہ تمہاری زندگی کے اخراجات کا کیا انداز ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ:

''دو برائیوں کے بیچ میں یعنی اِسراف اور بخل دونوں کے بیچ میں میانہ رَوی کے ساتھ''

اس جواب سے عبدالملک اور بھی زیادہ خوش ہوا۔

فاطمہ شاہزادی ہونے کے ساتھ ساتھ حسن وجمال میں بھی بے مثال تھی، باپ نے اپنی چہیتی بیٹی کی شادی پر بڑی فراخدلی سے جشن منایا، خوب چراغاں بھی کئے اور عرب عورتوں کی طرح فاطمہ کیلئے نہایت ہی نفیس جوڑے تیار کرائے گئے، خوشبو کا خاص اہتمام کیا گیا چنانچہ ہر طرح سے ایک تاریخی شادی قرار پائی۔

ایک طرف ناز ونعمت میں پلی ہوئی شاہزادی اور دوسری طرف عیش وعشرت کا دلدادہ اور خوش لباسی میں مشہور اور اپنی چال ڈھال اور وضع قطع کے لحاظ سے شاہی محل کا صحیح نمائندہ نوشاہ دونوں کی زندگی بڑی سعادت کی شروع ہوئی۔

فاطمہ کے پاس ایک سے ایک نادر قسم کے زیور تھے، سونے اور موتی سے گھر بھرا ہوا

تھا۔اور ہر زمانہ کی عورت کی طرح فاطمہ بھی اچھے پوشاک اور قیمتی وخوشنما زیورات کی دلدادہ تھی۔ اچھے لباس اور قیمتی و چمکدار زیورات سے عورت کے حسن و جمال میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے اور حسن و جمال کے ساتھ زیبائش وآسائش کے بارے میں دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والوں کے ذوق مختلف ہوا کرتے ہیں۔عربی کے مشہور غزل گوشاعر عمر بن ابی ربیعہ نے ایک عورت کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''جب وہ زیب وزینت اختیار کرتی ہے تو سورج جیسی بارونق نظر آتی ہے اور
جب زیبائش وآرائش ترک کردیتی ہے تو پھر ہرن جیسی خوش جمال نظر آتی ہے''

فاطمہ بنت عبدالملک اپنے ظاہری اوصاف کے ساتھ بلند پایہ اَدیبہ اور عالمہ بھی تھی۔ امام ابو زُرعہ رازیؒ نے اسے حدیث کے راویوں میں شمار کیا ہے اور اس سے حدیثیں روایت کرنے والوں میں عطاء بن ابی رباحؒ جیسے بلند پایہ تابعی بھی شامل ہیں۔

آیئے اَب فاطمہ بنت عبدالملک کی زندگی کے دوسرے رُخ پر نظر ڈالتے ہیں۔ان کی زندگی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ جو والی مدینہ متعین کئے گئے تھے بڑی خوشحالی اور نازونعمت کی گزر رہی تھی کہ اچانک اور بغیر کسی سابقہ امید کے ۲۱ رصفر ۹۹ھ کواُن کے شوہر خلیفہ بنادیئے گئے۔ فاطمہ کو قدرتی طور پر یہ خیال ہوا ہوگا کہ اَب وہ ساری دنیا کے بادشاہ کی ملکہ اور خلیفہء وقت کی شریک حیات ہے، اَب زندگی کا معیار اور بلند ہوجائے گا، ساری دنیا کا خراج اس کے شوہر کے قدموں میں ہوگا لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کا بار کندھوں پر آنے کے ساتھ ہی دنیا کی زیب وزینت کو یکسر ترک کردیا، نازونعمت کے تمام مظاہر ختم کردیئے اور عیش وعشرت کی زندگی حکایت پارینہ بن گئی۔اَب وہ عمر بن عبدالعزیزؒ نہیں رہ گئے تھے جن کی چال کی لڑکیاں نقالی کیا کرتی تھیں اور جن کی خوشبو گلی کوچوں کو معطر کئے رکھتی تھی بلکہ اب تو وہ ایک زاہد خشک ہر وقت خوف خدا سے بےچین اور خلافت کی ذمہ داریوں پر آخرت کی باز پُرس سے پریشان رہنے والے انسان بن گئے۔

فاطمہ کی زندگی بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے ساتھ یکسر بدل گئی اَب نہ اس کے پاس قیمتی زیورات ہیں اور نہ زرق برق لباس، عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کا بار سنبھالنے کے ساتھ ہی اپنی شریک حیات اور خلیفہ زادی فاطمہ بنت عبدالملک سے آ کر کہا کہ:

یہ بتاؤ یہ زیورات کے انبار جو تمہارے پاس ہیں یہ کہاں سے آئے ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ یہ سب کچھ میرے والد خلیفہ عبدالملک بن مروان کا عطا کردہ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ: دراصل یہ مسلمانوں کے مال سے حاصل شدہ ہے اس لئے اب یہ بات تو ممکن نہیں رہی کہ میں تم اور یہ زیورات ایک گھر میں رہیں، اُن کی صحیح جگہ مسلمانوں کا بیت المال اور سرکاری خزانہ ہے لہذا ان کو بیت المال میں جمع کرا دینا چاہئے۔

اس عظیم خاتون اور ایمان و اخلاص کی پیکر اللہ کی بندی نے ایک لمحہ تردّد کئے بغیر شوہر کی بات مان لی اور اپنے تمام زیورات اور ساز وسامان سے بے نیاز ہوگئی، اور خلیفہ کی شریک حیات ہونے کے باوجود ایسی زاہدانہ زندگی گزارنی شروع کردی جس میں کھانے کی ضروری چیزوں کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہوگیا، لیکن اس صبر ورضا کی پیکر خاتون نے دنیا کی آسائش وراحت پر آخرت کی زندگی کو ترجیح دی اور جنت ومغفرت کے حصول کیلئے ہر طرح کی تنگ حالی برداشت کرنے لگی۔ اَب نہ اُس کے پاس زرق برق لباس رہ گئے تھے نہ زیورات کا انبار رہ گیا تھا، اور نہ انواع واقسام کے کھانے رہ گئے تھے۔

دو موٹے جھوٹے کپڑے اور دال روٹی پر گزر بسر ہونے لگا اور کبھی کبھی تو فاقہ کشی کی نوبت بھی آ جایا کرتی تھی۔

کبھی وہ خود ہی کہا کرتی تھیں:

یالیت کان بیننا وبین الخلافة بعد المشرقین فواللّٰہ ما رأینا سرورا مذ دخلت علینا۔

(کاش کے خلافت میں اور میرے گھر میں مشرق ومغرب کی دوری ہوتی،
کیونکہ جب سے خلافت آئی ہے ہم نے خوشی کا کوئی لمحہ نہیں پایا)

اُن سے کسی نے اُن کے شوہر کی زندگی کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگیں کہ:
وہ نہایت نرم لباس، خوشنما سواری اور عمدہ کھانے کے دلدادہ تھے لیکن خلافت ملنے کے ساتھ ہی انہوں نے موٹا جھوٹا کپڑا اور معمولی کھانا اپنے لئے اختیار کرلیا، اور اپنے گھر میں کسی نوکر اور باندی کا رکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے اپنی بادشاہت کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگے کہ:

سرور لولا أنه غرور، وحياة لولا أنه موت، وملك لولا أنه هلك، وحسن لولا أنه حزن ونعيم لولا أنه عذاب أليم۔

(مروج الذھب ۲/۱۴۰)

(وہ مسرت کی چیز ہے بشرطیکہ پائیدار ہوتی، اور زندگی کا سامان ہے بشرطیکہ اس کے بعد موت نہ ہوتی، اور بادشاہت ہے بشرطیکہ اس کے بعد ہلاکت نہ ہوتی، اور خوبی ہے بشرطیکہ وہ باعثِ غم نہ ہوتی، اور نعمت ہے بشرطیکہ اس کے بعد دردناک عذاب نہ ہوتا)

یہ حکیمانہ الفاظ انہوں نے خلافت کا بوجھ اٹھانے سے پہلے کہے تھے خلافت کے بعد تو اُن کی شان ہی نرالی ہوگئی۔

اُن کی اہلیہ فاطمہ کا بیان ہے کہ:

واللہ ان كان عمر ليكون في المكان الذي ينتهي إليه سرور الرجل مع أهله فيذكر الشيء في أمر اللہ فيضطرب كما يضطرب العصفور قد وقع في الماء ثم يرتفع بكاءه حتى أطرح اللحاف عني وعنه رحمة له و واللہ لودت لو كان بيننا وبين هذه الإمارة بعد

المشرقین۔ (سیر اعلاء النبلاء ۵/۱۳۶)

(خدا کی قسم عمرؒ کی حالت یہ تھی کہ بسا اوقات وہ اپنے اہل کے ساتھ ایسے حال میں ہوتے تھے جو کسی انسان کیلئے وہ خوش وقتی کا موقع ہوا کرتا ہے کہ اچانک اُن کو کوئی بات یاد آتی اور وہ اِس طرح مضطرب ہوتے جیسے پرندے پانی میں گر جانے کی وجہ سے ہو جایا کرتے ہیں، چنانچہ وہ رونے لگتے اور ہمارے بدن سے لحاف گر جاتا۔ خدا کی قسم ہمارا دل تو یہ چاہتا ہے کہ ہم میں اور خلافت میں مشرق ومغرب کی دوری ہوتی)

فاطمہ بنت عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ ایسی زاہدانہ زندگی بسر کی جس کی اُمید ناز ونعمت میں پلی ہوئی کسی خاتون سے ہرگز نہیں کی جا سکتی تھی۔ یقیناً وہ تاریخ کی اُن عظیم خواتین میں شمار ہونے کی مستحق ہیں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

اُن کی زندگی کی بعض جھلکیاں پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کی فیشن کی دلدادہ خواتین کے سامنے ایک ایسی شاہزادی کی زندگی بھی رہے جس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے شوہر کے کہنے پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور عیش وعشرت کی زندگی ترک کر کے جنت ومغفرت کی زندگی اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں آخرت کی راحتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین

ZZZZZ

رشتہ کی تلاش کا معیار

''مرد'' اور ''عورت'' دونوں ہی انسانی معاشرہ کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں کہ انمیں سے نہ تو کسی ایک کو دوسرے کی جگہ پر رکھا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ معاشرہ کی تشکیل اور تکمیل دونوں ہی ایک مرد اور ایک عورت کے وجود پر موقوف ہے جس سے خاندان وجود میں آتا ہے، اور متعدد خاندانوں کے ہی باہم اشتراک سے ایک سوسائٹی یا معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے۔

''عورت'' مرد کی زندگی پر کس قدر اَثر انداز ہوسکتی ہے اس کے لئے حضرت آدمؑ وحواؑ کا واقعہ ہی کافی ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مرد عورت کی بات ماننے پر بسا اَوقات مجبور ہوجاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سکندر بادشاہ سے کسی نے کہا کہ فارس کے شہنشاہ دارا کی بیٹی سے اگر آپ نکاح کرلیتے تو بہت سے مسائل حل ہوجاتے، اور بہت سے سیاسی خرخشوں سے نجات مل جاتی یہ سُنکر سکندر نے کہا کہ:

لا تغلبني إمرأة غلبت أباها۔ (یعنی) شادی میں تو مضائقہ نہیں لیکن ایک ایسی عورت جس کے باپ کو میں نے جنگ میں شکست دی ہے وہ مجھ پر غالب نہ آجائے اس کا اندیشہ ہے۔ اور یہ بات تو عام ہے کہ انگلستان کے بادشاہ ایڈوارڈ ہشتم نے ۱۹۳۶ء میں محض ایک عورت کی خاطر تخت وتاج سے خود کو دستبردار کرلیا تھا۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں ابتدائے اسلام میں ابوسفیان کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کی مخالفت کو ہند بنت عُتبہ کی حد سے بڑھی ہوئی مخاصمت کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبا لیا تھا اور ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے تھے۔ لیکن

بعد میں دونوں ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔

یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ خالد بن یزید نے رملہ بنت الزبیر کو حج کے موسم میں دیکھا تو ان پر فریفتہ ہو گیا، حالانکہ دونوں خاندانوں میں آبائی دشمنی چلی آ رہی تھی، اور جب انہوں نے نکاح کا پیغام دیا تو رَملہ نے شرط لگائی کہ وہ اپنی پہلی بیویوں کو طلاق دیدے تو اس نے دونوں بیویوں کو طلاق دیدی اور رَملہ کو ساتھ لے کر شام چلا گیا۔ حجاج بن یوسف کو معلوم ہوا تو اس نے ملامت کی کہ ایک ایسے گھر میں نکاح کیوں کیا جو بنی اُمیہ کا دشمن ہے، تو خالد بن یزید نے سخت نا گواری کا اظہار کیا اور حجاج کے قاصد کو کہا کہ تم اس سے جا کر کہو کہ اَب تم نکاح کے معاملہ میں بھی مداخلت کرنے لگے ہو، گویا نکاح کے بارے میں بھی ہم تمہاری رائے لینے پر مجبور ہیں۔ پھر اس نے چند اشعار پڑھے جس میں اپنے فیصلہ پر اِصرار اور آلِ زبیر سے رملہ کی وجہ سے محبت کا اقرار تھا۔

عورت کا مرد پر جس طرح کبھی غلط اَثر ہوتا ہے اسی طرح بسا اوقات اس کے اچھے اَثرات بھی ہوتے ہیں، اور ''عورت'' ہی مرد کو صحیح راستہ پر رکھنے کا سبب بھی بن جاتی ہے اور اپنے اچھے مشورے' اور کبھی اچھے اخلاق سے مرد کیلئے سہارا ثابت ہوتی ہے اور اسے نازک صورتِ حال سے بچا لیتی ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر اُمّ سلمہؓ کے مشورہ کی وجہ سے ایک بہت بڑا فتنہ ٹل گیا اور حضور اکرم ﷺ نے ان کی اِصابت رائے کو سراہا اور ان کے کہنے کے مطابق عمل فرمایا جس سے فتنہ یکسر دَب کر رہ گیا۔

قدیم زمانہ میں بھی جب رومن امپرر ''کلوڈیوس'' نے ''بیٹوس'' نامی شخص کو پھانسی کی سزا دی تو تختہ دار پر پہنچ کر ''بیٹوس'' آہ وزاری کرنے اور معافی مانگنے لگا، جب اس کی بیوی نے یہ منظر دیکھا تو اس پر یہ بات بے حد گراں گزری کہ وہ اس وقت بزدلی کا مظاہرہ کرے، چنانچہ وہ دوڑ کر جلاد کے پاس گئی اور خنجر لیکر اپنے سینہ میں آہستگی سے پیوست کیا اور خون بہتا ہوا منظر دکھلا کر اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ: گھبراؤ نہیں دیکھو اس سے کوئی تکلیف

نہیں ہوتی۔

عورتوں کی قوتِ تاثیر ہی کی وجہ سے جنگوں میں عورتوں کو لیجانے کا رِواج رہا ہے تاکہ وہ جنگ کرنے والوں کو بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے پر اُبھارتی رہیں۔

بعض عقلاء نے اسی لئے نصیحت کی ہے کہ اپنے لئے شریک حیات کے اختیار کرنے میں جلد بازی سے کام مت لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری شادی ہی تمہارے لئے موت کا پیغام بن جائے اور تقریب نکاح میں ہی تمہیں اپنے جنازے کی بو آنے لگے۔ اور جس طرح عورتیں مردوں پر اَثرانداز ہوتی ہیں اسی طرح مرد بھی عورتوں کی زندگی پر کافی اَثرانداز ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ:

النكاح رق فلينظر أحدكم أين يضع كريمته۔

(نکاح ایک طرح کی عبودیت اور غلامی ہے اس لئے ایک شخص کو اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ وہ اپنی لختِ جگر کو کہاں رکھ رہا ہے اور کس کے سپرد کر رہا ہے)

ایک ایسی لڑکی جو باپ کے گھر میں آزاد تھی، اس کی ہر خواہش اور ضرورت کی تکمیل کو ماں باپ اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے اَب وہ شوہر کے گھر میں آکر ایک طرح سے قید ہو جاتی ہے اور شوہر اسے اپنے گھر اور اپنے معاشرے کے لحاظ سے نئی زندگی کا خوگر بناتا ہے، اس لحاظ سے ماں باپ کے گھر اور شوہر کے گھر میں کافی فرق ہوا کرتا ہے، اور عورت کی زندگی بڑی حد تک اس کی قسمت سے آئندہ اچھی یا بری قرار پاتی ہے۔ لہٰذا اگر لڑکی کی قسمت سے اچھا شوہر مل گیا جو اس کی عزتِ نفس کا خیال رکھے تب تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی زندگی اَجیرن بن کر رہ جاتی ہے۔

نکاح کے رشتہ کیلئے اگر کوئی شخص مشورہ طلب کرے تو اسے صحیح مشورہ دینا چاہئے کیونکہ یہ کوئی وقتی نفع اور نقصان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ساری زندگی کا رشتہ ہے جسمیں مرد وعورت دونوں کو پوری سنجیدگی سے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد ہی رشتہ کو منظور یا

نامنظور کرنا چاہئے۔ اولیائے اُمور کی بھی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ محض مال کے لالچ میں لڑکے یا لڑکی میں مطلوب ضروری اخلاقی ودینی اَوصاف کونظر انداز نہ کریں۔

فاطمہ بنت قیس کا بیان ہے کہ: جب میری اپنے شوہرابوعَمرو مخزومی سے طلاق ہوگئی تو میں نے حضوراکرم ﷺ سے ذکر کیا کہ مجھے معاویہ بن ابی سفیان اورابوجہم بن ہشام دونوں کی طرف سے نکاح کا پیغام آیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

أما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه أو رجل ضراب للنساء أو أخاف عليک من شقشقته، و أما معاوية فرجل صعلوک لا مال له أو رجل ترب لا مال له۔

(ابوجہم کی لاٹھی اس کی گردن پر ہی رہتی ہے، یعنی وہ عورتوں کی بڑی پٹائی کرتا ہے اور مجھے اس کی شدت اورزباں درازی سے اندیشہ ہے۔ اور جہاں تک معاویہ کا معاملہ ہے تو وہ کنگال ہیں، اس کے پاس مال نہیں ہے۔ یا یہ کہ وہ بدحال آدمی ہے اس کے پاس مال ودولت نہیں ہے)

أنكحي أسامة بن زيد۔ (تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو)

چنانچہ انہوں نے اس مشورہ پر عمل کیا اور اس رشتۂ نکاح کو اللہ نے ان کیلئے خیر وبرکت کا ذریعہ بنادیا۔

اس سے اَندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تو یہ تھی کہ کسی کا عیب بیان نہیں فرمایا کرتے تھے لیکن معاملہ چونکہ نکاح اورایک عورت کے مستقبل کا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے حقیقت حال اس کے سامنے واضح فرمادی، اورمشورہ دینے والا چونکہ اَمین ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے جوصورتِ حال تھی اسے بے کم وکاست بیان فرمادیا اور اپنی طرف سے مناسب مشورہ بھی دیا۔

غرض یہ کہ ''مرد'' اور ''عورت'' ہی معاشرہ کی اَساس ہیں، اورانسانی فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں کے درمیان رشتہ کچھ ضابطوں کا پابند رہے تا کہ معاشرہ اخلاقی اَنارکی اور

جنسی آزادی کی لعنتوں سے پاک رہے۔

شریک زندگی کے اختیار کا ہر قوم میں الگ الگ معیار رہا ہے، بلکہ ہر شخص کی پسند ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ عام طور پر لوگ جمال کو بنیاد بناتے ہیں اور خوبصورتی یا ''جمال'' ہے بھی ایسی چیز جس کی طرف طبیعت راغب ہوتی ہے۔ شعراء اور اُدباء نے اور زیادہ حسن و جمال کی طرف لوگوں کے دلوں میں کشش کو بڑھا دیا ہے۔ عام طور پر حُسن اور جمال کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ پر مترادف استعمال ہوتے ہیں لیکن بعض نکتہ سنجوں نے دونوں کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے کہ ''حسن'' تو وہ ہے جو دل کو بھا جائے اور اچھا لگے، فی الواقع وہ اچھا ہو یا نہ ہو۔ اور ''جمال'' اعضائے جسم کے درمیان تناسب کا نام ہے کہ آنکھیں ناک، خدوخال، جسم کا طول وعرض ہر چیز میں پورا تناسب پایا جائے، اور ہر چیز اپنی جگہ پر فٹ نظر آئے۔

بہرکیف ''جمال'' ہی کچھ لوگوں کی نظروں میں انتخاب کا معیار ہوتا ہے حالانکہ ''جمال'' میں جس طرح عمر کے ایک خاص مرحلہ میں نکھار آتا ہے اسی طرح بتدریج اس میں کمی بھی ہونے لگتی ہے اور وہ پائیدار نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ اچھی سے اچھی شکل رکھنے والا انسان بھی اگر کسی بری لت میں مبتلا ہو یا اس میں بدزبانی کی خو ہو یا کوئی اور اخلاقی خرابی پائی جاتی ہو تو پھر اس کے ساتھ نباہ مشکل ہو جاتا ہے، اور صورت کی اچھائی اِس بات کی ضمانت ثابت نہیں ہوتی کہ رشتہ بھی پائیدار ہوگا۔

پھر صورت کی اچھائی کے ساتھ بسا اَوقات مزاج میں ایک طرح کی خود بینی اور ناز ونخرے کی خو پیدا ہو جاتی ہے، اور ناز ونخرے میں اضافہ کے ساتھ ہی اچھے اخلاقی اَوصاف میں کمی آنا شروع ہوتی ہے۔

اسی طرح بہت زیادہ اچھی شکل کبھی فتنہ اور آزمائش کا سبب بھی بن جاتی ہے اسی لئے عربی محاورے میں کہا جاتا ہے کہ:

من عنده زوجة جميلة يحتاج إلى أكثر من عينين۔ (یعنی) جس کے پاس خوبصورت شریک زندگی ہو اُسے دو سے زیادہ آنکھوں کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اس کی حفاظت اور نگہداشت کر سکے۔

اسی لئے محسنِ انسانیت ﷺ نے کوڑی دان پر اُگنے والی ہری گھاس کے فریب سے آگاہ کیا ہے کہ بداخلاقی کے ساتھ خوبصورتی کی مثال اس ہری گھاس کی طرح ہے جو گندی جگہ پر اُگا کرتی ہے۔

ہاں حُسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت بھی ہو تو یقیناً یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جو کسی کو حاصل ہو جاتی ہے۔

مال کا معاملہ بھی جمال سے کچھ مختلف نہیں ہے، ہو تو راحت ہوتی ہے لیکن وہ کب تک ساتھ دے اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، پھر شریک حیات کی اور انسان کی اپنی زندگی میں اگر مال کے معاملہ میں زیادہ ناہمواری ہو تو پھر وہ بھی اس کیلئے روز روز کے جھگڑے کا عنوان بن جاتی ہے، اور بسا اَوقات انسان کو سعادت کی زندگی میسر نہیں ہوتی۔

حسب ونسب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ اگر اچھے حسب ونسب کی اور مالی حیثیت سے خوش حال اور شکل وصورت کے لحاظ سے بے مثال ہونے کے ساتھ اخلاق بھی اچھے ہوں تو یقیناً یہ بڑی راحت ونعمت کی بات ہے لیکن بعض دفعہ اپنی اعلیٰ نسبی کا احساس بھی انسانی ذہن کا توازن بگاڑ دیا کرتا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ ؓ جب کوفہ کے گورنر بنائے گئے تو وہ ہند بنت نعمان کے گھر گئے جب کہ وہ اندھی ہو چکی تھی، اُس نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نکاح کا پیغام لیکر، تو ہند کہنے لگی کہ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ دنیا میں یہ کہتے پھرو کہ میں نے عرب کے سب سے شریف خاندان کی لڑکی کے ساتھ شادی کی ہے وَرنہ ایک اندھی عورت اور دوسرے کانے شخص کی باہم شادی سے کیا فائدہ؟

''ہند بنت نعمان'' کا شاہزادیوں اور عالی نسب عورتوں میں شمار ہوتا تھا، اس کے شوہر

عدی بن زید کو اس کے باپ نے قتل کرادیا تھا اس کے بعد سے اس نے رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی تھی اور اپنے لئے ایک عبادت خانہ تعمیر کرالیا تھا جہاں وہ مقیم رہا کرتی تھی۔

حضرت خالد بن ولید ﷛ نے جب "حیرہ" شہر کو فتح کیا تو اُسے اسلام کی دعوت دی تاکہ "راہبہ" کی زندگی بسر کرنے کے بجائے کسی مسلمان سے اس کا اِزدواجی رشتہ قائم کرادیں لیکن اس نے انکار کیا اور اپنی کبرسنی کی وجہ سے شادی نہ کرنے کے اپنے فیصلہ پر قائم رہی۔

وہ اپنے پچھلے شاہانہ عہد کو یاد کرکے کہتی ہے:

فبينا نسوس الناس والأمرأمرنا　　إذا نحن فيهم سوقة نتنصف

فتبا لدنيا لا يدوم نعيمها　　تقلب تارات بنا وتصرف

(کہاں تو ہم لوگوں کی قیادت کررہے تھے اور ہر چیز پر ہمارا حکم چلتا تھا، اور اَب حال یہ ہوگیا ہے کہ لوگوں کے درمیان ذلیل وخوار ہوکر پھر رہے ہیں۔ ایسی دنیا کا ستیاناس ہوجائے جس کی نعمتیں پائیدار نہیں ہوتیں ہیں اور جہاں ہمارے حالت میں اُلٹ پھیر ہوتا رہتا ہے)

وہ اپنے اُسی گرجا میں مقیم رہی جسے اس نے اپنے باپ کی کِسریٰ پرویز سے نجات کیلئے نذر کے طور پر تعمیر کرایا تھا۔

اگر مرد کی توجہ صرف ایسی عورت کے ساتھ رشتہ پر ہو جو کسی بڑے خاندان کی ہو اور اس کے دوسرے اَوصاف اور اخلاق وکردار پر نظر نہ ہو تو بسا اَوقات ساری زندگی مرد کو ذلت کی زندگی گزارنی پڑتی ہے، عورت کو اپنے حسب ونسب پر غرور ہوتا ہے اور مرد اس کی خاطرداری کیلئے ہر طرح کی ذلت برداشت کرتا رہتا ہے۔

بعض لوگوں کو زیادہ تعلیم یافتہ عورت کی جستجو ہوتی ہے، اور علم یقیناً ایسا زیور ہے جس سے عورت یا مرد کا آراستہ ہونا باعث فخر ہوا کرتا ہے لیکن اگر دیگر اخلاقی اَوصاف کو نظر انداز کیا جائے تو بھی گھر میں انسان کو سعادت کی زندگی میسر نہیں آتی اور بسا اَوقات زیادہ تعلیم یافتہ

عورت اپنی علمی تحقیقات اور میٹنگوں اور کانفرنسوں سے فارغ نہیں ہو پاتی کہ گھر یا شوہر کی طرف توجہ دے سکے، اس لئے اس معاملہ میں بھی انسان کو ہر پہلو سامنے رکھنے کے بعد ہی شریک حیات کا انتخاب کرنا چاہئے۔

کچھ لوگوں کو غیر ملکی اور خاص طور پر یورپ و امریکہ سے تعلق رکھنے والی خواتین پسند ہوتی ہیں۔ شریعت نے تمام انسانوں کو یکساں درجہ دیا ہے اور اہل کتاب کی لڑکیوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ بہت سی حکومتوں کا زوال عورتوں کی راہ سے آیا ہے' خاص طور پر اُندلس میں مسلمانوں کی حکمرانی ختم کرنے میں شاہی محل کی غیر مسلم خواتین کا بڑا رول رہا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اُندلس اور غرناطہ کی حکومتوں کو تباہ کرنے میں ''ثُریا'' نامی اسپینی عورت اور ''ایلونا'' نامی رومی خاتون جسے ''اُمّ عاصم'' کہا جاتا تھا، اسی طرح ''لمبیگیا'' نامی انگریز خاتون اور خلیفہ عبدالرحمن الناصر کی ماں ''ماریا'' جسے عرب ''مُزنہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں کا کتنا زبردست ہاتھ رہا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ خاندان سے لے کر معاشرہ تک اور ایک گھرانے سے لے کر پوری قوم تک خواتین کے غیر معمولی اَثر کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے آج بھی عورتوں کے بارے میں شاہِ مدینہ ﷺ کی ہدایتیں ہی صحیح معنوں میں رہنما اُصول کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان پر عمل کے ذریعہ ہی سعادت و راحت کی زندگی نصیب ہوسکتی ہے۔

ZZZZZ

پردہ-خواتین کی حفاظت کا وسیلہ

اسلام میں عورتوں کیلئے ''پردہ'' اور مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے ''نظر'' کے استعمال میں احتیاط کا مقصد دونوں کی آزادی سلب کرنا نہیں بلکہ دونوں کیلئے اندیشے سے پاک اور پُرامن ماحول فراہم کرنا ہے، اور اُن خطرات کو روکنا ہے جو آزادانہ ماحول میں پیش آتے رہتے ہیں، اور اُن جرائم کو کم کرنا ہے جن کا اَثر محض ایک مرد اور ایک عورت پر ہی نہیں ان سے وابستہ تمام ہی افرادِ خاندان پر ہوتا ہے۔

اسی لئے قرآن نے اِن اُمور کو محض عام آداب کے دائرے میں نہیں رکھا ہے بلکہ مردوں اور عورتوں دونوں کو ان کا پابند بنایا ہے۔ارشادِ باری ہے:

{وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلىٰ۔}

(سورہ الاحزاب / ۳۳)

(اور تم لوگ گھر میں ہی ٹھہری رہا کرو اور پہلی جاہلیت کی طرح عریانی کا مظاہرہ نہ کیا کرو)

یہ آیت اگرچہ حضور اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم تمام عورتوں کے لئے عام ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی اَزواجِ مطہرات کیلئے ان خطرات کا دُور دُور تک گمان نہیں تھا جو دوسری خواتین کو پیش آسکتے ہیں اور آتے رہتے ہیں۔

اس آیت کا اَثر اَزواجِ مطہرات پر اتنا پڑا کہ حضرت سودہؓ ساری عمر گھر سے باہر نہیں نکلیں۔

محمد بن سیرینؒ کا بیان ہے کہ:

نبئت أنه قيل لسودة: لم لا تحجين ولا تعتمرين، كما تفعل

أخواتک؟ فقالت: قد حججت واعتمرت، وأمرني اللّٰہ أن أقر في بيتي فواللّٰہ لن أخرج منه حتى أموت۔قال الراوي: فواللّٰہ ما خرجت من باب حجرتها حتى أخرجت بجنازتها۔ (تفسیر القرطبی ۱۸۰)

(حضرت سودہؓ سے کہا گیا کہ: آپ حج اور عمرے کیلئے کیوں نہیں جایا کرتی ہیں جس طرح کہ آپ کی دیگر بہنیں جایا کرتی ہیں، تو انہوں نے کہا کہ میں حج بھی کر چکی اور عمرہ بھی کر چکی، اور اَب اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھی رہوں لہذا خدا کی قسم میں اپنی موت تک اَب گھر سے نہیں نکلوں گی۔راوی کا بیان ہے کہ وہ واقعی اپنے کمرہ کے دروازے سے باہر کبھی نہ نکلیں، اُن کا جنازہ ہی گھر سے باہر لایا گیا)

امام احمدؒ نے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنی اَزواجِ مطہرات سے خطاب کر کے فرمایا کہ:

هذه ثم ظهور الحصر قال: فكن كلهن يحججن إلا زينب وسودة فقالت: واللّٰہ لا تحركنا دابة بعد أن سمعنا ذلک منه صلى اللّٰہ عليه وسلم۔ (الزرقانی علی المواهب ۳/۲۲۹)

(دیکھو یہ حج کا سفر ہے اس کے بعد گھر کی چٹائی پر ہی رہنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد دیگر اَزواج مطہرات حج کیا کرتی تھیں سوائے حضرت زینبؓ اور سودہؓ کے، جو کہتی تھیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد سننے کے بعد اَب ہم سواری پر نہیں بیٹھ سکتے)

حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا اہتمام کرنے کے بجائے اپنے گھر میں ہی نماز پڑھ لیا کریں یہ اُن کیلئے زیادہ بہتر ہے۔

اُمّ حُمید کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ:

یا رسول اللہ إني أحب الصلوة معک قال: قد علمت انک تحبین الصلاة معي وصلاتک في بیتک خیر من صلاتک في حجرتک وصلاتک في حجرتک خیر من صلاتک في دارک وصلاتک في دارک خیر من صلاتک في مسجد قومک وصلاتک في مسجد قومک خیر من صلاتک في مسجدی۔ (الترغیب والترھیب)

(اے رسول خدا ﷺ میں چاہتی ہوں کہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کروں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے معلوم ہے تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو لیکن تمہاری خواب گاہ میں نماز تمہارے کمرے میں نماز سے بہتر اور تمہارے کمرے میں تمہاری نماز تمہارے گھر میں نماز سے بہتر ہے اور تمہارے اپنے گھر کے قریب کی مسجد میں تمہاری نماز میری مسجد میں نماز سے افضل ہے)

حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سنکر اُنہوں نے حکم دیا کہ گھر کے بالکل اندرونی اور تاریک حصہ میں نماز کی جگہ بنادی جائے چنانچہ وہ تاحیات اسی میں نماز اَدا کرتی رہیں اور کبھی مسجد کا رُخ نہیں کیا۔

مشہور محدّث ابن خُزیمہؒ نے اس حدیث سے استدلال کر کے لکھا ہے کہ:

وفیه دلیل علی أن قول النبی صلی اللہ علیه وسلم: صلاۃ في مسجدی هذا أفضل من ألف صلاۃ فیما سواہ من المساجد۔ إنما أرید به صلاۃ الرجال دون صلاۃ النساء۔ (الترغیب والترھیب)

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالت میں مسجد نبویؐ کے بارے میں جو آیا

ہے کہ اس میں نماز دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک ہزار درجہ بہتر ہے اس سے مراد مردوں کی نمازیں ہیں، عورتیں اگر اس خیال سے کہ حضور ﷺ نے گھر کے اندر نماز کو افضل قرار دیا ہے گھر میں ہی نماز پڑھیں تو وہ اُن کے لئے افضل ہوگا۔

دوسرے علماء نے مسجد نبوی میں نماز کے ثواب میں سبھوں کو شریک قرار دیا ہے خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

ما صلت امرأة من صلاة أحب إلى الله من أشد مكان في بيتها ظلمة۔

(رواہ الطبرانی)

(عورت جو نماز گھر میں بھی انتہائی اندرونی اور تاریک حصہ میں اَدا کرتی ہے اللہ کو وہ زیادہ پسند ہے)

اسی طرح ابوداؤد کی روایت ہے کہ:

إن صلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها۔

(عورت کی خواب گاہ میں نماز گھر کے دوسرے حصوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے)

ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے مسجد میں اعتکاف کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت دیدی اور اُن کیلئے ایک علٰحدہ قبہ بنا دیا گیا، اس کو دیکھ کر حضرت حفصہؓ پھر حضرت زینبؓ سبھوں نے مسجد میں اپنے اپنے قبے بنوالئے اور پردے ڈال لئے۔ حضور اکرم ﷺ نے دیکھا تو ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور سارے گوشے ختم کر دیئے گئے۔

عورتوں کو گھر میں رہنے اور بلا ضرورت نہ نکلنے کی شریعت نے تلقین بے وجہ نہیں کی ہے بلکہ اس میں بے شمار فوائد اور مصلحتیں ہیں جن کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گھر میں رہنے میں ہر طرح کے شبہ سے حفاظت ہے، عام طور پر بازاروں' پارکوں' جلسے جلوسوں' سنیما ہالوں اور اسٹیشنوں اور ہوائی اڈوں پر عورتوں کو مردوں کا

سامنا کرنا پڑتا ہے اور بھیڑ بھار میں اُن سے مزاحمت کرنی پڑتی ہے، گھر میں رہنے میں اس طرح کی اُلجھنیں پیش نہیں آتیں۔

- گھر میں رہنے سے عورت شوہر کے حقوق اچھے طریقہ سے ادا کرسکتی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال بھی بہتر انداز میں کرسکتی ہے۔
- عورت اگر گھر کے اندر ہو تو شوہر کا دماغ وسوسوں سے پاک رہتا ہے اور اسے اپنی شریک حیات کے بارے میں فکر مند رہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔
- باہر کم نکلنے سے خود عورت کا دل بھی تشویش اور دماغی الجھن سے محفوظ رہتا ہے اور نئے لوگوں کو دیکھنے کے مواقع نہ ملنے کی وجہ سے شوہر سے لگاؤ میں اضافہ ہوتا ہے۔
- عورتوں کے کم نکلنے یا یکسوئی کے ساتھ گھر میں رہنے سے گھر کے اخراجات پر بھی کنٹرول رہتا ہے اور گھریلو بجٹ میں غیر ضروری اضافہ نہیں ہوتا کیونکہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے علاوہ محض زینت وآرائش کے سامان اسی صورت میں زیادہ خریدنے پڑتے ہیں جب عورت گھر سے زیادہ نکلنے کی خوگر ہوجائے، ایسی حالت میں ہر نئے فیشن کی چیز کو اکٹھا کرنے کا شوق بسا اوقات اسراف کی حد تک پہنچ جایا کرتا ہے اور دوسروں کو دیکھ کر اور اُن کے کپڑوں اور زیورات وغیرہ پر نظر پڑنے کے بعد عورت کو بعض دفعہ نفسیاتی الجھنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اور اپنے عیب کو چھپانے کیلئے طرح طرح کے جتن کرنے پڑتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ:

إن إمرأة من بني اسرائيل كانت قصيرة تمشي مع امرأتين طويلتين فاتخذت رجلين من خشب كالقيقاب المعروف وخاتما من ذهب وحشته مسكا فظهرت بين المرأتين فلم تعرف۔ (رواہ مسلم)

(بنی اسرائیل کی ایک عورت پستہ قد تھی اور وہ دو دراز قد عورتوں کے بیچ میں

چلا کرتی تھی چنانچہ اس نے اپنی نفسیاتی اُلجھن کو دُور کرنے کیلئے لکڑی کے اُونچے کھڑاؤں جیسے قدم بنوالئے، اور سونے کی ایک انگوٹھی بنوالی اور اس کو مشک سے بھر دیا اور اس طرح نکلی کہ کسی کے پہچان میں نہیں آتی تھی)

عورتوں کے بیرون خانہ کم نکلنے سے معاشرہ کو بہت سے فساد سے بچایا جاسکتا ہے، کیونکہ لوگوں سے ملاقاتیں' چھیڑ چھاڑ' تعلقات اور قصہ گوئی میں رات بسر کردینا ہی معاشرے کو بگاڑنے کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔

لیکن عورتیں گھر میں اسی وقت رہ سکتی ہیں جبکہ اُن پر گھریلو کام کا بوجھ ہو اور پڑھنے لکھنے کے ساتھ طاعت وعبادت کا بھی ذوق ہو، اسی کے ساتھ گھر میں اگر عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور اُس کیلئے ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہوں تو وہ گھر سے باہر قدم رکھنے کی کوشش نہیں کرے گی۔

مرد کو بھی اس بارے میں باعزیمت ہونا چاہیئے تاکہ عورتوں کی کوئی ضرورت پوری کرنے سے باز نہ رہے اور ساتھ ہی اُنہیں اچھی باتوں کا مشورہ بھی دیتا رہے۔

فقہاء نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

إن المرأة إذا عصت زوجها فخرجت من غير إذنه عدت ناشزا ويترتب على نشوزها سقوط حقها في النفقة۔

(موسوعۃ الأسرۃ ۲ / ۱۹۴)

(عورت اگر شوہر کے حکم کی خلاف وَرزی کرتے ہوئے باہر نکل جائے تو وہ نافرمان تصور کی جائے گی جس سے اس کے نان ونفقہ کا حق بھی ساقط ہوجائے گا)

لیکن ظاہر ہے یہ اسی صورت میں ہے جب شوہر خود بھی حقوق کی اَدائیگی میں کوتاہی نہ کرتا ہو۔

عورت کی بنیادی ذمہ داری گھریلو اُمور کی دیکھ بھال اور بچوں کی تربیت ہے۔ ایسی

عورتیں جو گھر سے باہر زندگی گزارنے کی خوگر اور عریانی کی دلدادہ ہوتی ہیں اُن کی توجہ گھریلو اُمور کی طرف قدرتی طور پر کم ہوتی ہے، بے پردگی کا اَثر گھریلو ذمہ داریوں اور شوہر کے حقوق کی ادائیگی پر بھی پڑتا ہے۔ اسی طرح وہ عورتیں جو ملازمتوں سے وابستہ ہوتی ہیں اُن کے لئے گھریلو تقاضوں اور پھر ملازمت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنا آسان نہیں ہوتا۔ مغربی ملکوں میں کام کرنے والی عورتوں کی بہتات ہے لیکن اُن کی بیشتر گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی شوہروں کو کرنی پڑتی ہے یا گھر بے ضابطگی کا شکار رہتا ہے۔

عورتوں کی بے پردگی سے نوجوانوں کی اخلاقی حالت بلکہ ان کی مردانہ خصوصیت اور ہمت و شجاعت پر منفی اثرات پڑتے ہیں' ان کی تعلیم مت اُثر ہوتی ہے، اور ایک طبقہ لباس وضع قطع سب میں دوسری صنف کو مت اُثر کرنے کیلئے اپنی مردانہ ہیئت کو بگاڑنے اور زنانہ خصوصیات اختیار کرنے میں لگا رہتا ہے جو یقیناً کسی قوم کیلئے ایک بڑا المیہ ہے۔ بے پردگی کے رواج سے گھریلو سعادت کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور غلط نگاہی' غلط وابستگی اور پھر غلط کاری تک بھی انسان کو لے جایا کرتی ہے۔

آج کی دنیا میں جدید وسائل نشر و اشاعت کی وجہ سے صرف عریاں تصویریں' اِباحیت پسند اَدب' غیر اخلاقی فلمیں ہی عام نہیں ہوئیں بلکہ اخلاقی اَنارکی عام ہوگئی ہے۔ غیر شرعی بچوں کی کھیپ ہر طرف نظر آنے لگی اور ایک شریف خاندان کیلئے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت مشکل ہوگئی ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ بے راہ روی کو روکنے کیلئے قانونی طاقت کے ساتھ وعظ و تلقین اور حکمت کے ساتھ اصلاح و دعوت کی راہ بھی کھلی رہنی چاہئے۔

حضور اکرم ﷺ کا اُسوہ خاص طور پر بیحد مؤثر ہے۔ روایتوں میں مذکور ہے کہ حج کے موقع پر مزدلفہ سے منیٰ تک فضل بن العباس ؓ آپ ﷺ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے یعنی آپ ﷺ کے رَدیف تھے، ایک خوبرو عورت نے آ کر حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، اس وقت فضل بن العباس ؓ کی نظریں بار بار اس خاتون کی طرف پھر رہی تھیں تو حضور اکرم

ﷺ نے اُن کے چہرے پر ہاتھ رکھدیا اور اُن کی گردن پھیر دی، جبکہ حضرت عمر بن الخطابؓ اس طرح کی حرکتوں پر ضرب لگانے اور کوڑے مارنے سے بھی دَریغ نہیں کرتے تھے۔

بعض عورتوں میں ڈھٹائی کا وصف ہوا کرتا ہے چنانچہ روایتوں میں ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ راہ سے گزر رہے تھے اور ایک عورت بیچ راستہ پر چلتی ہوئی نظر آئی تو آپ ﷺ نے اُسے نصیحت فرمائی کہ کنارے سے چلا کرو' وہ بجائے نصیحت پر عمل پیرا ہونے کے کہنے لگی کہ "راستہ بہت کشادہ ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

دعوھا فإنھا جبّارۃ۔ (اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ بڑی ڈھیٹ عورت ہے)

صورت حال کی اصلاح جہاں اہل اقتدار کی ذمہ داری ہے وہیں ماں باپ کی بھی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو ہاتھ میں بالوں کا ایک ٹکڑا لے رکھا تھا اور اعلان کر رہے تھے کہ:

إنما ھلکت بنو إسرائیل حین اتخذ ھذہ نساءھم۔

(بنی اسرائیل اس لئے تباہ ہوئے کہ اُن کی عورتوں نے اس طرح دوسرے کے بالوں کو فریب دینے کیلئے استعمال کرنے لگی تھیں)

فاطمیوں کے زمانہ میں اگر کوئی عورت سر کے بال یا جسم کے کسی حصہ کو کھولتی تھی تو اس کے شوہر سے تاوان لیا جاتا تھا۔

بہر صورت عورتوں کیلئے وضع قطع' چال ڈھال اور زیبائش و آرائش سب کے کچھ اُصول ہیں، اور اُن کی پابندی کرنے میں ہی اپنی راحت بھی ہے اور معاشرہ کی بھلائی بھی۔

آواز کا فتنہ

اس کائنات میں آدم علیہ السلام کے بعد حواء علیہا السلام دوسری انسانی تخلیق ہیں جن کو اللہ نے نہ تو براہِ راست آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے بنایا نہ جنوں کی طرح آگ سے پیدا کیا اور نہ فرشتوں کی طرح خالص نورانی مخلوق بنایا بلکہ اُن کی تخلیق کیلئے خود آدم علیہ السلام کے جسم کو ہی وسیلہ بنایا تا کہ دونوں میں اُنس اور باہمی یگانگت زیادہ رہے۔

پھر مرد و عورت دونوں میں پائیدار رشتہ برقرار رکھنے کیلئے ایک دوسرے کی طرف کشش اور میلان کا جذبہ اور جنسی تقاضا بھی رکھدیا گیا تا کہ خلافت اَرضی کے مقاصد پورے ہوسکیں اور مرد و عورت دونوں ہی نسلِ انسانی کی افزائش کا ذریعہ ہوں اور روئے زمین کی آبادکاری و تعمیر کی مہم میں یکسوئی کے ساتھ لگ سکیں۔

اسی حقیقت کا اظہار قرآن نے ان لفظوں میں کیا ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَاءً ـ}

(سورہ النساء ۱/)

(اے لوگو! اپنے اُس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جنس سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کا جوڑا بھی بنایا، پھر اُس نے ان دونوں سے بے شمار مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا)

عورت کی تخلیق چونکہ خود مرد کے ہی وجود سے عمل میں لائی گئی ہے اس لئے مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی اسی طرح احتیاج رہتی ہے جس طرح ایک جزء کو اپنے جسم کے دوسرے اَجزاء کی طرف ہوا کرتی ہے۔

قرآن کریم کی یہ تعبیر بھی کہ:

{هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔} (سورہ البقرہ ر ۱۸۷)

(وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کیلئے)

اسی حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے اور باہمی مناسبت اور یگانگت پر روشنی ڈالتی ہے۔

مرد وعورت کا یہ رشتہ ہی ہے جو دونوں کو دنیا کی آبادکاری اور تعمیر پر اُبھارتا ہے اور اِنہیں دونوں کے اشتراک سے تہذیبی جلوے سامنے آتے ہیں، اَب دونوں کے درمیان رشتہ جس حد تک متوازن رہے گا اور اس میں جسم ورُوح دونوں کے تقاضوں کی جس قدر رعایت رکھی جائے گی اسی قدر وہ تہذیب اچھی یا بُری اور کامیاب یا ناکام سمجھی جائے گی اور مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلق میں جب بھی ناہمواری پیدا ہوگی اور خالقِ کائنات کے بنائے ہوئے نظام سے جتنا انحراف ہوتا جائے گا اُتنا ہی تہذیبی سرگرمیاں انسانیت کیلئے وبالِ جان بنتی چلی جائیں گی۔

''مرد'' اور ''عورت'' دونوں ایک دوسرے کے لئے نعمت بھی بن سکتے ہیں اور آزمائش اور مصیبت بھی، اور قدیم زمانہ سے یہ قصے تو روزمرّہ کے حقائق رہے ہیں کہ ایک نہایت ہی دست گرفتہ اور بخیل شخص کسی عورت کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا سکتا ہے، اور ایک نہایت ہی بزدل انسان غیرمعمولی شجاعت کا مظاہرہ کرسکتا ہے اور اپنی جان تک بعض حالات میں قربان کرسکتا ہے، اسی طرح ایک انتہائی عقلمند اور باوقار شخص عورت کے دام میں پھنس کر نہایت ہی طفلانہ حرکتیں کرنے پر مجبور ہوسکتا ہے، تاریخ واَدب کی کتابیں اسطرح کے بے شمار واقعات سے لبریز ہیں۔ یزید بن عبدالملک کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق ''حبابہ'' نامی اپنی ایک باندی سے اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ کاروبارِ سلطنت پر اَثرانداز ہونے لگا، اور اس نے دَربار میں آنا چھوڑ دیا اور جب اُسے نصیحت کی گئی تو ایک دو دن اس پر اس کا اَثر رہا لیکن باندی نے چال چلی اور چند اشعار اسے ایسے سنوائے کہ پھر وہ اپنی پرانی روِش پر آ گیا۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ایک دن باغ میں ہنسی مذاق کے

دوران اس نے انگور کا ایک دانہ پھیکا جو اس باندی کے گلے میں پھنس گیا اور اسی کی وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا تو یزید نے تین دنوں تک اس کی تدفین بھی نہیں ہونے دی اور اُسے دیکھتا رہا اور دفن کرنے کے بعد پھر اس کا غم اتنا بڑھا کہ چند دنوں بعد قبر کھود کر اس کی لاش دوبارہ نکلوالی اور پورے ۱۷ دنوں تک پریشانی اور غم واندوہ میں رہنے کے بعد خود اس کا بھی انتقال ہو گیا۔

مغل حکمرانوں کے آخری عہد میں اور عالمگیر اور بہادر شاہ ظفر کے درمیانی عرصہ میں تخت وتاج کی تباہی میں جن عناصر کا دخل رہا ہے اس میں بنیادی طور پر مرد وعورت کے درمیان تعلقات کی ناہمواری بھی ہے کہ تخت وتاج کے مالک شخص کو بعض دفعہ رقّاصائیں دھکے دیکر باہر نکالا کرتی تھیں کہ تھوڑا سا وقت ملک وقوم کی خدمت کیلئے بھی صَرف کرلے، بالآخر تباہی آئی اور مغلیہ عہد حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

اسلام نے روزِ اوّل سے مرد وعورت دونوں کو اُن کے صحیح مقام پر رکھا ہے، اُن کے درمیان تعلقات کی حد بندی کی، ہر وہ چیز جو ایک کیلئے آرام دہ اور دوسری صنف کیلئے مضرت رساں اور آزمائش کا باعث ہو اس پر پابندی لگائی۔ پردے کا حکم دیا' فحش کلامی سے روکا' نظریں نیچی رکھنے کی تلقین کی' آواز کے زیروبم کی فتنہ سامانیوں سے چوکنا کیا اور معاشرے کو نہایت ہی اعلیٰ اور پاکیزہ اُصولوں پر تعمیر کرنے کی راہ بتلائی۔

شرعی حدود میں رہ کر مرد عورت کیلئے اور عورت مرد کیلئے دونوں ہی راحت وسکینت کا باعث ہوا کرتے ہیں، لیکن جب معاملہ شرعی حدود سے نکلتا ہے تو پھر ایک دوسرے کیلئے دنیا میں الجھن کا باعث بنتا اور آخرت میں بھی آزمائش اور عذاب کا سبب ہو جایا کرتا ہے۔ قرآن نے اسی لئے تنبیہ کی ہے کہ:

{اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝} (سورہ الزخرف/۶۷)

(جگری دوست اُس دن (قیامت میں) ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے اُن کے جو تقویٰ شعار تھے)

اچھی شکل کی طرح اچھی آواز بھی اللہ کا عطیہ ہے اور جس کو ملے اس کیلئے نعمت ہے، لیکن ہر نعمت آدمی کی ذرا سی بے احتیاطی سے مصیبت بن جایا کرتی ہے اور اسی میں انسان کی آزمائش بھی ہے کہ وہ محض وقتی لذّت اور فانی مسرّت کیلئے اپنی زندگی قربان کر دیتا ہے یا اُسے شرعی ضوابط کی پابندی کا خیال رہتا ہے جو نفس پر بسا اُوقات شاق ہونے کے باوجود اَبدی راحت اور دائمی آرام وسکون کی طرف لیجانے والی ہے۔

گفتگو یا باہم بات چیت ان وسائل میں سے ہے جن کے ذریعہ آدمی اپنی زندگی کی مشکلات کو حل کیا کرتا ہے اور مختلف مسائل میں مفاہمت کی صورت پیدا کر لیتا ہے۔

گفتگو جس طرح مرد اور مرد کے درمیان ہوتی ہے اُسی طرح مرد اور عورت کے درمیان بھی ہو سکتی ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ نہ تو ہر گفتگو کی اجازت دی جا سکتی ہے اور نہ ہر گفتگو سے روکا جا سکتا ہے۔

اجنبی مرد اور عورت کے درمیان گفتگو اگر کسی علمی یا عملی ضرورت سے ہو جیسے استاد اور شاگرد یا ڈاکٹر اور مریض کے درمیان گفتگو ہوا کرتی ہے تو اسے غلط نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔

لیکن ایسی گفتگو جس میں لوچ ہو اور جس سے ایک صنف دوسری صنف پر بجلی جیسا اُثر ڈالنے کی کوشش کرے، الفاظ کے زیر و بم اور گفتگو کے انداز سے فتنہ سامانی نمایاں ہو تو ایسی گفتگو پر پابندی لگانا معاشرے کو فتنہ سے اور اہل خانہ کو آزمائش سے محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہے۔

گفتگو کی نرمی اور لوچ کی وجہ سے نہ جانے کتنے گھر ویران ہوئے اور کتنے خانوادے اُجڑ گئے ہیں اور معاشرہ طرح طرح کی اجتماعی و اخلاقی پیچیدگیوں میں مبتلا ہوتا چلا گیا ہے۔

اللہ نے اسی لئے پہلے تو حضور اکرم ﷺ کی اَزواج مطہرات کو تلقین کی ہے کہ:

{يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ } (الاحزاب / ۳۲)

(اے نبی ﷺ کی بیویاں آپ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں لہذا تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بات میں لوچ پیدا نہ کریں جس سے بیمار دل والے شخص کو لالچ ہو، اور اچھی باتیں کیا کریں)

بعض عورتوں کی آواز میں چونکہ بلا کی اثر انگیزی ہوتی ہے جس کی تعبیر شاعر نے اس طرح کی ہے:

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

اسی لئے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اجنبی مردوں سے بات چیت کے دوران لوچ کے بجائے کسی قدر سختی و کرختگی کا وصف نمایاں ہونا چاہئے۔

آواز کا فتنہ انسان کو کہاں تک لیجاتا ہے اس سلسلہ کے تو بے شمار واقعات ہیں اُن میں ایک واقعہ مشہور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا بھی ہے کہ وہ ایک رات قصہ گوئی کی مجلس برپا کئے ہوئے تھا جب فارغ ہوا تو اس نے وضو کیلئے پانی طلب کیا ایک باندی پانی لیکر تو آئی لیکن جب اس نے اُسے ہاتھوں پر پانی اُنڈیلنے کو کہا تو اس نے نہیں سنا، دوسری اور تیسری بار کا اشارہ بھی اس نے نہیں سمجھا تو اُسے غصہ آیا اور اس نے صورت حال کا جائزہ لینا چاہا تو فوجی کیمپ کی طرف سے کسی گانے والے کی آواز آرہی تھی جو نہایت ہی خوش الحانی کے ساتھ غزل کے اشعار پڑھ رہا تھا اور باندی کے کان اس طرف لگے ہوئے تھے اس لئے بادشاہ کے اشاروں کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا اور اُسے اس وقت احساس ہوا جبکہ گانے والے کی آواز بند ہوگئی، بادشاہ نے غصہ میں آکر اگلے دن اُس گانے والے کو بلایا اور اُسے انتہائی عبرتناک سزا دی اور اس معاملہ میں کسی کی سفارش بھی نہیں سنی۔

غرض یہ کہ آواز کے فتنہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے شریعت نے گفتگو کے آداب طے کئے ہیں اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو نہ صرف عام گفتگو بلکہ تعلیم و تلقین کی راہ بھی کھلی

رکھی گئی ہے کہ عورتیں مردوں سے اور مرد عورتوں سے علم حاصل کریں چنانچہ عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک ہزار ہا ہزار عورتیں ایسی گزری ہیں جن سے مردوں نے حدیثیں روایت کی ہیں، مسائل پوچھے ہیں اور افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔

آواز کے فتنہ ہی کی وجہ سے شریعت نے عورتوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ نماز میں شریک ہوں اور امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس میں بھی فرق رکھا گیا ہے کہ مرد تو بلند آواز سے تسبیح کے کلمات کہے گا تاکہ امام کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ اُرکان کی ادائیگی میں ہونے والی چوک کا تدارک کرلے، لیکن عورتوں کیلئے آواز بلند کرنے کے بجائے صرف تالی بجا کر یا اس کے مشابہ ہیئت اختیار کر کے تنبیہ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں:

من نابه شيء في صلاته فليسبح وإنما التصفيق للنساء۔ (رواہ البخاری)

اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے لہجے یا لَے سے گانا گانا جس میں انسان کے جذبات کو بھڑکانے کا اَثر ہو نہ تو مردوں کیلئے جائز ہے اور نہ عورتوں کیلئے، عربی کا نابینا شاعر بشار بن بُرد اپنے بارے میں کہتا ہے:

يا قوم أذني لبعض الحي عاشقة

والأذن تعشق قبل العين أحيانا

(اے لوگو میرے کان بعض محلوں کے عاشق ہیں، اور یاد رکھو کہ کان کبھی آنکھوں سے پہلے ہی عشق میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں)

اور یہ بھی کہ:

وما تبصر العينان في موضع الهوى

ولا تسمع الأذنان إلا من القلب

(عشق کے ماحول میں آنکھیں اور کان سبھی دل سے دیکھا اور سنا کرتے ہیں)

عربی کے نابینا شاعر بشار بن بُرد نے آواز کے فتنہ کی اپنے اشعار کے ذریعہ خوب

ترجمانی کی ہے کہ شکل نہ دیکھنے کے باوجود محض آواز سننے سے اس پر کیا گزرتی ہے۔

مرد کے آواز میں فتنہ کا اندیشہ اس لئے نہیں ہوتا کہ اس میں طبعی طور پر خشونت اور کرختگی ہوتی ہے اس کے باجود اگر آواز کے زیر و بم یا جسم کی حرکات کے ذریعہ کوئی مرد گانے والا شخص اپنے گانے سے غلط اثر ڈالنے کی کوشش کرے یا گانے کے الفاظ ہی ایسے ہوں جن میں جذبات کو غلط طور پر برانگیختہ کرنے کی کوشش کی گئی ہو تو وہ عورتوں کے گانوں ہی کی طرح شرعاً ممنوع ہوں گے۔

باہم عورتوں اور مردوں کے درمیان سلام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بھی اسی طرح کا ضابطہ رکھا گیا ہے کہ اگر سلام کرنے یا جواب دینے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس سے مکمل طور پر پرہیز کیا جائے گا چنانچہ کسی اچھی شکل وصورت کی خاتون کو اگر کوئی شخص سلام کرے اور ایسی جگہ یا ماحول میں سلام کرے جہاں فتنہ کا گمان ہو تو اس کے ذمہ سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر اس کا یقین ہو تو جواب دینا جائز بھی نہیں ہے۔

لیکن سن رسیدہ عورتوں، اپنے خاندان کی عورتوں یا عورتوں کے عمومی مجمع کے سامنے گزرتے وقت سلام کرنا جائز بلکہ بعض حالتوں میں مستحسن ہے۔

حضرت اُمّ ہانیؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں فتح مکہ کے دن حاضر ہوئی اور حضرت فاطمہؓ پردہ کئے ہوئی تھیں اور آپ ﷺ غسل فرمارہے تھے تو میں نے سلام کیا۔ (رواہ مسلم)

عورتیں اگر کسی اجلاس، کلاس روم یا عمومی مجلس میں ہوں تو ان کو سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاء نے حضرت اُسماء بنت یزید کی روایت کو اَساس بنایا ہے جس میں ہے کہ:

إن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مرّ فی المسجد علی عصبۃ من النساء قعود فألوی بیدہ بالتسلیم۔ (رواہ احمد وابن ماجہ وابوداؤد والترمذی)

(حضور اکرم ﷺ مسجد میں عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو آپ نے ہاتھوں کے اشارے سے سلام فرمایا)

یہ واقعہ بھی حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ:

إن الصحابة كانوا ينصرفون من الجمعة فيمرون على عجوز في طريقهم فيسلمون عليها فتقدم لهم طعاما من أصول السلق والشعير۔ (رواہ البخاری)

(صحابہ کرامؓ جمعہ کی نماز پڑھ کر لوٹتے تو راستہ میں ایک بوڑھی اور سن رسیدہ خاتون کے پاس سے گزرتے اُن کو سلام کرتے اور وہ اُن کے لئے سبزی کی جڑوں اور جو سے کھانا تیار کرتی تھیں)

براہِ راست سلام کے جو احکام ہیں وہی احکام بالواسطہ سلام و پیام بھیجنے کے بھی ہیں۔ مشہور محدّث امام نوویؒ نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام تم کو سلام کہہ رہے ہیں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو سلام بھیجا جا سکتا ہے۔

تحریری مراسلت کا حکم بھی یہی ہے، اگر کسی دینی، اجتماعی یا ثقافتی موضوع پر سوال کرنا مقصود ہو تو اس کا جواب علمی حیثیت سے دینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں نقل کیا ہے کہ:

أن عائشة بنت طلحة كانت في حجر عائشة أم المؤمنين وكان الناس يكتبون إليها ويهدون واستشارت عائشة في ذلك فقالت لها: أجيبيهم على كتبهم وأثيبهم فكانت إذا لم تجد ما تثيبهم به أعطتها عائشة ما يساعدها على ذلك۔

(عائشہ بنت طلحہ حضرت عائشہؓ کی تربیت میں تھیں اور لوگ اُن سے مراسلت کیا کرتے تھے، ان کو تحفے بھیجتے تھے اور وہ جواب دیا کرتی تھیں۔

اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اجازت بھی لے لی تھی اور تحفہ تحائف میں وہ کبھی ان کی مدد بھی کیا کرتی تھیں)

اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ حضرت عائشہؓ اسی بات کی اجازت دے سکتی تھیں جو شرعاً دُرست ہو ورنہ وہ فوراً روک دیتیں اور سختی سے منع کر دیتیں۔

گفتگو اور مراسلت کا جب یہ حکم ہے تو مسکراہٹ یا آنکھوں اور ہاتھوں کے اشاروں کا کیا حکم ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ زبانی گفتگو کے مقابلہ میں آنکھوں کے اشارے زیادہ خطرناک ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح بے موقع مسکراہٹ کا وہ اَثر ہوتا ہے جو زبانی گفتگو کا نہیں ہوسکتا۔

وتعطلت لغة الكلام وخاطبت

عينىّ فى لغة الهوى عيناك

ہر زبان کے شعراء کے کلام میں آنکھوں کے اشاروں کی تاثیر کا جو ذکر آیا ہے اس کو دیکھ کر اُن کی خطرناکی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

غرض یہ کہ معاشرہ میں عورت ایک اہم کردار کا نام ہے، اور معاشرہ کی پاکیزگی مرد وعورت کے درمیان رشتہ کی پاکیزگی پر ہے۔ لہذا معاشرہ کو جتنا پاک رکھا جائے معاشرہ اُتنا ہی پُرسکون رہے گا اور حقیقی تہذیبی ترقی کا دَور دَورہ ہوگا۔

Z Z Z ZZ

پُنبہ وآتش کی یکجائی کا انجام

''پُنبہ وآتش'' کو یکجا رکھنے سے آتش زنی کا اندیشہ بیجا نہیں ہوا کرتا، شریعت نے اسی لئے مرد وعورت کو تنہائی میں ملنے سے منع کیا ہے جس کا مقصد نہ صرف عورت کی عفت وعصمت کی حفاظت ہے بلکہ کسی تیسرے شخص کی طرف سے بدگمانی کا بھی سدّ باب کرنا ہے۔ کیونکہ ایک شریف عورت کیلئے کسی کا انگلی اٹھانا موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوا کرتا ہے۔ اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں ایسی پاکیزگی کا دَور دَورہ رہے کہ کوئی دوسرے کے لئے دل آزاری کا باعث نہ بنے، نہ کسی کی طرف سے بدگمانی ہو اور نہ بدزبانی، اور خاص طور پر عورتوں کا آبگینۂ دل اتنا نازک ہوتا ہے کہ اس میں کسی طرح کا بال نہ آنے میں ہی معاشرہ کی بھلائی ہے۔

قرنِ اوّل میں شوہر و بیوی کے درمیان ایک دوسرے کے جذبات کا پاس ولحاظ کتنا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دن حضرت اَسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس ایک بدحال شخص آیا اور اس بات کی اجازت طلب کی کہ وہ ان کے گھر کی دیوار کے سایہ میں اپنا خانچہ لگانا چاہتا ہے تاکہ کچھ بیچ کر اپنا گزارا کرسکے، حضرت اَسماء بنت ابی بکرؓ نے براہِ راست اس شخص کو اجازت نہیں دی تاکہ اُن کے شوہر حضرت زبیر بن العوّامؓ ناراض نہ ہوجائیں لیکن اس شخص کی ناداری کا خیال کرتے ہوئے اُن کے دل نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اس شخص کیلئے اپنے مکان کے باہر حصول رزق کی راہ کو بند کردیں۔

چنانچہ اس شخص سے کہا کہ دیکھو اگر میں نے تم کو اجازت دیدی تو زبیرؓ اپنی شدّتِ غیرت کی وجہ سے تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گے اسلئے میں تم کو تدبیر سکھاتی ہوں جس سے تمہیں اجازت مل جائے گی اور وہ یہ ہے کہ جب میرے خاوند حضرت زبیرؓ آجائیں تو تم

اُن سے درخواست کرو اور میں کہوں گی کہ کیا تم کو مدینہ میں کوئی اور جگہ نہیں ملی تھی جہاں تم اپنی دکان لگاتے، صرف میرے گھر کی دیوار پر ہی تمہاری نظر لگی ہوئی ہے؟

چنانچہ اُس شخص نے آ کر حضرت زبیرؓ سے درخواست کی اور حضرت اَسماءؓ نے وہی بات دہرائی تو حضرت زبیرؓ کو رحم آ گیا اور اُس نادار شخص کو اجازت دینے کی خود ہی اپنی اَہلیہ سے سفارش کی اور تھوڑے ہی دنوں میں اس نے بہت سارا مال کمالیا۔

ظاہر ہے کہ خلوت میں ملاقات کی ممانعت اسی صورت میں ہے جبکہ تنہا اور اکیلی عورت ہو لیکن اگر دو سے زائد افراد ہوں اور اُن میں کوئی ایک عورت کا محرم ہو اور ایسے دوستوں کا جمگھٹا نہ ہو جو بے حیائی کی باتوں کے خوگر ہوں تو ایسی صورت میں اسے تنہائی کی ملاقات نہیں کہی جاسکتی۔

اسی طرح کسی سن رسیدہ خاتون سے ملاقات اور اس کی خدمت کیلئے اس کے پاس حاضری میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

امام مسلمؒ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت اُمِّ اَیمنؓ کے پاس گئے تا کہ اُن کو تسلی ہو لیکن ان دونوں کو دیکھ کر وہ رونے لگیں، انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ تو حضرت اُمِّ اَیمنؓ کہنے لگیں کہ: اسلئے نہیں رو رہی ہوں کہ حضور اکرم ﷺ رفیق اعلیٰ سے کیوں جا ملے، مجھے رونا اس بات پر آ رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آسمان سے وحی کا رشتہ منقطع ہو گیا ہے اَب کبھی بھی وحی نہیں آئے گی۔

کسی عام تقریب اور اجتماع میں شرعی ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورت و مرد کے اجتماع میں مضائقہ نہیں ہے، ممانعت وہیں ہے جہاں غلط فہمی کا امکان یا لوگوں کی بدظنی کا اندیشہ یا واقعی فتنہ میں پڑ جانے کا خوف ہو۔

بعض مواقع ایسے ہیں جہاں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے لیکن لوگ اُن میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ٹیوشن پڑھانے والے ٹیچر کے ساتھ تنہائی میں بے

حجابانہ ملاقات یا گھر کے نوکر اور چپراسی کے ساتھ بے تکلفی کا معاملہ اسے فتنہ سے خالی نہیں سمجھنا چاہیے، خواہ دونوں طرف سے کتنی ہی نیک نیتی اور اخلاص پر مبنی تعلقات کیوں نہ ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر عزیز مصر کی عورت کے فریفتہ ہو جانے اور آئے دن پیش آنے والے واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے تاکہ پاکیزہ رشتوں کی پاکیزگی مشتبہ نہ ہونے لگے۔

عربی اَدب کی کتابوں میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جنمیں اسطرح کی بے احتیاطیوں کے خطرناک نتائج کا ذکر کیا گیا ہے۔

خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں ایک دن اسحاق بن مسلم العقیلی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نہایت خوبرو نوجوان گزرا تو انہوں نے سوال کیا یہ آپ کا کونسا لڑکا ہے بڑا یا چھوٹا؟ تو خلیفہ نے کہا کہ یہ تو عورتوں کی خدمت پر مامور گھر کا نوکر ہے، تو اس نے کہا کہ یہ بات آپ نے کیوں فراموش کردی کہ اس کی خوبصورتی اور جسمانی تناسب کی وجہ سے عورتوں کی کشش آپ کے مقابلہ میں اس کی طرف زیادہ ہوگی، چنانچہ بادشاہ نے حرم خانہ میں اس کے داخلہ پر پابندی لگادی۔

عربی کے نامور اَدیب جاحظ نے لکھا ہے کہ ہند بنت حسن ایادیہ سے کسی نے پوچھا کہ تم ایسی شریف گھرانے کی خاتون ہو تو پھر ایک نوکر کے ساتھ غلط کام کا ارتکاب تم نے کیوں کیا؟ تو اُس نے برجستہ کہا کہ "یہ دراصل اندھیرے اور خلوت کی یکجائی اور تکیوں کے نزدیکی نے مجھے اِس انجام تک پہنچایا"۔

خادموں کا بھی حکم ڈرائیوروں اور دیگر کارگزاروں کا ہے، ظاہر ہے گھر کی تنہائی اور ہے اور راہ چلتے ہوئے کسی خوانچہ فروش، دکاندار یا صاحب پیشہ سے معاملہ کرنا قطعی الگ معاملہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ معصوم تھے، تمام مردوں اور عورتوں کیلئے باپ کی طرح تھے اس کے

باوجود آپ ﷺ احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے خیال کا بھی بروقت خاتمہ کردیا کرتے تھے۔

ایک شب آپ ﷺ حضرت صفیہؓ کے ساتھ تشریف لیجارہے تھے کہ دو آدمیوں پر نظر پڑی آپ ﷺ نے ان دونوں کو آواز دیکر فرمایا کہ یہ صفیہؓ ہیں، تو وہ دونوں کہنے لگے کہ اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ کے بارے میں غلط فہمی ہوسکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے۔

یا روایتوں میں آپ ﷺ کی تواضع کے ایسے نمونے بھی ملتے ہیں کہ:

إن امرأة فی عقلها شیٔ جاءت إلی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقالت یا رسول اللّٰہ إن لی إلیک حاجة فقال: یا أم فلان انظری أی السکک شئت حتی اقضی حاجتک فخلا معها فی بعض الطریق حتی فرغت من حاجتها۔

(ایک ایسی خاتون جن کی عقل میں کچھ خلل تھا آپ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ مجھے آپ ﷺ سے کچھ کام ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کی جس گلی میں چاہو میں تمہارے کام کیلئے آنے اور ملنے کیلئے تیار ہوں چنانچہ آپ ﷺ تشریف لے آئے اور اس کی حاجت روائی فرمائی)

حضور اکرم ﷺ کی حیثیت پیغمبر کی حیثیت سے باپ جیسی ہے اس لئے دعوت وتبلیغ کی مصلحت سے بہت سی چیزیں آپ کیلئے روا تھیں جو دوسروں کیلئے نہیں ہوسکتیں۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے اِس طرح کے واقعات خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی پیش آئے اور اُن لوگوں نے اسلامی تہذیب کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔

شریعت اِس سے بھی نہیں روکتی کہ اگر کسی مدد کی طالب خاتون پر نظر پڑے جو اپنے قافلہ سے بچھڑ گئی ہو اور اس کے بھٹک جانے کا اندیشہ ہو تو اسے منزل مقصود تک پہنچا دینے

میں آدمی اس کی مدد کرے، اس سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قصہ معروف ہے کہ پیچھے چھوٹ گئی تھیں اور قافلہ بے شعوری میں آگے بڑھ گیا تھا تو حضرت صفوان بن معطلؓ نے اپنی سواری پیش کی اور اُنہیں سوار کیا لیکن خود سواری سے اُتر کر ساتھ ساتھ پیدل چلتے رہے، اس کے باوجود اس واقعہ کو بعض بد باطنوں نے اُن کے خلاف فتنہ کی بنیاد بنالیا۔

عورتوں کی حفاظت وحمایت کا ایک بڑا وسیلہ ''پردہ'' ہے جس سے بعض دفعہ کچھ روشن خیالوں کو اُلجھن ہوتی ہے بلکہ خود مغربی تہذیب وتمدن کی دلدادہ بعض خواتین بھی اس پر چراغ پا ہونے لگتی ہیں، حالانکہ یہ اُن کو ہی بچانے کیلئے اور نظروں کی زد سے محفوظ رکھنے کیلئے ہے۔ مشہور شاعر اکبر الہ آبادی بڑی ہی سادگی اور پُرکاری کے ساتھ فرماتے ہیں:

لطیف رَہ نہیں سکتی جو زن ہے بے پردہ
سبب یہ ہے کہ نظروں کی مار پڑتی ہے

ہر قوم کی طرح خود عربوں میں بھی پردے کا رواج تھا اور شرعی احکام کے آنے سے پہلے بھی بعض عورتیں اپنے جسم کا ایک بڑا حصہ چھپایا کرتی تھیں۔ چنانچہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ انصار سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے ایک بازار سے گزریں تو ایک یہودی نے اُن کا چہرہ کھولنا چاہا لیکن انہوں نے انکار کردیا تو اس شخص نے اُن کے کپڑے کے پچھلے حصہ کو اس طرح باندھ دیا جس سے اُن کی ہیئت مضحکہ خیز بن گئی اور اُن کو خفت اٹھانی پڑی، اس واقعہ کی اطلاع جب حضور اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور اُسے اس عہد وپیمان کی خلاف ورزی قرار دی جو یہودیوں کے ساتھ طے پایا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس یہودی قبیلہ کے خلاف فوج کشی فرمائی اور یہودیوں کے شر سے معاشرہ کو پاک فرمایا۔

اسی طرح ایک دن منٰی کے مقام پر حضور اکرم ﷺ لوگوں کو دین حق کی دعوت دے رہے تھے اور مشرکین مکہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کررہے تھے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ ایک پیالہ میں پانی اور ایک ہاتھ میں رومال لئے ہوئے پہنچیں

اور پانی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ نے اُسے نوش فرمایا اور وضو کیا پھر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا تو حضرت زینبؓ اس وقت رو رہی تھیں اور مشرکین کے رویہ سے دل برداشتہ ہوگئی تھیں اور اس پریشانی کے عالم میں آپ کی گردن کا ایک حصہ کھل گیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

یا بنیة خمری علیک نحرک ولا تخافی علی أبیک عذبة ولا ذلا۔ (رواہ الطبرانی)

(بیٹی اپنے گلے پر کپڑے ڈال لو اور اپنے باپ کے بارے میں کسی طرح کی تکلیف یا تذلیل کا اندیشہ نہ کرو)

یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جبکہ حجاب سے متعلق احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ قرآن نے جہاں پردے کا حکم دیا ہے اس میں اس کی مصلحت بھی بیان کردی ہے کہ حجاب سے لوگ انہیں پہچان لیں گے تو پھر انہیں کوئی ستائے گا نہیں۔

حجاب کے ذریعہ ہی اُس وقت کے معاشرہ میں آزاد عورتوں اور باندیوں کی شناخت ہوا کرتی تھی، چنانچہ صحیح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ "حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ خیبر سے لوٹتے ہوئے حضرت صفیہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا تھا تو بعض لوگوں نے کہا کہ نہ معلوم آپ ﷺ نے اُن کو باندی بنایا ہے یا اُن سے شادی کرلی ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ دیکھنا اگر آپ ﷺ نے اُن سے پردہ کرایا تو اس بات کی علامت ہے کہ وہ ازواجِ مطہرات میں شامل ہوگئی ہیں، اور اگر پردہ نہیں کرایا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ آپ ﷺ نے اُنہیں باندی بنا کر رکھنا چاہا ہے۔ چنانچہ جب اُن کو اُونٹ پر سوار کیا تو پردہ کا انتظام فرمایا جس سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ نے اُنہیں اپنے نکاح میں لے لیا ہے۔

عام عورتوں اور مردوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنے زیب وزینت کا دوسروں کے سامنے اظہار نہ کریں۔

اَدبی سرگرمیوں میں خواتین کا حصہ

عربی زبان واَدب میں ''عورت'' کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس کا اگر جائزہ لیا جائے تو اَندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے شعر واَدب میں اس زمانہ کے معاشرہ اور سوسائٹی کی عکاسی کی گئی ہے، اور اسلام کی آمد کے بعد نقطۂ نظر میں یکساں تبدیلی ہوگئی اور عورت کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا، اور عورتوں میں تعلیم وثقافت کا رُجحان بھی بڑھا اور عورتیں نہ صرف تعلیم یافتہ ہونے لگیں بلکہ وہ اپنی ہم جنسوں اور خود مردوں کو بھی تعلیم دینے لگیں۔ اور بعض خواتین تو مختلف علوم وفنون میں اپنے وقت کی یکتائے روزگار بن گئیں۔

حَجاج بن یوسف الثقفی اپنی سخت گیری اور خوں آشامی میں مشہور ہے وہ اپنی چار بیویوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

عندی أربع نسوة: هند بنت المهلب وهند بنت أسماء وأم الجلاس بنت عبدالرحمن بن أسيد وأمة الله بنت عبد الرحمن بن جرير ۔ فأما ليلتي عند هند بنت المهلب فليلة فتى بين فتيان،يلعب و يلعبون وأما ليلتي عندهندبنت أسماءفليلةملك بين الملوك،وأماليلتي عندأم الجلاس فليلة أعرابي مع أعراب في حديثهم وأشعارهم، وأما ليلتي عند أمة الله بنت عبد الرحمن فليلة عالم بين العلماء والفقهاء۔ (العقد الفريد)

(میرے پاس چار بیویاں ہیں ان میں سے ایک کامل زنانہ خصوصیات کی حامل تو دوسری شاہزادی ہے، اور تیسری میں ''بدوؔ'' عورتوں کی پوری پوری

خصوصیات ہیں، اور چوتھی ایسی ہے جو مکمل عالمانہ اور فقیہانہ شان رکھتی ہے۔ چنانچہ میری ایک رات عیش و نشاط کی ہوتی ہے تو دوسری شاہانہ خصوصیات والی، اور تیسری صحرائی زندگی کی آئینہ دار اور چوتھی علم و دانش کے آغوش میں گزرتی ہے)

خاص طور پر بنواُمیہ اور بنوعباس کے عہدِ سلطنت میں تو آزاد عورتیں ہی نہیں باندیوں میں بھی علم وفضل کا زور ہو گیا تھا، اور اُن کو خاص طور پر شعر واَدب اور دوسرے علوم وفنون کی تعلیم دیجاتی تھی چنانچہ باندیاں شعر گوئی میں طاق اور پچھلے شعراء کے کلام کو یاد رکھنے میں بے مثال تھیں۔ اور خاص طور پر خلافت عباسیہ کا زمانہ تہذیب وثقافت اور مختلف علوم فنون میں ترقی اور عروج کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی خلافت کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ مشہور خلیفہ ھارون الرشید بادل سے خطاب کر کے کہا کرتا تھا کہ:

أمطري حيث شئت فإن خراجک سوف يصل إلي۔

(جہاں جی چاہے جا کر برسو، تمہارا خراج تو بہر صورت میرے پاس ہی آ کر رہے گا)

ایک طرف فتوحات میں وسعت اور عجمی علاقوں کے اسلامی قلمرو میں آنے کی وجہ سے غلاموں اور باندیوں کی معاشرہ میں کثرت تھی تو دوسری طرف وسائل زندگی کی فراوانی نے لوگوں میں عیش وعشرت کا ماحول پیدا کر دیا تھا، ساتھ ہی شرعی واَدبی علوم وفنون کی ہمہ جہت ترقی کے ساتھ روم و یونان کے علوم کے عربی زبان میں منتقل ہونے کی وجہ سے طرح طرح کے اَفکار ونظریات اور فرقوں اور جماعتوں کا ہر طرف دَور دَورہ ہونے لگا، اس طرح کے اجتماعی ماحول میں عورتوں کا کیا مقام تھا اس کی ایک جھلک شاہی محل کی خواتین خیزران، زبیدہ اور دوسری اَثر ورسوخ رکھنے والی عورتوں کی زندگی میں نظر آتی ہے تو دوسری طرف محل سرا میں پائی جانے والی باندیوں، مغنیاؤں اور ان کے بالمقابل مرّوجہ علوم وفنون' حدیث' فقہ اور اَدب وغیرہ میں کمال رکھنے والی عورتیں اس زمانہ کی تمدنی وتہذیبی ترقی کی

نمائندگی کرتی نظر آتی ہیں۔

اُصولی طور پر ایک طرف آزاد عورتیں تھیں اور دوسری طرف باندیاں لیکن یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ علم واَدب کا ذوق اتنا عام ہوگیا تھا کہ دونوں طبقوں کی خواتین میں ایک سے ایک نامور اور باکمال عورتیں پائی جاتی تھیں۔

المرأة فی حضارة العرب۔ (یعنی) عربی تہذیب وتمدن میں عورتوں کے مقام' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ:

أما بنات السراة والأغنياء فلم يوقف بهن الحد على تلقى مبادئ الدين وبعض الفنون المنزلية وإنما يتجاوزن إلى تعلم القراءة والموسيقى والآداب الإجتماعية ثم إلى اسرار اللغة وفروع البيان والمعانى والبديع وقرض الشعر والمنطق وغيرهامن العلوم والآداب۔ (ص ۱۵۰۔ملخصا)

(جہاں تک مالداروں اور اُونچے طبقہ کی لڑکیوں کی بات ہے تو انکی تعلیم صرف دین کی بنیادی باتوں اور اُمور خانہ داری تک محدود نہیں تھی، بلکہ وہ اعلیٰ تعلیم' اجتماعی اخلاق اور اَدب وموسیقی کے علاوہ زبان کی باریکیاں بلاغت اور بیان شعر گوئی منطق وغیرہ دیگر علوم بھی حاصل کیا کرتی تھیں)

چنانچہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں بغداد کی ۳۲ رایسی عورتوں کا ذکر کیا ہے جو غیر معمولی فضل وکمال کے زیور سے آراستہ تھیں جن میں ہارون الرشید کی ماں ''خیزران'' اور ''خدیجہ بنت محمد الشھجانیہ'' بھی شامل ہیں اور ان سبھوں کی دینی' علمی واَدبی اور اجتماعی خدمات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔اسی طرح ابن خلکان' ابن الجوزی' تنوخی' یافعی اور سیوطی وغیرہ نے بھی بے شمار عورتوں کے حالات قلمبند کئے ہیں جو علم واَدب میں امتیاز رکھتی تھیں۔ نیز ''الأغانی'' اور ''معجم الأدباء'' وغیرہ میں بھی بہت سی شاعر اور اَدیب عورتوں کا تذکرہ اوراُن کے کلام کے نمونے ملتے ہیں۔

اگر علم وفن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کچھ عورتیں دینی علوم یعنی حدیث وفقہ میں امتیاز رکھتی تھیں اور کچھ کو شعر واَدب کا اعلیٰ ذوق تھا، تو کچھ کو موسیقی اور گانوں میں امتیاز حاصل تھا۔

اسحٰق بن جعفر کی بیوی ''نفیسہ'' اتنی باکمال خاتون تھیں کہ ان سے اِمام شافعیؒ نے علم حاصل کیا تھا۔ اسی طرح ''اُمّ عمر الثقفیہ'' سے اِمام احمد بن حنبلؒ نے روایت کی ہے۔ اس طرح کی خواتین میں زینب بنت سلیمان، عبدہ بنت عبدالرحمن، سمانہ بنت حمدان انباریہ، اُمّ عیسیٰ بنت ابراھیم الحربی، اَمۃ الواحد بنت القاضی، کریمہ بنت احمد المروزی وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ کریمہ سے خطیب بغدادی نے پانچ دنوں میں پوری صحیح بخاری پڑھ لی تھی۔

جہاں تک اَدبی علوم میں کمال اور فکر ورائے میں امتیاز رکھنے والی اس عہد کی خواتین کا تعلق ہے تو ''خیزران'' غیر معمولی ذکاوت رکھنے والی اور دربارِ خلافت کو اَدبی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنانے والی خاتون تھی، اس کے پاس ملک کے طول وعرض سے اُدباء وشعراء آیا کرتے تھے اور وہ خود خلیفہ مہدی کو علمی اِداروں کے قیام اور امتیازی ذکاوت وذہانت رکھنے والے افراد کی حوصلہ افزائی پر اُبھارتی رہتی تھی اور اپنے بال بچوں کو علم واَدب کی تلقین کرتی رہتی تھی، خود اس نے اِمام اوزاعی جیسے باکمال شخص سے علم حاصل کیا تھا۔

اسی طرح خلیفہ ھارون الرشید کی بیوی ''زبیدہ'' اپنے علمی واَدبی ذوق اور اخلاق وعادات کے لحاظ سے غیر معمولی امتیاز رکھتی تھی، وہ غیر معمولی ذہین اور گہرا سوچ وفکر رکھنے والی خاتون تھی۔

عربی زبان کے نامور اَدیب جاحِظ نے اسے ھارون الرشید کیلئے ایک عظیم ترین خدائی عطیہ قرار دیا ہے۔ اس کو شاعری اور نثر نگاری دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، وہ برجستہ گو شاعرہ تھی۔ اس کے بہت سے اشعار اور حاضر جوابی اور ذہانت کے واقعات تاریخ واَدب کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس کے جگر گوشہ ''اَمین'' کے قتل کے بعد جب ''مامون الرشید'' خلیفہ بنا تو اس نے

مبارکپادی کا جو خط لکھا اسے پڑھ کر مأمون نے کہا کہ:

ما تلد النساء مثل هذه فماذا أبقت في هذا الكلام لبلغاء الرجال۔

(نھایۃ الأمر ۵ / ۷ / ۱۳)

(عورتیں ایسی باکمال خاتون کے پیدا کرنے سے عاجز ہیں، اس نے اس تحریر کے بعد اَدب وبلاغت کے ماہر مردوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے)

عباسی عہد کی خواتین میں عُلیّہ بنت المھدی بھی بڑی شہرت کی مالک تھی۔ایک طرف اُسے اللہ نے خوبصورتی اور جمال سے نوازا تھا تو دوسری طرف وہ اپنے وقت کی بلند پایہ شاعرہ اور اَدیبہ بھی تھی، اور مرثیہ گوئی' قصیدے اور غزل ہر صنف سخن میں اُسے دسترس حاصل تھی۔

غزل کا اس کا ایک شعر تو ٹھیک اسی طرح کا ہے جس طرح کا مولانا حسرت موہانی کا شعر ہے:

لیس یستحسن فی حکم الھویٰ　　عاشق یحسن تألیف الحجج

یعنی حسرت کے بقول:

ہم رضا شیوہ ہیں تاویل ستم خود کرلیں　　کیا ہوا اُن سے اگر بات بنائی نہ گئی

اسی طرح لیلیٰ بنت طریف کا شمار شہسواروں میں ہوتا ہے۔ وہ باقاعدہ فوجی لباس پہن کر معرکوں میں شرکت کیا کرتی تھی، خاص طور پر اپنے بھائی ولید بن طریف کے قتل ہوجانے کے بعد اس میں جرأت وبیباکی بہت بڑھ گئی تھی اور وہ ہر طرح کے خطرات کو انگیز کرنے کیلئے تیار رہا کرتی تھی۔

وہ مرثیہ کے اپنے ایک شعر میں ایک درخت کو خطاب کرکے کہتی ہے کہ کیا بات ہے کہ اَبتک تیرے پتے ہرے بھرے ہیں کیا تم کو میرے بھائی کے قتل ہوجانے کا غم نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میرے بھائی کے مرنے کی خبر سنتے ہی تیرے سارے پتے خشک

ہوکر گر جاتے۔

ظاہر ہے کہ یہ شاعرانہ خیال ہے جس کا نہ واقعہ سے تعلق ضروری ہے اور نہ شاعروں کی ہر مبالغہ آرائی دینی نقطۂ نظر سے صحیح ہوا کرتی ہے۔ قرآن نے خود ہی شاعروں کے ہر وادی میں بھٹکنے اور زمین وآسمان کے قلابے ملانے کا ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ''اُمّ القراطیس'' کے بارے میں کہا گیا ہے:

كانت أشعر أهل عصرها واعف النساء وأجملهن۔

(وہ اپنے زمانہ کی سب سے بڑی شاعرہ ہونے کے ساتھ عفت و پاکدامنی اور حُسن وجمال میں بھی سب سے ممتاز خاتون تھی)

خلیفہ مُعْتَضِدْ باللہ کی بیوی ''قَطْرُ النَّدیٰ'' ترکی النسل ہونے کے باوجود شعر واَدب کا اچھا ذوق رکھتی تھی اور اپنے محل میں علم وفضل میں امتیاز رکھنے والی خواتین کو جمع کر کے مجلسیں منعقد کیا کرتی تھی، جہاں مختلف علمی مسائل پر بحث ومباحثے ہوا کرتے تھے۔

اس زمانہ کی عورتوں میں ''اُمّ الشریف'' نامی خاتون بھی حکمت ودانائی اور سیاسی سوجھ بوجھ میں بڑا اِمتیاز رکھتی تھی۔ خلیفۂ وقت سے اس کے بھائی کا ٹکراؤ رہا کرتا تھا چنانچہ وہ بھائی کو دانشمندی سے کام لینے کی تلقین کیا کرتی تھی اور اسے دوستوں کی بے وفائی اور ساتھ دینے والوں کی خیانت سے چوکنا رہنے کی اپنے اشعار میں نصیحت کیا کرتی تھی۔

یہ تو آزاد عورتوں کا حال تھا، اُس زمانہ کی تہذیبی ترقی کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ ''باندیاں'' جو مکمل طور پر اپنے آقا کے تصرف میں ہوا کرتی ہیں کہ وہ جب چاہے انہیں بیچ ڈالے اور کسی اور کے حوالہ کردے، اُن باندیوں میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک باکمال ہوا کرتی تھیں جو شعر واَدب اور گانے بجانے کی ہی ماہر نہیں ہوا کرتی تھیں بلکہ اُنمیں بڑی بڑی عالمائیں بھی ہوا کرتی تھیں، گوکہ ان کی دلچسپیوں کا زیادہ میدان شعر واَدب کے ساتھ گانا اور بجانا ہی تھا، اور نخّاسہ بازاروں میں خریدار شعر واَدب سے دلچسپی اور گانے بجانے پر قدرت اور مہارت کا ہی امتحان لیا کرتے تھے، اور اس زمانہ کی عیش وطرب کی مجلسوں میں

بھی اَدب عالی کا معیار برقرار تھا اور باندیاں محض عام گانے والیاں ہی نہیں ہوا کرتی تھیں بلکہ برجستہ گوئی کی شاعرانہ صلاحیت بھی ان میں ہوا کرتی تھی۔

اسلام نے غلام و باندی بنانے کے رِواج کا بڑی خوش اُسلوبی سے خاتمہ کیا، چنانچہ جوں جوں اسلامی قلمرو میں اضافہ ہوتا گیا، باندی اور غلام آزاد ہوتے گئے، اور پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ وہی کل کے غلام حکومتوں کے مالک بنے اور بہت سی باندیاں شرعی علوم میں کمال حاصل کرکے دنیا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے لگیں۔

حاصل یہ ہے کہ معاشرہ میں عورت کا مقام یوں تو ہر زمانہ میں نمایاں رہا ہے لیکن خاص طور پر عباسیوں کے عہد میں تو عربی تہذیب وتمدن کا ایک اہم ستون عورتیں ہی تھیں، اور آزاد عورتوں کے ساتھ باندیاں بھی تہذیب وثقافت کی علمبردار تھیں، اور اَدبی سرگرمیوں میں وہ مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں تھیں۔

f f f ff

عورتوں کی زباں آوری

فصاحت و بلاغت عربوں کا امتیاز رہا ہے اور مردوں ہی کی طرح عورتوں میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک زباں آور اور فصیح و بلیغ خواتین گزری ہیں۔ بعض کو زبان و بیان پر اتنی قدرت تھی کہ ہر جملہ قافیہ اور سجع کے ساتھ اَدا ہوتا تھا، اسی طرح کی ایک خاتون صدوف بنت حُلیس نامی گزری ہے۔ جب اُس کے پاس نکاح کا پیغام آتا تو وہ کہتی تھی کہ اسی شخص سے شادی کروں گی جو میرے تمام سوالات کا جواب دے سکے، چنانچہ حُمران نامی ایک شخص آیا اور کھڑا رہا جبکہ اس سے پہلے جتنے لوگ آئے سب اس کی اجازت کے بغیر ہی بیٹھ جایا کرتے تھے، تو اس نے سوال کیا کہ:

مامنعک من الجلوس؟ (تم کو بیٹھنے سے کس چیز نے روکا؟)

اس نے کہا کہ: ہم اس وقت تک نہیں بیٹھتے جب تک ہمیں اس کی اجازت نہیں مل جاتی۔ تو اس نے پوچھا کہ: **هل عليک أمر؟** (آخر ایسا کیوں؟) کیا تم پر کسی کا حکم چلتا ہے؟

اس نے کہا کہ:

رب المنزل أحق بفنائه، ورب الماء أحق بسقائه، وكل له ما في وعائه۔

(صاحبِ خانہ اپنے صحن کا خود ہی مالک ہوا کرتا، اور پانی کا مالک ہی اس سے سیرابی کا حق رکھتا ہے، اور ہر شخص کے اپنے برتن میں جو کچھ ہو اس کا وہی مالک ہوا کرتا ہے)

تو پھر اس عورت نے اجازت دیتے ہوئے کہا کہ: **إجلس** (بیٹھ جاؤ) تو وہ بیٹھ

گیا۔عورت نے دریافت کیا کہ کیوں آئے ہو؟

تو اس نے کہا کہ:

ضرورت سے آیا ہوں، وہ کہنے لگی کہ اپنی ضرورت کا اظہار کروگے یا اسے صیغۂ راز میں رکھوگے؟ تو اس نے کہا کہ: میری ضرورت ایسی ہے جو خفیہ بھی اور ظاہر بھی ہے۔ اُس نے پھر کہا کہ آخر وہ ضرورت ہے کیا؟ تو کہنے لگا کہ:

قضاء هاهين، وأمرها بين، وأنت بها أخبر۔

(میری ضرورت کا پورا کرنا آسان، اور اس معاملہ کو سمجھنا بھی مشکل نہیں ہے، اورتم کو اِس کا اندازہ ہو بھی گیا ہے کہ میں کیوں آیا ہوں؟)

پھر اُس نے کہا کہ: نہیں کھل کر بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

تو اُس نے کہا کہ:

قد عرضت وإن شئت بينت۔

(کہ میں نے اشارۃً تو کہہ ہی دیا ہے لیکن چاہتی ہو تو کھل کر بھی کہہ سکتا ہوں)

پھر اس نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

اس نے کہا کہ:

أنا بشر ولدت صغيرا ونشأت كبيرا ورأيت كثيرا۔

(میں انسان ہوں، چھوٹا پیدا ہوا تھا اَب بڑا ہوگیا ہوں اور بہت سی چیزیں دیکھ چکا ہوں)

اس نے کہا کہ تمہارا نام کیا ہے؟)

تو جواب میں آنے والے شخص نے کہا کہ:

من شاء أحدث إسما وقال ظلما ولم يكن الإسم عليه حتما۔

(اپنا نام تو کوئی کچھ بھی بتا سکتا ہے اور غلط بیانی سے کام لے سکتا ہے، یہ بھی ضروری نہیں ہے جو بتائے وہی اس کا نام بھی ہو)

تو وہ بولی کہ: تمہارے والد کون ہیں؟

اس نے کہا:

والدی الذی ولدنی و والدہ جدی فلم یعش بعدی۔

(میرا باپ وہ ہے جس سے میں پیدا ہوا، جو اس کا باپ تھا وہ میرا دادا ہوگا، جو میرے آنے کے بعد زندہ نہیں رہا)

وہ بولی کہ: تمہارے پاس مال وجائیداد کتنی ہے؟

تو اس نے کہا کہ:

بعضہ ورثتہ وأکثرہ اکتسبتہ۔

(جو کچھ بھی ہے اس میں سے بعض مجھے ورثہ میں ملا ہے اور اس کا بڑا حصہ میں نے خود کما کر جمع کیا ہے)

پھر اُس نے پوچھا کہ تم آخر ہو کون؟

اُس نے کہا کہ:

من بشر کثیر عددہ' معروف ولدہ' قلیل صعدہ' یفنیہ أبدہ۔

(میں بہت سے انسانوں میں سے ایک ہوں، اور معروف ہوں، میری آرزوئیں تھوڑی ہیں اور دائمی زندگی تو کسی کی بھی نہیں ہے)

اُس عورت نے پھر پوچھا کہ تمہارے باپ نے آخر تمہارے لئے کونسی دولت چھوڑی ہے؟

اُس نے کہا کہ: عالی ہمتی۔

عورت نے پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو؟

تو اس نے کہا کہ:

علی بساط واسع فی بلد شاسع قریبہ بعید وبعیدہ قریب۔

(کشادہ فرش پر جو پھیلے ہوئے ملک میں واقع ہے جس کا دُور قریب اور

قریب دُور ہے)
اس نے پوچھا کہ تم کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو یا تمہاری قومیت کیا ہے؟
تو اُس نے کہا کہ:
الذی انتمی إلیهم و أجنی علیهم و ولدت لدیهم۔
(میری قوم وہی ہے جس کی طرف میں اپنی نسبت کرتا ہوں، اور اس پر بسا اَوقات زیادتی بھی کرتا ہوں، اور اسی کے درمیان میں پیدا بھی ہوا ہوں)
پھر اُس عورت نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس پہلے سے کوئی بیوی ہے؟
اس نے کہا کہ:
لو کانت لی لم أطلب غیرها و لم أضیع خیرها۔
(اگر ہوتی تو میں اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں ڈھونڈتا اور نہ اس کی اچھائیوں سے دستبردار ہوتا)
یہ سنکر عورت نے کہا کہ: ایسا لگتا ہے کہ تم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اور تم خواہ مخواہ کیلئے میرے پاس آ گئے ہو۔
تو وہ بولا کہ:
لو لم تکن لی حاجة لم أنخ ببابک فلم أتعرض لجوابک و أتعلق بأسبابک۔
(اگر مجھے ضرورت نہ ہوتی تو میں تمہارے دروازہ پر کبھی نہیں آتا اور نہ تمہاری باتوں کا جواب دیتا اور نہ تم سے کوئی اُمید وابستہ کرتا)
اپنے سارے سوالات کا جواب سنکر اُس عورت نے کہا کہ: ایسا لگتا ہے کہ تم حُمران بن اَقرع جعدی ہو؟
اس نے کہا کہ: ہاں لوگ یہی کہتے ہیں۔

چنانچہ عورت نے اس کے ساتھ شادی منظور کر لی اور وہ اس کی شریک حیات بن گئی۔
بظاہر تو یہ معمولی بات چیت ہے لیکن عرب قبائل کی زندگی اور بدو عورتوں اور مردوں کے مزاج واَنداز سے جو لوگ واقف ہیں اُنہیں اس گفتگو میں بے ساختگی، ایک طرح کی سادگی بلکہ اُجڈ پن اور پھر اپنی بات کہنے پر غیر معمولی قدرت، اور گفتگو سے دوسرے کے مزاج وانداز اور معاشرتی سطح کا اندازہ لگانے کی غیر معمولی صلاحیت کا پتہ لگے گا۔

- زباں آوری اور فصاحت وبلاغت سے آراستہ خواتین میں ایک نام اُمّ البنین بنت عبدالعزیز کا بھی آتا ہے یہ مروان بن الحکم کی پوتی تھی، وہ اپنے محل کی باندیوں کو جمع کر کے ان کے سامنے دلچسپی کی باتیں کیا کرتی تھی، انہیں اچھے کپڑے پہناتی' اچھا کھانا کھلاتی' انعامات سے نوازتی پھر کہتی تھی کہ ہر شخص کی کچھ نہ کچھ دلچسپیاں ہوا کرتی ہیں میری دلچسپی اللہ تعالیٰ نے دادودہش میں رکھدی ہے۔ وہ کہا کرتی تھی کہ:

والله الصلة والمؤاساة أحب إلى من الطعام على الجوع ومن الشراب البارد على الظمأ۔

(خدا کی قسم لوگوں کے ساتھ غم خواری اور عطاء وبخشش کا معاملہ مجھے انتہائی بھوک کی حالت میں کھانے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پسند ہے)

اُسے کسی نے یہ اطلاع دی کہ مشہور زمانہ ظالم وسنگدل حجاج بن یوسف نے بادشاہ سے عورتوں کے بارے میں کہا ہے کہ:

يا أمير المؤمنين دع عنك مفاكهة النساء بزخرف القول فانما المرأة ريحانه وليست بقهرمانة فلا تطلعهن على سرک ولا تطمعهن في غير أنفسهن ولا تشغلهن بأكثر من زينتهن وإياک ومشاورتهن فإن رأيهن إلى أفن وعزمهن إلى وهن۔

(امیر المؤمنین عورتوں کی دلچسپ اور چکنی چپڑی باتوں میں نہ آیئے، عورتیں

پھولوں کی طرح ہیں وہ عزم وہمت کی مالک نہیں ہوا کرتیں لہذا اُن سے اپنی راز کی باتیں نہ کہا کیجئے، اور اُن سے جسمانی لذت کے علاوہ کوئی اور اُمید نہ رکھئے، اور اُن کو زینت وآرائش کی چیزوں کے علاوہ کوئی کام نہ دیا کیجئے، اور اُن سے کبھی کسی معاملہ میں مشورہ نہ لیجئے کیونکہ انکی رائیں نامناسب اوران کے اِرادے کمزور ہوا کرتے ہیں)

چونکہ یہ جملے حجّاج نے اُم البنین کی طرف سے حجاج پر تنقید کے پیشِ نظر ہی کہے تھے اسلئے انہوں نے امیر المؤمنین خلیفہ ولید بن عبد الملک سے کہا کہ ذرا حجاج کو میرے پاس سلام کرنے کیلئے بھیج دو، چنانچہ حکم کی تعمیل میں وہ آ گیا اور دَروازہ سے سلام کیا تو دیر تک اُمّ البنین نے اُسے باہر کھڑا رکھا اور کافی وقت گزر جانے کے بعد جب اِجازت دی تو بھی اسے بیٹھنے کا موقع نہیں دیا بلکہ اسے کھڑا ہی رکھا، پھر اس سے خطاب کر کے کہا کہ:

أما واللّٰہ لولا ان اللّٰہ جعلک أھون خلقه ما ابتلاک برمی الکعبة ولا بقتل ابن ذات النطاقین' أول مولود فی الإسلام بعد الھجرۃ۔

(خدا کی قسم اگر تم اللہ کی سب سے ذلیل ترین مخلوق نہ ہوتے تو خانہ کعبہ پر حملہ کرنے اور اَسماءؓ کے بیٹے جو ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے والے مسلمان بچے تھے ان کو قتل کرنے کی آزمائش میں تم کو مبتلا نہیں کرتے)

پھر اسے خطاب کر کے اس کی مذمت میں کہے گئے اشعار پڑھے جس کا حاصل یہ ہے کہ:

أسد علي وفي الحروب نعامة   فتخاء تنفر من صفير الصافر
هلا برزت إلى غزالة في الوغى   بل كان قلبک في جناحي طائر
صدعت غزالة قلبه بفوارس   تركت مناظره كامس الدابر

(ہمارے سامنے تو شیر بنتا ہے لیکن جنگ میں شتر مرغ کی طرح ہے، سیٹی کی آواز سنکر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اگر تم میں بہادری تھی تو غزالہ نامی خارجی خاتون کے مقابلہ میں کیوں نہیں ڈٹا اور بزدلی دکھا کر کیوں بھاگا؟ غزالہ نے ایسی بہادری کا

مظاہرہ کیا کہ اپنے مقابل کو گزرے ہوئے کل کی طرح بے نام ونشان بنا دیا)

حجاج کی مجبوری تھی کہ خلیفہ وقت کے کہنے پر شاہی خاندان کی ایک زباں آور خاتون کی تلخ باتیں سنتا رہا اور خاموشی اختیار کئے رہا، پھر جو کچھ گزری تھی خلیفہ کو جا کر سنایا۔

اُمّ البنین ایک خاتون ہی تھی لیکن ایک طرف اس میں غیر معمولی قدرت کلام تھی اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے جملے بڑے فصیح وبلیغ ہوا کرتے تھے۔ دوسری طرف اس میں جود وسخا اور داد ودہش کے اَوصاف بھی تھے جن کی وجہ سے وہ معاشرہ میں بڑا امتیاز رکھتی تھی۔

k k k kk

زباں آور اور دانشمند خواتین

''عورت'' مرد ہی کی طرح ایک انسانی وجود ہے جو ذہنی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عطا کی ہیں وہ عورتوں کو بھی عطا کی ہیں، چنانچہ عورتیں بھی مردوں ہی کی طرح کسی بھی علم وفن کی ماہر ہوسکتی ہیں اور دنیا کو اپنے ذہنی کمالات اور علمی تخلیقات سے منور کرسکتی ہیں، چنانچہ عورتوں میں باکمال عالمات بھی گزری ہیں اور شعروادب میں مہارت رکھنے والی نامور مصنفہ اور شاعرہ اور اَدیبہ بھی گزری ہیں۔

اسی طرح جود وسخاوت، ہمت وشجاعت اور مروّت وشرافت جیسے اخلاقی اوصاف کی حامل عورتیں بھی تاریخ میں بے شمار گزری ہیں جن کا نام آج بھی عظمت واحترام سے لیا جاتا ہے۔

قدیم انسانی تاریخ کی نامور خواتین میں ملکہ سبا یا ملکہ بلقیس کا نام مذہبی کتابوں کے علاوہ شعراء اور اُدباء کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ اسی طرح حاتم طائی کا نام جود وسخاوت میں اتنا مشہور ہے کہ اس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرلی ہے، لیکن حاتم طائی کے بعد اس کی بیٹی بھی اس اخلاقی وصف میں اپنے باپ سے کسی طرح پیچھے نہیں تھی، چنانچہ باپ کے دیئے ہوئے مال کو جب بیٹی نے خرچ کرنا اور اس میں دادِ سخاوت دینا شروع کیا تو حاتم طائی کو کہنا پڑا کہ:

یا بنیة ان الکریمین إذا اجتمعا فی المال أتلفاه فاما أن أعطی أنا وتمسکی وأما ان أمسک وتعطی فانه لا یبقی علی هذا شئ فقالت: واللّٰہ لا أمسک أبدا وقال أبوها: وواللّٰہ لا أمسک أبدا۔

قالت: فلا نتجاور فقاسما ماله وبانا۔

(بیٹی، اگر ایک ہی مال کو دو سخی ملکر خرچ کرنے لگیں گے تو اُسے ختم کر کے رکھ دیں گے لہٰذا یا تو میں دوں اور تم باز رہو یا تم دو اور میں باز رہوں، تو بیٹی نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو داد و دِہش سے باز نہیں رہ سکتی، تو باپ نے کہا کہ خدا کی قسم میں بھی لوگوں کو دینے سے باز نہیں رہ سکتا، تو بیٹی نے کہا کہ پھر ہم دونوں ایک جگہ نہ رہیں چنانچہ دونوں نے مال کو تقسیم کر لیا اور الگ الگ ہو گئے)

اسی طرح قدیم جاہلیت کے زمانہ میں کبشہ بنت معد یکرب وعفرا بنت عِقال نیز دَختوس بنت لقیط وغیرہ کے نام مشہور ہیں، جبکہ وفاداری اور بلند اخلاق میں فُکیہہ بنت قتادہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح غیرت وخودداری میں عَمرو بن کلثوم کی والدہ کا نام لیا جاتا ہے جس کا ذکر عربی اَدب کی کتابوں میں تفصیل سے آتا ہے اور عَمرو بن کلثوم وہ نامور شاعر ہے جس کا قصیدہ اُن قصائد میں شمار کیا جاتا ہے جن کو خانہ کعبہ پر لٹکایا گیا تھا، اور اسی مناسبت سے مُعلّقات کہا جاتا ہے۔

اسی طرح فصاحت وبلاغت اور زباں آوری میں ھند بنت الخُس کا نام لیا جاتا ہے جو نامور مقررہ اور خطیبہ تھی اور جس کی ذکاوت اور حاضر جوابی کی بہت سی مثالیں تاریخ واَدب کی کتابوں میں مذکور ہیں، اسی طرح فاطمہ بنت الخرشَب نامی خاتون بھی زباں آوری اور فصاحت میں مشہور تھیں چنانچہ اُن کے بہت سے جملے اَدبی شہ پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں اپنے ایک بیٹے کے بارے میں کہتی ہیں:

لاینام لیلۃ یخاف ولا یشبع لیلۃ یضاف۔

(ڈر سے رات بھر سوتا نہیں ہے اور ضیافت میں کبھی اس کا پیٹ بھرتا نہیں)

اور دوسرے بیٹے کے بارے میں کہتی ہیں:

لاتعد مآثرہ ولایخشی فی الجھل بوادرہ۔

(اس کے کمالات بے شمار ہیں اور اس کی طرف سے کسی طرح کی نادانی کا

خطرہ بھی نہیں ہے)

جبکہ تیسرے بیٹے کے بارے میں کہتی ہیں:

إذا عزم أمضى، وإذا سئل أرضى وإذا قدر أغضى۔

(اگر وہ عزم کرلے تو پورا کرتا ہے، اور اگر اس سے مانگا جائے تو وہ خوش کردیتا ہے، اور اس کا غلبہ ہوجائے تو چشم پوشی سے کام لیتا ہے)

اس طرح کے اُن کے بے شمار اَدبی شہ پارے ہیں جو اَدب عربی کا جزء سمجھے جاتے ہیں اور جن کو اُدباء اور انشاء پرداز اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔

شعر و اَدب کی دنیا میں عورتوں کی مہارت کا یہ حال تھا کہ مشہور شاعر اُبو نواس فخریہ کہا کرتا تھا کہ مجھے ساٹھ سے زائد خاتون شاعرات کے قصائد یاد ہیں۔ لیلیٰ اَخیلیہ، خَرقاء اور جلیلہ بنت مُرّہ کے علاوہ مشہور شاعر طَرفہ بن العبد کی ماں شریک بہن خَرنَق بنت بدر وغیرہ اس زمانہ کی باکمال شاعرات گزری ہیں۔

زندگی کے مختلف میدانوں میں عورتوں کے نمایاں مقام حاصل کرنے کے باوجود ذہنوں میں عورتوں کے بارے میں ایسے غلط تصورات موجود تھے کہ ان کو پیدا ہوتے ہی بعض سنگدل باپ زندہ دَرگور کردیا کرتے تھے اور بچی کی پیدائش کو اپنے خاندان اور قبیلہ کیلئے شرم و عار کا باعث سمجھتے تھے۔

قرآن نے اسی حقیقت کی تعبیر ان لفظوں میں کی ہے:

{وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۞ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ، أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُوْنٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞} (سورہ النحل / ۵۸-۵۹)

(اور جب اُن میں سے کسی کو بچی کی پیدائش کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور سخت گھٹن میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس خبر کی وجہ سے وہ قوم کی نگاہوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اُسے ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا مٹی

میں چھپادے، وہ لوگ نہایت ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں)

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بچوں کے مقابلہ میں بچی کی پیدائش پر اُس جاہلانہ ردّعمل اور غیر انسانی طریقِ کار اختیار کرنے کے باوجود ماں کے احترام سے ان اہل جاہلیت کے ذہن بھی خالی نہیں تھے، چنانچہ اُن کے یہاں رِواج یہ تھا کہ ماں کی وفات پر تو ایک دوسرے سے تعزیت کرتے تھے لیکن بیوی اور بہن وغیرہ کی وفات پر تعزیت کا رِواج نہیں تھا۔

''ماں'' پر فخر کرنے کا عام رواج تھا اور ''ماں'' کے ساتھ گستاخانہ رویّہ کو وہ دل سے برا سمجھتے تھے، اور اگر کسی کی توہین کا اِرادہ کرتے تو اس کی ماں کو ہی طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے تھے اور القاب میں بھی ان میں سے، بہت سے لوگ ماں کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔

جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ غلامی کا رواج عام تھا اور غلاموں اور باندیوں کی خرید وفروخت روز مرّہ کی زندگی تھی اسلئے آزاد عورتوں کو باعزت سمجھنا اور باندیوں کو حقیر اور کم حیثیت سمجھنے کا رِواج بھی عام تھا۔

اسلام نے آکر انسانوں کے درمیان اس فرق کو مٹانے کیلئے ایک طرف تو غلاموں کی آزادی کو مستقل عبادت قرار دیا اور بہت سی غلطیوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی کو قرار دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ:

لا يقولن أحدكم عبدي وأمتي كلكم عبيد الله وكل نساء كم أماء الله ولكن ليقل غلامي وجاريتي وفتاي وفتاتي۔ (رواہ مسلم)

(تم میں سے کوئی شخص میرا بندہ اور میری بندی کا لفظ استعمال نہ کرے، تم سب کے سب اللہ کے بندے اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ اگر کہنا ہی ہو تو میرا غلام اور میری نوکرانی، یا میرا نوجوان اور میری لڑکی وغیرہ کے الفاظ استعمال کرے)

حاصل یہ کہ اسلام نے معاشرہ میں عورتوں کے مقام کو ہر لحاظ سے بلند کیا ہے اور

عورتوں کو مردوں کی طرح عام انسانی حقوق دلوائے ہیں، میراث میں اُن کے لئے حصے رکھے اور عورتوں کے بارے میں عام لوگوں کے تصورات کی اصلاح کی، اور زندہ دَرگور کرنے کو حرام قرار دیا، اس کی پیدائش پر خوش ہونے کی تلقین کی اور بیوی کی حیثیت سے عورت کے ساتھ مودّت و رحمت کا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی اور مرد و عورت کے وجود کو قدرت کی نشانیوں میں شمار کیا اور ان کیلئے معاشرے میں عزت و احترام کا ماحول پیدا کیا ہے۔
چنانچہ ایک طرف تو اُمّ المؤمنین خدیجہؓ پہلی ایمان لانے والی خاتون ہیں، عائشہؓ ہزاروں حدیثوں کی راوی ہیں، فاطمۃ الزہراءؓ جگر گوشۂ رسول ہیں اور بڑا بلند مقام رکھتی ہیں تو دوسری طرف سَکینہ بنت الحسینؓ اور عائشہ بنت طلحہؓ غیر معمولی بلند پایہ اَدیبہ اور شاعرہ گزری ہیں جن کا مقابلہ اس زمانہ کے بڑے بڑے اُدباء اور شعراء بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اَرْ ویٰ بنت الحارث بھی فصاحت و بلاغت اور جرأت و شجاعت میں اپنے زمانہ کی نامور خاتون گزری ہیں جنہوں نے حضرت معاویہؓ اور عَمرو بن العاصؓ جیسے نامور زباں آوروں کو بھی اپنے دلائل سے لاجواب کر دیا تھا۔

حضرت خَنْساءؓ کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور آج بھی یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مرثیہ گوئی میں عربی اَدب کے سارے لٹریچر میں آج بھی حضرت خنساءؓ کا کوئی جواب نہیں ہے اور وہ اس صنفِ سخن میں غیر معمولی برتری اور سبقت رکھتی ہیں۔

انہوں نے اپنے بھائی صَخر کو اپنی شاعری سے زندگی بخش دی ہے کہ عرب کا ایک ''بدو'' جسے سوائے اِس کے اور کوئی کمال حاصل نہیں تھا کہ وہ خنساء جیسی بے پناہ اور عظیم شاعرہ کا بھائی ہے، آج اس کا نام لینے پر عربی زبان واَدب کا دلداہ اور خاص طور پر مرثیہ گوئی سے دلچسپی رکھنے والا ہر اِسکالر مجبور ہے۔

شعر وسخن کے میدان سے نکل کر اگر معرکۂ کارزار میں عورتوں کی شجاعت و بہادری کا اندازہ کرنا چاہیں تو خَوْلہ بنت الاَزْوَر کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جب ''صحورا'' کے معرکہ میں نازک وقت آیا اور کچھ عورتیں رومیوں کے قبضہ میں آ گئیں تو انہوں نے اُن کی غیرت کو

للکارا اور کوئی ہتھیار پاس نہیں تھا اسلئے خیمے کے ستونوں کے ذریعہ حملہ آور ہوئیں اور اُن خواتین کو رُومیوں کے پنجہ سے آزاد کرالیا اور بہادرانہ جذبات پر مبنی اشعار پڑھتے ہوئے اور رُومیوں کو للکارتے ہوئے معرکہ سے کامیاب لوٹیں۔

اسی طرح اَزْ دَہ بنت الحارث بھی میدان جنگ میں بے پناہ دادِ شجاعت دینے والی خاتون تھیں اور کامیابی سے ہمکنار ہوئیں اور زنانہ مجبوریوں کے باوجود دل کی مضبوطی اور بے خوفی سے دشمنوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔

مشہور زمانہ سخت گیر اور خونریز حکمراں حَجّاج بن یوسف ثقفی اپنی ہر طرح کی خوفنا کی اور سخت گیری کی شہرت رکھنے کے باوجود غزالہ الحروریہ نامی خاتون کے مقابلہ میں ایک طاقتور لشکر ساتھ ہونے کے باوجود نہیں ٹِک سکا چنانچہ بعض عرب شعراء نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے مقابلہ میں تو شیر بنا ہوا ہے لیکن معرکہ میں 'شُتر مرغ'' بن جاتا ہے اور معمولی سی آواز اور اسلحہ کی جھنکار سنکر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، آخر تم نے غزالہ کا مقابلہ کیوں نہیں کیا اور بزدلی دکھلا کر بھاگ نکلے اور غزالہ کے مختصر سے لشکر کا ذکر سنتے ہی تمہارا لشکر جرّار گزشتہ کل کی طرح روپوش ہو گیا، جبکہ کہا جاتا ہے کہ ''غزالہ'' کے ساتھ صرف چالیس شہسوار تھے جبکہ حجّاج بن یوسف ثقفی کا لشکر چار ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

اَسماءؓ بنت یزید بن السکن ا ل اَنصاریہؓ کو ''عورتوں کی خطیب'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے عورتوں کے حقوق اور علمی وثقافتی تقاضوں کو زور وقوت کے ساتھ انہوں نے خود حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رکھا اور انکی باتیں سنکر پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے بھی ان کی خوش سلیقگی؛ فصاحت وبلاغت اور اپنے مسئلہ کو زور وقوت کے ساتھ پیش کرنے کی داد دی اور اپنے ساتھیوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ:

هل سمعتم بمقالة امرأة قط أحسن من مسائلها فى أمر دينها من هذه؟ فقالوا: يارسول اللهﷺ ماظننا ان امرأة تهتدى إلى مثل هذا۔

(کیا تم نے اَب سے پہلے کسی عورت کو اپنے مسائل اس سے اچھے طریقہ پر پیش کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ تو انہوں نے بالاتفاق کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک عورت اس طرح گفتگو کرسکتی ہے اوراس میں اتنا سلیقہ ہوسکتا ہے)

اَسماءؓ بنت یزید نے عورتوں کی ترجمانی کرتے ہوئے جو بات خدمت نبوی میں رکھی تھی وہ یہ تھی:

بأبي أنت وأمي یا رسول اللّٰہ أنا وافدۃ النساء إلیک، إن اللّٰہ عزوجل بعثک إلی الرجال والنساء کافۃ فآمنا بک وبإلٰھک۔ وأنا معشر النساء محصورات مقصورات قواعد بیوتکم ومقتضی شھواتکم وحاملات أولادکم وانکم معشر الرجال فضلتم علینا فی الجمع والجماعات وعیادۃ المرضیٰ وشھود الجنائز والحج بعد الحج وأفضل من ذلک الجھاد فی سبیل اللّٰہ عزوجل، وان الرجل منکم إذا خرج حاجا أو مجاھدا حفظنا لکم أموالکم وغزلنا لکم أثوابکم وربینا لکم أولادکم أفلا نشارککم فی ھذا الأجر؟

(اے رسولِ خدا ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت مردوں اور عورتوں سب کی طرف کی ہے چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے رب پر۔ ہم عورتوں کی جماعت گھروں کی چہار دیواری میں بند اور گھریلو اُمور کی دیکھ بھال پر مامور ہیں، اور مردوں کی خواہشات کی تکمیل کرنا اوران کے بچوں کا بار اٹھانا ہمارا کام ہے، اور مردوں کو ہم پر جمعہ اور جماعت میں شرکت کی فضیلت، بیماروں کی عیادت اور جنازہ میں شرکت، پھر بار بار حج کرنے کی سعادت حاصل ہے، اوراس سے بھی بڑھ کر

اللہ کی راہ میں جہاد میں شرکت کا موقع ملا ہوا ہے، اور جب مرد حج یا جہاد کیلئے
جاتا ہے تو اس کے مال کی حفاظت، اس کے کپڑوں کی تیاری اور بچوں کی
تربیت کا کام ہم عورتوں ہی کو کرنا پڑتا ہے تو کیا ہم لوگ مَردوں کے ساتھ اَجر
میں شریک نہیں ہوں گے؟)

اس سوال پر حضور اکرم ﷺ نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور صحابہؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ جس خوش سلیقگی سے اس خاتون نے سوال کیا ہے کیا تم لوگوں نے اِس طرح کا سوال کسی اور سے سنا ہے؟ اور سبھوں نے باتفاق عرض کیا کہ ہمارا تو گمان بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اس سے اچھے انداز پہ سوال کیا جاسکتا ہے۔

اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورتیں اگر دینی اُمور کی طرف توجہ دیں تو اُن میں بھی کیسا کمال حاصل کر سکتی ہیں، اور فصاحت اور زباں آوری میں بھی بہت سے مردوں سے سبقت لے جاسکتی ہیں۔

k k k kk

زباندانی اور دانشمندی کے کرشمے

''عقل ودانش'' مرد وعورت دونوں کیلئے سرمایۂ امتیاز ہے، دانشمند ''مرد'' ہو یا ''عورت'' معاشرہ میں اس کا مقام نمایاں رہتا ہے۔

اسی طرح بولتا تو ہر شخص ہے لیکن جس کو ''گویائی'' پر خصوصی قدرت دی گئی ہو اور اچھی سمجھ کے ساتھ زبان وبیان پر دسترس بھی اسے حاصل ہو تو وہ معاشرہ میں اپنا نمایاں مقام بنا لیتا ہے اور اپنی زبان دانی کی وجہ سے خود کو بہت سی مشکلات میں پڑنے سے بچا لیتا ہے۔

آیئے دو خواتین کی زندگیوں کی ایک ایک جھلک دیکھنے کی ہم کوشش کرتے ہیں جنمیں سے ایک کو قدرت نے شعر گوئی کا ملکہ اور زبان وبیان کی قدرت عطا کی تھی اور دوسری خاتون کا تعلق ایک بدوی معاشرہ سے تھا اور قبائلی رسم ورواج کی بندھنوں میں اس کی پرورش ہوئی تھی، لیکن قدرت نے اسے ''عقل ودانش'' سے نوازا تھا جس نے اسے گھریلو زندگی میں سعادت عطا کی اور اس کی وجہ سے ایک طویل قبائلی جنگ کا بھی خاتمہ ہوا۔

حَجاج بن یوسف ثقفی جو اپنی بربریت اور خوں آشامی میں غیر معمولی شہرت رکھتا ہے، ایک دن وہ اپنے دَربار میں بیٹھا ہوا تھا کہ دَربان نے آکر اطلاع دی کہ دروازہ پر ایک خاتون ہے جو ملنا چاہتی ہے حجاج نے کہا کہ اُسے بلالو، جب وہ خاتون اندر آئی اور حجاج کی نظر اس پر پڑی تو حجاج نے اپنا سر جھکا لیا اور اپنی ٹھوڑی بالکل زمین سے قریب کرلی۔

وہ خاتون بڑی ہی سن رسیدہ اور مہذب وشائستہ تھیں اُن کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں۔حجاج نے تعارف کرانے کیلئے کہا تو انہوں نے اپنا باقاعدہ تعارف کرایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ لیلیٰ الاَخیلیہ ہیں جو بڑی ہی نامور خاتون تھیں اور ان کی زندگی کے ساتھ

بھی لیلیٰ مجنوں جیسی ایک داستان وابستہ ہے۔

حجاج نے دَریافت کیا کہ کیوں آئی ہیں؟ تو انہوں نے بڑی فصاحت وبلاغت کے ساتھ کہا کہ:

اختلاف النجوم وقلة الغيوم، وكلب البرد وشدة الجهد، وكنت لنا بعد الله الرفد۔

(ستاروں کی گردش اور بادلوں کی کمی، پھر سردی کی شدت اور بدحالی نے یہاں آنے پر مجبور کردیا، اور یہ اُمید کہ اللہ تعالیٰ کے بعد اس وقت تم ہی مددگار ہوسکتے ہو)

حجاج نے کہا کہ اچھا بتلاؤ کہ ''فجاج'' کے کیا معنی ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اس سے مراد راستے اور وادیاں ہیں، پھر کہنے لگیں کہ:

راستوں اور وادیوں میں اس وقت دھول اُڑ رہی ہے، جانوروں کے ٹھکانے خشک سالی کی وجہ سے ویران ہوگئے ہیں، بال بچے والے سخت بدحالی کا شکار ہیں اور فقروفاقہ نے لوگوں کو ہلاک کر کے رکھدیا ہے، اور اُونٹوں کے چھوٹے اور بڑے بچے بھی اَب لوگوں کے پاس باقی نہیں رہ گئے۔

پھر انہوں نے حجاج کی شان میں ایک زوردار قصیدہ پڑھا جس کو سنکر وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم جب سے میں عراق آیا ہوں میرے اَوصاف کو اس کے علاوہ کسی اور نے آج تک سمجھا ہی نہیں، اور نہ میری تعریف میں کسی نے ایسا قصیدہ کہا ہے۔

حجاج نے خادم کو بلا کر کہا کہ لے جاؤ اور إقطع لسانها (اس کی زبان کاٹ ڈالو) اُس نے اِس کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے واقعتاً اس کی زبان کاٹ ڈالنے کی تیاری شروع کردی۔

لیلیٰ نے چیخ کر کہا کہ بدبخت تم نے حجاج کی بات سمجھی نہیں ''زبان کاٹنے'' کا لفظ استعمال کر کے اس نے تمہیں اس بات کا اِشارہ کیا ہے کہ تم اپنی داد ودہش سے اس کا منہ اس

طرح بھر دو کہ اس کی زبان بند ہو جائے۔ حجاج نے یہ سنکر خادم پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور خادم کی کج فہمی پر خود اس کی زبان کاٹ ڈالنے کا اِرادہ کرلیا اور اسے سخت سرزنش کی۔

لیلیٰ نے حَجاج کو ایک اور قصیدہ سنایا اور اپنی غیر معمولی فصاحت و بلاغت، خوش الحانی اور برجستہ گوئی سے حاضرین کو مسحور کرلیا۔ حجاج نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بیک آواز کہا کہ: ہم نے تو آج تک اس خاتون سے زیادہ زباں آور، اور فصاحت و بلاغت میں یکتا اور شاعری میں بے مثال نہ کسی مرد کو دیکھا نہ عورت کو۔

حَجاج نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ لیلیٰ اَخیلیہ ہیں، ''توبہ'' نامی شخص ان پر ہی فریفتہ تھا جس کی داستانیں مشہور ہیں، اور جس کے عشقیہ اشعار اور غزلوں سے ایک دنیا آشنا ہے۔

حَجاج نے لیلیٰ سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو کیا عطیہ دوں؟ اس نے کہا کہ تم زیادہ بہتر جانتے ہو کہ ایسے موقعوں پر بادشاہانِ وقت کس طرح کے عطیوں سے لوگوں کو نوازا کرتے ہیں۔

حَجّاج نے کہا کہ: اچھا چلو میں نے تم کو ۲۰/ دیئے۔

لیلیٰ نے کہا کہ: یہ عطیہ تو آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

حَجّاج نے کہا کہ: اچھا ۴۰/ دیئے۔

لیلیٰ نے کہا کہ: ۴۰/ بھی مکمل عدد نہیں ہے۔

حَجّاج نے کہا کہ: اچھا چلو میں نے تم کو ۸۰/ دیئے۔

لیلیٰ نے کہا کہ: تمہارے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ اسے پورا کرو۔

حَجّاج نے کہا کہ: ٹھیک ہے میں نے تم کو ۱۰۰/ دیئے مگر یاد رکھنا کہ ۱۰۰/ بکریاں اس سے مراد ہیں۔

لیلیٰ نے کہا کہ: تمہاری سخاوت کی داستانیں اتنی مشہور ہیں کہ تمہیں یہ بات زیب نہیں

دیتی کہ تم ۱۰۰ ربکریاں مجھے بطور عطیہ دو، آخر لوگ کیا کہیں گے؟

حجّاج نے کہا کہ: آخر تم چاہتی کیا ہو؟

لیلیٰ نے کہا کہ: ۱۰۰ ر اُونٹ چرواہوں سمیت۔

چنانچہ حجّاج نے لیلیٰ کو ۱۰۰ ر اُونٹ چرواہوں کے ساتھ دیکر رُخصت کیا۔

حجّاج جیسے سخت گیر انسان کو داد و دہش پر مجبور کر دینے والی چیز صرف لیلیٰ کی فصاحت وبلاغت اور اُس کی غیر معمولی شہرت تھی۔

اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زبان و بیان کا سلیقہ انسان کو کس طرح عزت بخشتا ہے، اور کن کن مشکلات سے نکلنے میں مدد دیتا ہے۔ لیلیٰ کی حاجت روائی حجّاج نے اس کی شیریں بیانی اور خوش کلامی کی وجہ سے کی۔

لیلیٰ کی زبان کٹنے سے محفوظ بھی اس کی زباندانی کی وجہ سے رہی ورنہ جو حجّاج گردنیں کاٹنے میں شہرت رکھتا ہو اس کی طرف سے إقطع لسانها (اس کی زبان کاٹ ڈالو) کا حکم صادر ہوجانے کے بعد اس کے کارکنوں کیلئے سوائے اسے نافذ کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا، لیکن لیلیٰ نے اپنی زباندانی سے کام لیتے ہوئے زبان کاٹنے کا اِرادہ کرنے والوں کو للکارا کہ تم نے حجّاج کے حکم کو سمجھا ہی نہیں۔ زبان کاٹنا یہاں انعام واِکرام سے نوازنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور حجّاج کا مقصد یہ ہے کہ تم اس شاعرہ کو اتنا انعام دو کہ اس کا منہ بھر جائے اور اس کی زبان بند ہوجائے، اِس طرح لیلیٰ نے اپنی زباندانی سے حجّاج جیسے سنگدل کو اتنا نرم کرلیا کہ وہ داد و دہش پر مجبور ہوگیا۔

۲- قبائلی زندگی میں سرداروں کا جو مقام ہوتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، قدیم عربوں میں بھی سرداروں کی حیثیت حکمرانوں جیسی ہوا کرتی تھی، اور قبیلہ جتنا بڑا اور نیک نام ہوتا سردار کو بھی اسی قدر اپنے اُوپر فخر اور اپنی سرداری پر ناز ہوا کرتا تھا۔

چنانچہ بنو مُرّہ کے سردار حارث بن عوف المرّی نے ایک دن اپنی سرداری کے نشہ میں کہا کہ اگر میں کسی بھی قبیلہ میں نکاح کا پیغام دوں تو کسی میں ہمت ہے کہ وہ اس پیغام کو

مسترد کردے اور مجھے اپنی لڑکی دینے سے انکار کردے؟

اس کے ایک ہم نشیں نے کہا کہ ہاں! اگر تم اوس بن حارثہ الطائی کے یہاں پیغام دوگے تو وہ انکار کردے گا کیونکہ وہ بھی اپنے قبیلہ کا سردار اور رُعب ودبدبہ والا آدمی ہے، اور اس کا قبیلہ بھی دوسرے قبیلوں سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔

یہ سنکر حارث بن عوف نے اپنے غلام کو بلایا اور کہا کہ چلو ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح کوئی ہمارے پیغام کو ٹھکرانے کی ہمت کرتا ہے؟ لیکن جب وہ وہاں پہنچا اور اس سے اَوس نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ تو اس نے کہا کہ تمہاری لڑکی کیلئے شادی کا پیغام لیکر، یہ سنکر بغیر کسی مزید گفتگو کے اس سے اَوس نے کہا کہ تم اس کے اہل نہیں ہو، چنانچہ مزید کوئی بات کئے بغیر وہ وہاں سے رُخصت ہوگیا۔

اُدھر اُوس غصہ کی حالت میں اپنے گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی نے پوچھا کہ: کون شخص ہے جو تمہارے پاس آیا تھا؟

اس نے کہا کہ: وہ عربوں کا سردار حارث بن عوف تھا۔

بیوی نے کہا: تو پھر تم نے اس کی میزبانی کیوں نہیں کی؟

اَوس نے کہا کہ: اسلئے کہ اس نے حماقت کی تھی۔

بیوی نے کہا کہ: وہ کیسے؟

اَوس نے کہا: وہ میری بیٹی سے نکاح کا پیغام لے کر آیا تھا۔

بیوی نے کہا کہ: جب تم عربوں کے سردار کو اپنی بیٹی نہیں دوگے تو اور کسے دوگے؟

اَوس نے کہا کہ: اَب تو خیر بات ختم ہوگئی۔

بیوی نے کہا کہ: تم کو اس کی تلافی کرنی چاہئے۔

اَوس نے کہا کہ: وہ کس طرح؟

بیوی نے کہا: اس کے پیچھے جاؤ اور اسے بلا کر لاؤ۔

اَوس نے کہا: اَب جبکہ میں نے اُسے اتنی سخت بات کہدی ہے تو پھر میں دوبارہ کس

منہ سے اُسے بلاؤں؟۔

بیوی نے کہا کہ: تم جا کر کہو کہ پیغام لیکر تم اَچانک آ گئے تھے، میرے لئے سوچنے کا موقع نہیں تھا اس لئے میں نے انکار کر دیا تھا۔

چنانچہ اَوس نے اس کا پیچھا کیا اور صورتِ حال بیان کر کے اُسے واپس گھر لے آیا اور وہ خوشی خوشی اَوس کے گھر واپس آ گیا۔

اَوس نے اپنی بیوی سے کہا کہ: بڑی بیٹی کو بلاؤ۔

جب وہ آئی تو اس سے کہا کہ: عربوں کا ایک سردار آیا ہوا ہے اور وہ شادی کا پیغام لایا ہے تمہاری رائے کیا ہے کیا اس سے تمہاری شادی کر دی جائے؟

اس نے کہا کہ: ہرگز نہیں۔

باپ نے کہا کہ: کیوں؟

وہ بولی: اس لئے کہ میرے چہرے پر نشان ہے اور میں جسمانی طور پر کمزور ہوں، اور میں اس کی کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہوں کہ وہ میری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرے گا، اور وہ مقامی آدمی بھی نہیں ہے جسے آپ کی وجہ سے شرم آئے گی، اور وہ ہمارے ساتھ اچھا معاملہ کرنے پر مجبور ہوگا، اس لئے یہ رشتہ مناسب نہیں ہے۔

پھر اس نے دوسری بیٹی کو بلایا، اس نے بھی انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے کوئی ہنر نہیں آتا، ہوسکتا ہے کہ وہ طلاق دیدے اور ہم سبھوں کی بدنامی کا باعث بنے۔

اَوس نے کہا کہ جاؤ اپنی چھوٹی بہن بُہَیسَہ کو بھیجو، چنانچہ وہ آئی اور اس سے یہی سوال کیا تو اُس نے کہا کہ آپ کو اختیار ہے۔

اَوس نے کہا کہ: دیکھو تمہاری دونوں بڑی بہنوں نے رشتہ کو ٹھکرا دیا ہے اور یہ اور یہ کہا ہے، اس نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں خوبصورت ہوں، اور مجھے ہنر بھی آتا ہے، اخلاق بھی میرے اچھے ہیں، باپ بھی میرا باحیثیت ہے، اگر اِس کے باوجود اس نے طلاق دیدی تو اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے بدلہ لے گا۔

اَوس نے باہر آ کر حارث سے کہا کہ میں اپنی چھوٹی بیٹی کو تمہارے نکاح میں دیتا ہوں، اُس نے گواہوں کی موجودگی میں قبول کرلیا۔اَوس نے شوہر و بیوی کیلئے جگہ تیار کرادی تھی لیکن لڑکی وہاں ملنے کیلئے تیار نہیں ہوئی کہ یہ جگہ میرے ماں باپ اور بھائی بہن سے قریب ہے یہاں ملنا مناسب نہیں ہے، چنانچہ دونوں وہاں سے رُخصت کردیئے گئے، راستہ میں ایک مقام پر حارث نے چاہا کہ دونوں یکجا ہوں تو اس نے پھر اِنکار کیا اور کہا کہ تم عرب کے بڑے سردار ہو اور میں بھی بڑے باپ کی بیٹی ہوں ہماری ملاقات تمہارے گھر پہنچنے کے بعد ہی ہونی چاہئے جہاں تم اُونٹ ذبح کر کے لوگوں کو بلاؤ اور اپنے شایانِ شان ولیمہ کا انتظام کرسکو۔حارث نے کہا کہ یہ لڑکی تو بڑی ہی سمجھدار اور دانا معلوم ہوتی ہے، پھر گھر پہنچنے کے بعد جب حارث نے ملنا چاہا تو اس وقت بھی اس نے انکار کیا اور کہا کہ اِس وقت جبکہ علاقہ میں عَبس اور ذُبیان کی لڑائی چھڑی ہوئی ہے اور یہ وہ جنگ ہے جو ''داحس'' اور ''غبراء'' کے نام سے مشہور ہے اور جو چالیس سال سے جاری ہے، قبائل کے لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں ہم لوگوں کیلئے مناسب نہیں ہے کہ اس وقت خوشی منائیں اور عیش و مسرت کے لمحات گزاریں، جب تک ان قبائل میں صلح نہیں ہوجاتی اور لڑائی کا ماحول ختم نہیں ہوجاتا ہمارا ملنا مناسب نہیں ہے، چنانچہ حارث نے اپنی پگڑی لی اور صلح کی مہم میں لگ گیا۔تمام قبائلی سرداروں کو جمع کیا اور ان کو جنگ ختم کرنے پر آمادہ کیا، اور ہونے والے نقصانات کی تلافی کیلئے اپنی طرف سے تین ہزار اُونٹ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔اِس طرح برسوں سے جاری جنگ کا شعلہ ہمیشہ کیلئے بجھ گیا اور ایک نوعمر لیکن باہوش اور عقلمند لڑکی نے اپنی شادی کو پورے علاقہ کیلئے اَمن واَمان کی بنیاد اور صلح وآشتی کا پیغام بنادیا، اس کے بعد دونوں شوہر و بیوی کی طرح سعادت و مسرت کی زندگی بسر کرنے لگے۔

خواتین کی فصاحت و بلاغت کے نمونے

جب ''معاشرہ'' کی تشکیل ''عورت'' کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے تو ''عورت'' کا مقام اس میں خود بخود متعین ہو جاتا ہے، لیکن مردوں ہی کی طرح عورتیں بھی مختلف خصوصیات اور صلاحیتوں کی مالک ہوا کرتی ہیں، اور بعض میں اپنے گھریلو اور فطری وظائف کی اُدائیگی کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کا جذبہ بھی ہوتا ہے، بعض کو خود اپنی صنف کی ترقی کا خیال ستاتا رہتا ہے۔ لیکن کسی بھی سیاسی و اجتماعی یا دینی سرگرمی کیلئے ذاتی صلاحیت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

خطابت اور زباں آوری عام طور پر مردوں میں ہوا کرتی ہے کیونکہ اس کے عمل کا دائرہ کار بیحد وسیع ہوتا ہے لیکن عورتوں میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک شاعری، خطابت اور دیگر علم و ہنر کی ماہر خواتین گزری ہیں آیئے ان میں سے بعض کی بلاغت اور زباں آوری کا جائزہ لیتے ہیں جن میں پرانے اور نئے دونوں زمانے کی خواتین شامل ہیں:

فصاحت و بلاغت میں شہرت رکھنے والی خواتین میں ایک نام جِروہ بنت غالب کا آتا ہے، اس کا تعلق بنی تمیم سے تھا۔

اُمیر معاویہ ﷺ نے ایک دن پچھنے لگوائے تھے تو رات کو ان کی نیند اُچاٹ ہوگئی، انہوں نے سوچا کہ لوگوں کی خبر گیری ہی کر لی جائے چنانچہ جروہ کے پاس قاصد بھیجا، رات کا وقت تھا بلانے پر آ تو گئی لیکن جب اس سے اُمیر معاویہ ﷺ نے دریافت کیا کہ:

میں نے اِس وقت بلا کر تمہیں پریشان اور دہشت زدہ تو نہیں کیا ہے؟ تو وہ بولی کہ یقینا کیا ہے:

قالت: إی واللّٰہ، لقد طرقت فی ساعة لا یطرق فیھا الطیر فی وکرہ

فأرعت قلبي وروعت صبياني وافزعت عشيرتي وتركت بعضهم يموج في بعض خشية منک وشفقة علي فقال: ليسكن روعک، وتطب نفسک' فان الأمر على خلاف ما ظننت، إنما أرسلت إليک لتخبريني عن قومک بني تميم قالت: هم أكثر الناس عددا، وأوسعهم بلدا، وأبعدهم مددا، هم الذهب الأحمر، والحسب الأفخر، والعدد الأكثر۔ قال: صدقت، فنزليهم لي۔

(خدا کی قسم آپ نے ایسے وقت میں میرے دروازے کو کھٹکھٹانے کا حکم دیا جس وقت پرندوں کو بھی ان کے گھونسلوں میں تنگ نہیں کیا جاتا جس سے میرا دل دَہل گیا، میرے بچے پریشان ہوگئے، خاندان کے لوگ بے چین ہوگئے اور ان سبھوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کیونکہ ان کو آپ سے ڈر اور مجھ سے شفقت تھی۔ اَمیر معاویہ ﷺ نے کہا کہ: مطمئن ہوجاؤ اور کسی اندیشہ میں نہ پڑو، معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے جو تم نے سمجھا، میں نے تو تمہیں یہاں اس لئے بلایا ہے کہ بنی تمیم کے حالات سے تم مجھے آگاہ کرو۔ اس نے کہا کہ وہ تعداد میں زیادہ اور ان کا علاقہ کشادہ ہے، اور وہ دُور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی مثال سرخ سونے جیسی ہے اور نسب کے لحاظ سے وہ شریف اور تعداد میں تو ان کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کرسکتا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے سچ بات بتلائی ہے اَب اس قبیلہ کی خصوصیات پر الگ الگ روشنی ڈالو۔

پھر اُس نے اپنے قبیلہ کی ایک ایک شاخ کا اس فصاحت وبلاغت سے تعارف کرایا کہ انسان اس کی قادر الکلامی اور زباں آوری پر عَش عَش کرتا رہ جائے۔ اَصل لطف تو اسکی باتوں کو عربی زبان میں پڑھنے اور سننے میں ہے لیکن اُردو ترجمہ کے ذریعہ بھی اس کے کلام کا وزن سمجھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔

وہ بنی سعد کے بارے میں کہتی ہے:

في العدد الأكثرون، وفي الحسب الأطيبون يصبرون أن غضبوا، ويدركون إن طلبوا أصحاب سيوف وحجف ونزال ودلف إلا أن بأسهم فيهم وسيوفهم عليهم۔

(تعداد کے لحاظ سے وہ زیادہ اور نسب کے لحاظ سے پاکیزہ ہیں، غصہ کی حالت میں صبر سے کام لیتے ہیں اور کوئی ان کا پیچھا کرے تو پا سکتا ہے، وہ تلوار اور ڈھال والے اور جنگ اور پیش قدمی کے خوگر ہیں، البتہ ان کی آپس میں جنگ جاری رہتی ہے اور ان کی تلواریں بسا اوقات خود ان کے اہلِ قبیلہ کے خلاف ہی استعمال ہوتی ہیں)

حنظلہ نامی شاخ کے بارے میں کہتی ہے:

البيت الرفيع، والحسب البديع، والعز المنيع والمكرمون للجار، والطالبون للثأر والمناقضون للأوتار۔

(ان کے مکانات عالیشان' ان کا حسب ونسب شاندار' اور وہ عزت وشوکت کے مالک ہیں۔ وہ پڑوسیوں کا اکرام کرنے والے اور بدلہ لینے کے خوگر اور گانے بجانے کے خلاف ہیں)

امیر معاویہؓ نے کہا کہ "حنظلہ" کے بھی تو کئی حصے اور اس کی کئی شاخیں ہیں تو وہ کہنے لگی کہ ہاں:

أما البراجم فاصابع مجتمعه، وأكف ممتنعه، وأما بنو طُهية فقوم هوج وقرن لجوج، وأما ربيعة فصخرة صمّاء وحية رقشاء يعتزون بعزهم ويفخرون بقومهم۔

(براجم کا حال یہ ہے کہ ملی ہوئی انگلیوں اور مضبوط ہتھیلیوں کی طرح ہیں، بنو طہیہ کا حال یہ ہے کہ اُجڈ لوگ ہیں اور جنگ وجدل کے متلاشی بھی رہتے ہیں، اور جہاں تک ربیعہ کی بات ہے تو وہ مضبوط چٹان اور چتکبرے سانپ

کی طرح ہیں وہ اپنی عزت پر فخر اور اپنی قوم پر ناز کرنے والے لوگ ہیں)

وأما بنو يربوع ففرسان الرماح وأسود الصباح يعتنقون الأقران ويقتلون الأبطال والفرسان، وأما بنو مالک مجمع غير مفلول وغز غير منحول، ليوث هزارة وخيول كرارة، وأما بنو دارم فكرم لايداني، وعز لايوازى وشرف لايسامى۔

(اور جہاں تک بنی یربوع کا تعلق ہے تو وہ نیزوں کے شہسوار، صبح کے وقت شبخوں مارنے والے شیروں کی طرح ہیں وہ اپنے برابر کے لوگوں کو گلے لگاتے ہیں اور بڑے بڑے پہلوانوں اور شہسواروں کو قتل کردیا کرتے ہیں، اور بنو مالک کا حال یہ ہے کہ وہ متحد گروہ ہیں اور ان کی عزت ذاتی ہے، وہ چنگھاڑنے والے شیر اور بار بار حملہ کرنے والے گھوڑوں کی طرح ہیں، اسی طرح بنی دارم کے خیالات بیحد اونچے اور مقام ومرتبہ بیحد بلند ہیں، اور عزت ایسی ملی ہوئی ہے کہ جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا)

امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ قبیلہ تمیم کو تم خوب جانتی ہو قبیلہ قیس کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلوم ہے کہ نہیں؟

اس نے کہا کہ: قبیلہ قیس کو میں اس طرح جانتی ہوں جس طرح کہ اپنے آپ کو انہوں نے کہا تو پھر اچھا مجھے تم ان کے بارے میں کچھ بتاؤ۔

تو کہنے لگی کہ:

دیکھئے جہاں تک غطفان کا تعلق ہے تو:

فأكثر سادة وأمنع قادة وأما فزارة فبيتها مشهور وحسبها مذكور وأما ذبيان فخطباء شعراء، أعزه أقوياء۔ وأما عبس فجمرة لا تطفأ وعقبة لا تعلى وحية لا ترقى۔ وأما هوازن، فحلم ظاهر وعز قاهر وأما بنو سليم ففرسان الملاحم، وأسود ضراغم، أما نمير فشوكة

مسمومة وهامة ملمومة وآية مفهومة۔ أما هلال فاسم فخم وعز ضخم، وأما بنو كلاب فعدد كثير وبحر ذخير وفخر أثير، وحلم كثير۔

(اس میں رہنما زیادہ اور اس کے قائدین طاقتور ہیں، جہاں تک فزارہ کا سوال ہے تو ان کا علاقہ مشہور اور ان کا نسب معروف ہے، اور ذُبیان میں خطیبوں اور شاعروں کی کثرت ہے اور وہ باعزت اور طاقتور ہیں۔ عَبس کی حالت یہ ہے کہ وہ ایسا انگارہ ہے جو بجھایا نہیں جاسکتا، اور ایسی رکاوٹ ہے جس پہ قابو نہیں پایا جاسکتا، اور ایسا سانپ جس کے کاٹنے پر شفایاب ہونا مشکل ہے۔ ہوازن کی دانائی و بردباری معلوم ہے اور وہ بڑے باعزت لوگ ہیں، اور بنو سلیم کے لوگ جنگوں کے شہسوار اور کچھاڑوں کے شیر ہیں، اور نُمیر کی حالت زہریلے کانٹے اور خوفناک بھوت اور خطرناک علامت کی ہے، اور ہلال بڑے نامور اور غیر معمولی عزت کے لوگ ہیں، بنی کلاب کی تعداد بڑی اور وہ بافیض لوگ اور خاندانی وجاہت اور بردباری کے حامل لوگ ہیں)

انہوں نے کہا کہ اچھا پھر ''قرین'' کے بارے میں بتلاؤ؟ تو کہنے لگی کہ:

ذروة السنام وسادة الأنام والحسب القمقام۔

(وہ تو بڑی بلندی والے، سرداروں کی جماعت اور نہایت ہی اُونچے نسب والے لوگ ہیں)

پھر حضرت علیؓ کے بارے میں انہوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ:

حاز واللّٰہ الشرف الذی لا یوصف وغایة لا تعرف۔

(خدا قسم شرف و فضیلت میں بے مثال تھے جن کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہے اور اُن کے مناقب تعریفوں سے کہیں بڑھکر ہیں)

چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کی فصاحت و بلاغت، صاف گوئی اور قدرت کلام سے مت اَثر ہوکر اسے ایک ایسی زمین عطا کی جس کی ماہانہ آمدنی دس ہزار درہم تھی۔

اَرویٰؓ بنت الحارث بن عبد المطلب کا شمار بھی نامور اور زباں آور خواتین میں ہوتا ہے، نام سے ہی ان کے نسب کی بلندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، انہوں نے خیر القرون کا زمانہ پایا تھا، نور نبوت ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اپنی زباں آوری کا استعمال انہوں نے اپنے زمانہ کی سیاسی و اجتماعی سرگرمیوں میں کیا، اُن کا طبعی میلان حضرت علی ؓ کی طرف تھا لیکن بعد میں جب حکومت کی باگ ڈور اَمیر معاویہ ؓ کے ہاتھوں میں آ گئ تو اس وقت انکی عمر ڈھل چکی تھی اور ان کا شمار سن رسیدہ، بوڑھی اور بزرگ خواتین میں ہوا کرتا تھا۔ حالات سے مجبور ہوکر ایک دن وہ اَمیر معاویہ ؓ کے دربار میں آئیں تو انہوں نے خوش آمدید کہا، ایک معمر خاتون کے ذہن سے پرانی یادیں کہاں جاتی ہیں انہوں نے پچھلی داستان شروع کردی جسمیں انکی مذمت تھی تو اَمیر معاویہ ؓ نے کہا کہ چچی جان آپ جس مقصد کیلیۓ آئی ہیں وہ سامنے رکھیۓ پچھلی باتوں کو بھول جایۓ۔

توانہوں نے اپنی عمر کا فائدہ اٹھاتے ہوۓ حکم کے انداز پر کہا کہ تم مجھے دو ہزار دینار پھر دو ہزار پھر اس کے بعد دو ہزار دینار دینے کا حکم جاری کرو۔

دریافت کیا کہ چچی جان آپ پہلے دو ہزار کیا کریں گی؟

تو اَرویٰ نے کہا کہ:

اشتری بھا عینا فوّارۃ فی أرض خوارۃ تکون لفقراء بنی الحارث بن عبد المطلب۔

(میں اس سے پست اور نرم زمین میں ایک چشمہ خریدوں گی جو حارث بن عبد المطلب کی نادار اولاد کیلیۓ مخصوص ہوگا)

دریافت کیا کہ پھر مزید دو ہزار کا کیا کریں گی؟

تو انہوں نے کہا کہ:

(حارث بن عبدالمطلب کی حاجتمند اولاد کی شادیاں کراؤں گی)
دریافت کیا کہ اس کے بعد کے دو ہزار دینار کا مصرف کیا ہوگا؟
تو وہ کہنے لگیں کہ:

استعین بھا علی شدة الزمان وزیارة بیت اللّٰہ الحرام۔

(اس کے ذریعہ میں زمانہ کی سختیوں کا مقابلہ کروں گی اور بیت اللہ کی زیارت کیلئے سفر میں بھی اس سے مدد لونگی)

اُمیر معاویہ ؓ نے چھ ہزار دینار دلا دیئے اور کہا کہ یاد رکھئے کہ آپ جن کی حمایت میں نکلی تھیں وہ اگر ہوتے تو ہرگز نہیں دیتے، حضرت علی ؓ کا نام سنتے ہی ان کو پھر پرانی باتیں یاد آ گئیں اور ان کی منقبت میں نہایت مؤثر اور بلیغ اشعار پڑھے جن کو سُنکر اَمیر معاویہ ؓ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، اور وہ وہاں سے اپنی سن رسیدگی کے باوجود قوت گویائی اور علم واَدب کا اَثر چھوڑ کر رخصت ہوئیں۔

باحثہ البادیہ حفنی ناصف کا شمار مصر کے بلند پایہ اَدیبوں میں ہوتا ہے اس کی بیٹی مَلَکُ بھی اپنے وقت کی شاعرہ اور نامور انشاء پرداز تھی، اس نے مسلمان عورتوں کی ترقی کیلئے زبردست تحریک چلائی لیکن اس کی یہ تحریک احتجاجوں اور ہنگامہ آرائیوں کی تحریک نہیں تھی بلکہ تعلیمی اِداروں کے قیام اور مضمون نگاری کے ذریعہ اپنے خیالات کی اشاعت تک محدود تھی۔

غریب ومحتاج خاندان کی لڑکیوں کی دیکھ بھال سے بھی اس کو خاص شغف تھا، وہ اُنھیں نظافت کا خیال رکھنے اور علم کے حصول کیلئے محنت کرنے کی تلقین کیا کرتی تھی اور ضرورتمندوں کی اِعانت بھی کیا کرتی تھی۔

اُس نے گھر میں ہی ایک نرسنگ اسکول کھول لیا تھا اور مصر کی ہلال احمر کمیٹی کیلئے ۱۰۰ رجوڑے کپڑے تیار کر کے بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے بُن کر پیش کئے تھے۔

اس طرح کی اجتماعی سرگرمیوں کے ساتھ وہ اپنے شوہر، قرابتداروں اور گھر کے حقوق

سے بھی غافل نہیں تھی، اور غریبوں اور محتاجوں کی دیکھ بھال بھی کیا کرتی تھی، سب سے زیادہ خیال وہ اپنے باپ کا رکھا کرتی تھی۔

اس کے مشہور اَقوال میں ایک یہ ہے:

إن صلاح الفتاة مترتب دائما على تربيتها الأولى۔

(عورت کی نیکی اور سعادت مندی اس کی ابتدائی تربیت پر موقوف ہوا کرتی ہے)

وہ بلند پایہ شاعرہ بھی تھی لڑکیوں کے بارے میں اس کے بہت سے اشعار ہیں، عورتوں کی حیاداری کے بارے میں وہ کہتی ہے:

إن الفتاة حديقة وحياء ها	كالماء موقوفا عليه بقاء ها
بفروعها تجرى الحياة فتكتسى	حللا يروق الناظرات رواؤها
إيمانها بالله أحسن حلية	فيها، فلما ضاع ضاع بهاؤ ها
لا خير في حسن الفتاة وعلمها	إن كان في غير الصلاح رضاؤها
فجما لها وقف عليها وإنما	للناس منها دينها ووفاؤها

(لڑکی کی مثال باغ جیسی ہے اور اس کے اندر حیا کا وصف پانی کی طرح ہے، جسکی بقاء پر باغ کی بقاء موقوف ہے۔ اس کی شاخوں میں زندگی کی رو دوڑتی ہے تو وہ خوشنما لباس زیب تن کر لیتی ہے جو دیکھنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کے اُوپر لڑکی کا ایمان اس کے لئے سب سے اچھا زیور ہے، اگر وہ نہیں رہا تو اس کی رونق بھی ماند پڑتی اور ختم ہوجاتی ہے۔ اگر لڑکی نیک روی کے علاوہ کچھ اور چاہتی ہو تو پھر اس کے حُسن و جمال اور علم واَدب کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔ عورت کا جمال تو خود اس کی ذات کیلئے ہے، لوگوں کو تو اس کی دینداری اور وفاداری سے ہی فائدہ پہنچتا ہے)

''مَلَکْ'' حفنی ناصف تنہا خاتون تھی جس نے اصلاح کی آواز بڑی بلند آہنگی سے

اٹھائی جسکی گونج آج بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔

یہ اپنے زمانہ کی بڑی باصلاحیت اور بہادر خاتون تھی، اس کو دوسروں کی تنقید کی کوئی پرواہ نہیں تھی البتہ اپنی قوم سے محبت اور اپنے وطن کے بارے میں وہ غیرت وحمیت کا جذبہ رکھتی تھی، وہ اپنی قوم کی پسماندگی پر خون کے آنسو رویا کرتی تھی، اس کا اصلاحی جذبہ اس کے مضامین ومقالات اور اس کی تقریروں سب میں نمایاں ہے، اور کبھی کبھی اس کی آواز تیز ہو کر چیخ وپکار کا انداز بھی اختیار کر لیا کرتی تھی۔

مَلَکْ حفنی ناصف کو لوگ ''باحثۃ البادیہ'' کے نام سے جانتے ہیں اس کا انتقال ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ باحثۃ البادیہ کو ایک نامور اَدیبہ کی حیثیت سے سبھی جانتے ہیں لیکن یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس کا اصلی نام مَلَکْ تھا اور وہ مشہور اَدیب حفنی ناصف کی بیٹی تھیں، اور اُس میں اصلاح معاشرہ اور عورتوں کی ترقی اور تعلیم کے فروغ کا بے حد جذبہ تھا۔

ZZZZZ

شاہی محل سے وابستہ خواتین

ایسی خواتین جن کا خلفاء کے حرم خانہ سے تعلق رہا ہے خواہ وہ آزاد عورتیں رہی ہوں یا باندیاں اُنکی شان ہی الگ رہی ہے۔ علماء اور مؤرخین نے جہاں دیگر موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے وہیں یہ پہلو بھی ان کی نظروں سے اُوجھل نہیں رہا ہے، چنانچہ مختلف پہلوؤں سے لوگوں نے شاہی درباروں اور خلفائے وقت کے حرم خانہ میں جھانکنے کی کوشش کی ہے۔
نامور مؤرخ تاج الدین ابن الساعی وفات ۶۷۴ھ نے اپنے زمانہ کے خلفاء کی عورتوں کے بارے میں ایک مستقل کتاب ہی لکھدی ہے جس کو ڈاکٹر مصطفی جواد نے ایڈٹ کر کے قاہرہ سے شائع کیا ہے۔ عربی کی اس کتاب میں جن عورتوں کا ذکر آیا ہے اُن کی بعض دلچسپ باتیں ہم آپ کی نذر کر رہے ہیں تا کہ معاشرہ میں عورت کے مقام کے مختلف پہلو نظروں کے سامنے آسکیں۔ اس سلسلہ میں پہلا نام خلیفہ ابو جعفر المنصور کی شریک حیات ''حمادہ بنت عیسیٰ'' کا ہے۔

اس سے متعلق ایک دلچسپ بات مؤرخین نے سند کے ساتھ یہ لکھی ہے کہ جب ''حمادہ بنت عیسیٰ'' کا انتقال ہوگیا اور اُس کی تجہیز و تکفین کے لئے لوگ خلیفہ کے ساتھ جنازے کا انتظار کر رہے تھے تا کہ اس کی تدفین عمل میں آسکے حاضرین میں مشہور لطیفہ باز اور مضحکہ خیز انسان ''ابودُلامہ'' بھی موجود تھا اُسے دیکھ کر خلیفہ منصور نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابودُلامہ سے کہا کہ تم نے اس گڑھے (قبر) کیلئے کیا تیار کیا ہے؟ یعنی موت کے بعد حالات سے نمٹنے کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ ''ابودُلامہ'' نے اپنی غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے برجستہ کہا کہ: میں نے اس گڑھے کیلئے ''حمادہ بنت عیسیٰ'' کو تیار کیا ہے۔ اُس کے اِس جواب پر سبھوں کو مقبرہ میں ہونے کے باوجود ہنسی آ گئی کہ بادشاہ کے کلام کو

پھیرتے ہوئے اس نے وہ بات کہدی جو کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا تھا۔ قبر تو واقعی حمادہ بنت عیسیٰ کیلئے ہی تیار کی گئی تھی لیکن اس کی مراد کچھ اور ہی تھی۔

مشہور عباسی خلیفہ ہادی کی ایک باندی کا نام ''غادر'' تھا، جعفر بن قدامہ کا بیان ہے کہ وہ باندی بڑی زیرک خوبصورت اور خوش الحان واقع ہوئی تھی اور بادشاہ کو اس سے حد درجہ کا تعلق تھا، ایک دن محفل برپا تھی اور وہ ''غادِر'' سے خوش الحانی کے ساتھ نغمے سننے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس سے ضبط نہ ہوسکا اور دَرباریوں سے کہنے لگا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ میرا انتقال ہوجائے گا اور خلافت پر قابض ہونے کے بعد میرا بھائی ہارون میری باندی ''غادر'' کو اپنے نکاح میں لے لے گا، درباریوں نے کہا کہ بادشاہ سلامت یہ تو محض ایک شیطانی وسوسہ ہے ورنہ سبھی دَرباری آپ سے پہلے ہی دوسری دنیا کیلئے روانہ ہوجائیں گے،لیکن یہ بات اس کے ذہن میں اس طرح جم گئی تھی کہ اسے یقین ہی نہیں آیا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی ہارون کو بلایا اور اس کے سامنے بھی اپنے اس وسوسہ کا ذکر کیا، ہارون نے یقین دہانی کرانے کی کوشش کی کہ ایسا نہیں ہوگا، اُس نے کہا کہ مجھے تمہارے اِس وعدہ پر اُس وقت تک یقین نہیں آئے گا جب تک کہ تم یہ قسم نہ کھالو کہ اگر میں مرگیا تو تم ''غادر'' کو اپنے نکاح میں نہیں لوگے اور اگر میں نے اس سے شادی کی تو میرے ذمہ پیدل حج لازم ہوگا اور میری تمام باندیاں آزاد ہوجائیں گی اور میری ملکیت میں موجود سبھی جائیداد اللہ کے راستہ میں وقف اور صدقہ کی حیثیت اختیار کرلے گی، ہارون نے تمام باتوں پر لبیک کہا اور ساری قسمیں کھالیں۔ اِس واقعہ پر ایک ماہ کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ہادی کا انتقال ہوگیا اور ھارون الرشید نے خلافت سنبھال لی، اس کے بعد اس نے ''غادر'' کو نکاح کا پیغام بھیجدیا، اُس نے کہا کہ شادی اگر کروں تو پھر اُن قسموں کا کیا ہوگا جو تم نے کھارکھی ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ میں ان تمام قسموں کا کفارہ اَدا کردوں گا۔ چنانچہ شادی ہوگئی اور اسے بھی اس باندی کے ساتھ ایسا شغف اور اتنی بے پناہ محبت ہوگئی کہ ایک لمحہ اس کے بغیر چین نہیں آتا تھا اور اس کی گود میں

اپنا سر رکھ کر وہ سویا کرتا تھا اور وہ اُس وقت تک اپنے جسم کو حرکت نہیں دیتی تھی جب تک کہ باشاہ خود ہی بیدار نہ ہو جائے۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن باندی ''غادر'' سو رہی تھی کہ اچانک گھبرا کر اُٹھی اور رونے لگی، بادشاہ نے وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ میں نے ابھی تمہارے بھائی ہادی کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ اشعار میں مجھ سے خطاب کر کے کہہ رہا ہے کہ:

''جیسے ہی میں قبرستان میں آیا اور زیرِ زمین مدفون لوگوں کا پڑوسی بنا تم نے میرے ساتھ کئے جانے والے وعدے کی خلاف ورزی کی جبکہ مجھ سے تم نے جھوٹی قسمیں کھا کر عہد کیا تھا، تم نے میرے بھائی سے نکاح کر لیا تمہارا نام جس نے بھی غادر یعنی (بے وفا) رکھا ہے صحیح ہی رکھا ہے، میں تو زیرِ زمین دفن ہو گیا اور تم مستی کرنے والوں میں شامل ہو گئی۔ اَب ہماری بددُعاء ہے کہ تمہارے لئے یہ نیا ساتھی نامبارک ثابت ہو اور تم پر مصیبت نازل ہو جائے، اور آج صبح ہونے سے پہلے ہی تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ اور میں جہاں ہوں تم بھی وہیں پہنچ جاؤ''۔

بادشاہ سلامت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ ابھی میں سن رہی ہوں اور اُس نے یہ الفاظ میرے دل پر لکھ دیئے ہیں۔

ھارون الرشید نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ محض وسوسہ اور خواب ہائے پریشاں ہے لیکن وہ چیختی رہی کہ ہرگز نہیں اور اس پر اضطراب کی کیفیت کچھ عرصہ طاری رہی اور اے۳ھ میں اس کے سامنے ہی اس نے جان دیدی۔

- ''ثمرہ'' خلیفہ مقتدر باللہ کی باندی اور اس کے بیٹے عیسیٰ کی ماں تھی جس کے بارے میں اس کے بیٹے کا بیان ہے کہ ایک دن مقتدر نے نہایت بیش قیمت قیمتی موتی منگائے اور انمیں سے سو (۱۰۰) دانے منتخب کر لئے اور ان کی تسبیح بنوائی جس پر وہ تسبیح پڑھا کرتا تھا۔ جوہریوں سے اسکی قیمت کا اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دانہ کی قیمت ایک ہزار دینار یا اس سے بھی زیادہ ہے، بادشاہ کو جب تسبیح پڑھنی ہوتی تو اُسے

منگا تا پھر واپس کر دیتا اور میں اسے لیجا کر خزانہ میں ڈالدیا کرتا تھا، پھر مقتدر کو قتل کر دیا گیا اور اس کے خزانہ کو لوٹ لیا گیا تو اسی دوران وہ تسبیح بھی لوٹ لی گئی جس کی قیمت کا شاید اسے اندازہ بھی نہ ہو جس کے ہاتھ میں وہ تسبیح پڑی ہوگی۔ یہ تسبیح حقیقت میں ''خمرہ'' کی ہی ملکیت میں تھی اور خمرہ نامی یہ باندی اپنی نیکی اور کارِ خیر سے شغف اور ضرورت مندوں کا خیال رکھنے میں بے مثال تھی۔ اس کا انتقال ۳۸۷ھ میں ہوا اور اسے عراق کے شہر رُصافہ کے اُس قبرستان میں دفن کیا گیا جو خلفائے بنی عباس کے لئے مخصوص تھا، اور جس کی دیکھ بھال کے لئے سیکڑوں خدّام رکھے گئے تھے۔ ہلاکو نے ۶۵۶ھ میں بغداد کو تاراج کیا تو اس قبرستان میں بنی عمارتوں کو بھی نذرِ آتش کیا اور خلفائے بنی عباس کی ہڈیاں تک قبروں سے نکال کر ان کو آگ لگائی۔ خلفاء کے جسم کی باقیماندہ ہڈیوں اور سروں کی نیم سوختہ کھوپڑیوں کو دیکھ کر شہر کے ایک واعظ نے دیوار پر لکھدیا تھا کہ:

إن ترد عبرة فتلک بنو العباس حلت علیھم الآفات استبیح الحرم

إذ قتل الأحیاء منھم و أحرق الأموات۔

(اگر تمہیں عبرت حاصل کرنی ہے تو ان خلفاء بنی عباس کو دیکھو جن پر آفتیں آئیں تو ان کے حرم خانہ کو پامال کیا گیا اور ان کے زندوں کو قتل اور مردوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا)

اور حقیقت یہی ہے، خلفائے بنی عباس میں سے بعض بڑی بے دردی سے قتل کئے گئے اور مخالفین نے ان سے بڑا ہی عبرت انگیز سلوک کیا۔

- عصمت خاتون بنت ملک شاہ سلجوقی' بادشاہ الپ ارسلان بن داود کی پوتی تھی اور اپنی دانائی اور فراست میں بیحد مشہور خاتون تھی، اس کی معاملہ فہمی اور اِصابت رائے کے سبھی قائل تھے، ۴۸۵ھ میں اس سے مستظہر باللہ نے شادی کر لی اور اصفہان سے اُسے بغداد لایا جس کے بطن سے اس کا بیٹا ابو اسحاق پیدا ہوا، جب خلیفہ کا انتقال ہو گیا تو وہ دوبارہ اصفہان چلی گئی اور مرنے کے بعد وہاں کے بڑے مدرسہ کے صحن میں دفن کی گئی جو

اس زمانہ میں دنیا کا سب سے بڑا مدرسہ سمجھا جاتا تھا جسے عصمت خاتون نے اَحناف کیلئے وقف کردیا تھا، دنیا کے دیگر آثار کی طرح اس مدرسہ کے بھی آثار اس طرح مٹ گئے ہیں کہ اَب اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔

عصمت خاتون کی بہن ''ماہ ملک'' کی جب شادی ہوئی تو اس کے جہیز کا سامان اصفہان سے بغداد ایک سو چالیس اُونٹوں اور ایک سو خچروں پر لاد کر لایا گیا تھا۔

بنفشہ بنت عبداللہ الرومیہ بھی اُن خواتین میں سے ہیں جن کا نام تاریخ کی کتابوں میں نمایاں طور پر لکھا گیا ہے۔ جو دَرحقیقت خلیفہ وقت المستضی بامراللہ کی باندی تھی لیکن اس کا بڑا مقام تھا اور حکومت میں اس کا بڑا اثر ورسوخ تھا اور بہت سے معاملات میں اسی کا حکم چلا کرتا تھا۔

بنفشہ فطرۃً نیک اور صالح خاتون تھی، فقراء ومساکین کا خیال رکھنے اور صدقہ خیرات کرنے میں وہ بے مثال واقع ہوئی تھی۔ اس نے نہرِ دَجلہ کے کنارے واقع اپنے گھر کے نچلے حصہ کو مدرسہ بنا دیا تھا اور اُس زمانہ کے رواج کے مطابق حنبلی مذہب سے تعلق رکھنے والوں کیلئے اُسے وقف کردیا تھا، اور پھر اس مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے کیلئے مزید جائیدادیں وقف کردی تھیں۔

اُس نے دریائے فرات سے نکلی ہوئی نہرِ عیسیٰ کے اُوپر ایک پُل بنوایا تھا اور اسے دجلہ کے پُل سے جوڑ دیا تھا۔ وہیں اس کے لئے ایک کشادہ اور عالیشان محل بھی بنوایا گیا تھا جس میں بہت سے کمرے اور تفریح گاہیں تعمیر کی گئی تھیں، پھر پُل سے پانی نکلنے کیلئے عجیب وغریب قسم کا نظام قائم کیا گیا تھا اور دجلہ کے پانی سے شہر بغداد کو سیراب کرنے کے لئے بھی ایک نیا سسٹم اس نے قائم کیا تھا۔ اِس کے علاوہ مغربی سمت سے ایک اور پُل تعمیر کرایا گیا تھا جسے دیکھنے کے لئے دُور دُور سے لوگ آیا کرتے تھے اور شعراء نے اس کی تعریف میں قصیدے بھی کہے تھے، اس نے سوق الخبازین کے قریب ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔

اس کے بارے میں مؤرخین نے ایک عجیب وغریب بات یہ لکھی ہے کہ ہر سال عید الفطر کے دن وہ پہلے کھجور صدقۂ فطر کے طور پر نکالتی تھی پھر کہتی تھی یہ تو وہ ہے جو شریعت نے ہم پر فرض کیا ہے لیکن مجھے اتنے سے تشفی نہیں ہوتی، چنانچہ وہ پھر اتنا ہی وزن کر کے خالص سونا نکالتی اور اسے فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دیا کرتی تھی۔

اس نے بے شمار غلاموں اور باندیوں کو آزاد کیا، ۵۹۸ھ میں جب اس کا انتقال ہوا تو اسے امام معروف کرخی کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔

اِن تمام واقعات میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ خواتین خواہ کسی ماحول میں ہوں معاشرہ پر ان کے نقوش بہر حال نمایاں رہتے ہیں۔

f f f ff

شاہی دربار کی باأثر خواتین

خلیفہ ھارون الرشید' عباسی عہد کا سب سے نامور خلیفہ گزرا ہے جسکی سلطنت کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ وہ آسمان پر اُڑتے ہوئے بادلوں سے خطاب کر کے کہتا تھا کہ:

أمطری حیث شئت فإن خراجک سوف یصلنی۔

(جہاں جی چاہے جا کر برسو تمہارا خراج بہرحال مجھے پہنچ کر رہے گا)

ھارون رشید کے کارنامے' مزاجی خصوصیات اور اس کے عہد خلافت کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اُس کی شریکِ حیات ''زبیدہ بنت جعفر'' کی زندگی پر کم روشنی ڈالی گئی ہے حالانکہ وہ اپنے انداز کی منفرد عورت تھی اور بادشاہ کے بہت سے تعمیری و تمدنی پروگراموں میں وہ براہِ راست شریک تھی اور بہت سے آثار اور تاریخی یادگاریں ایسی ہیں جن سے ''زبیدہ'' کا نام جڑا ہوا ہے۔

''زبیدہ'' ۱۶۵ھ میں اور مہدی کے اَیام خلافت میں ہارون الرشید کے نکاح میں آئی تھیں اور مشہور شہزادوں اُمین اور مامون میں سے اُمین کی والدہ ''زبیدہ'' ہی تھیں جبکہ مامون کی ماں ایک باندی تھی، اور فہم و فراست میں مامون اُمین سے بڑھکر تھا اور ھارون الرشید نے جب اپنے بعد خلافت کیلئے مامون کا انتخاب کرنا چاہا تو زبیدہ کو اس سے زبردست صدمہ ہوا اور اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کیلئے وہ ہارون الرشید کے پاس پہنچ گئیں اور کہا کہ میں آزاد خاتون ہوں اور میرے بیٹے اُمین کے بجائے باندی کے پیٹ سے پیدا ہونے والے اپنے بیٹے کو آپ تخت و تاج کا وارث بنانا چاہتے ہیں جو سراسر ناانصافی ہے۔

ھارون الرشید نے سمجھانے کی کوشش کی کہ اُمین سے مجھے بھی محبت ہے لیکن خلافت کیلئے موزوں اُمین نہیں مامون ہے، اور خلافت کا بار ایسا ہے جسکے بارے میں اگر ہم نے

بے احتیاطی سے کام لیا تو اس کے بارے میں ہم سے باز پُرس ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہم سے پوچھے گا کہ ہم نے خلافت جیسی عظیم امانت کو ایک نااہل شخص کے سپرد کس طرح کر دیا؟

لیکن زبیدہ ماننے کیلئے آمادہ نہیں تھیں تو کہا کہ اچھا بیٹھو ہم دونوں کو بلاتے ہیں اور تم دیکھنا کہ دونوں میں کون ایسا ہے جو خلافت کا بار سنبھالنے کا زیادہ اہل ہے؟ اور جس کے سپرد یہ اَمانت کی جانی چاہیئے؟

چنانچہ پہلے اس نے مأمون کو بلایا' مأمون بڑے اَدب سے دربار میں حاضر ہوا باپ کو سلام کیا، شاہی آداب بجالایا پھر سوتیلی ماں زبیدہ سے قریب ہوا اسکی پیشانی اور ہاتھوں کا بوسہ لیا اس کے بعد ہارون الرشید نے اُسے خطاب کر کے کہا کہ: ''بیٹے اَب میرا وقت آخری ہونے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ خلافت کی ذمہ داری تمہیں سونپ دوں کہ میرے بعد تم اس منصب پر فائز ہو کر دنیا پر حکمرانی کروگے''۔

یہ سنکر مأمون رونے لگا کہ میں اس دن کا تصور کیسے کر سکتا ہوں جب آپ کا مبارک وجود ہمارے درمیان نہیں ہوگا اور ہمارے سروں سے آپ کا سایہ اُٹھ جائے گا؟ پھر یہ کہ اگر آپ یہ امانت سونپنی ہی چاہتے ہیں تو میرے مقابلے میں میرے بڑے بھائی اَمین اس کے زیادہ مستحق ہیں وہ ہماری ان مادرِ مہربان (زبیدہ) کے بیٹے ہیں اور حالات پر مجھ سے زیادہ اچھی نظر رکھتے ہیں اسلیئے وہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں''۔

اس کے بعد اس نے اَمین کو بلایا تو وہ اکڑتا ہوا نہایت ہی مغرورانہ انداز سے داخل ہوا، سلام بھی نہیں کیا اور باپ کے برابر جا کر بیٹھ گیا۔

ھارون نے پوچھا کہ ''بیٹے تمہاری کیا رائے ہے کہ میں اپنے بعد خلافت تم کو سونپ دوں؟ تو وہ کہنے لگا کہ اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی؟ اور میرے علاوہ اس کا حقدار بھی کون ہو سکتا ہے؟ میں مأمون سے بڑا بھی ہوں اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک (زبیدہ) کا چہیتا بیٹا ہوں اسلیئے میں ہی اس منصب پر فائز ہونے کا حق رکھتا ہوں''۔

ھارون نے اُسے رخصت کرنے کے بعد زبیدہ سے پوچھا کہ بتاؤ ان دونوں میں

خلافت کا زیادہ مستحق کون ہے؟ تو زبیدہ نے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ مأمون ہی اس کا مستحق ہے پھر بھی ہارون الرشید نے اس کا دل رکھنے کیلئے لکھ دیا کہ خلافت کا مستحق اُمین ہوگا، یہ بات اس وقت کی ہے جبکہ اُمین ابھی کم عمر تھا۔

زبیدہ کو طبعی طور پر اپنے بیٹے اُمین سے محبت تھی چنانچہ اسے جب مشہور امام نحو کسائی کے پاس پڑھنے کیلئے اس نے بھیجا تو کہلا بھیجا تھا کہ یہ بیٹا مجھے بے حد عزیز ہے لہذا تعلیم کے دوران اس پر سختی نہ کریں، لیکن اُستاد نے اس کے جواب میں کہلایا کہ یہی بچہ کل ہو کر تخت وتاج کا مالک بننے والا ہے، اسلئے تعلیم کے دوران ضرورت پڑنے پر اسکی سرزنش بھی کی جاسکتی ہے تاکہ اسکی صحیح تربیت ہوسکے ورنہ ملک کی باگ ڈور وہ کس طرح سنبھال سکے گا؟

ایک مرحلہ وہ بھی آیا کہ اُمین خلیفہ نامزد ہوگیا اور اس کے دشمنوں نے اس کا گھیراؤ کر کے اُسے قتل کرنا چاہا تو زبیدہ پریشان ہوگئیں لیکن اُمین نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ تخت وتاج ایسی چیز ہے جس میں خطرات پیش آیا ہی کرتے ہیں۔

اور جب اُسے صرف چار سال کی خلافت کے بعد قتل کر دیا گیا تو زبیدہ نے اس کا زوردار مرثیہ بھی کہا لیکن بعض لوگوں نے جب اسے بدلہ لینے کیلئے اُکسانا چاہا کہ جسطرح حضرت عائشہؓ حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے نکلی تھیں وہ بھی اس سلسلہ میں اقدام کریں تو اُس نے سختی سے انکار کیا اور کہا کہ عورتوں کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ مردوں کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں آئیں اور پہلوانوں سے پنجہ آزمائی کریں البتہ اس نے مأمون کے نام ایک رقت انگیز نظم لکھ کر بھیجی جس میں ہارون الرشید کے ساتھ اپنے تعلق اور اُمین کے قتل اور اس سے ہونے والے غم کا اظہار تھا اور ساتھ ہی مأمون کی تعریف اور اس سے وابستہ توقعات کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔ چنانچہ مأمون نے جب اُسے پڑھا تو رونے لگا اور کہا کہ میں اس موقع پر وہ جملہ دہراؤں گا جو حضرت علیؓ نے حضرت عثمانِ غنیؓ کی شہادت کے بعد دہرائے تھے۔

واللہ ما أمرت ولا رضیت اللّٰھم جلل قلب طاھر حزناً۔

(خدا کی قسم نہ تو میں نے ان کے قتل کا حکم دیا تھا اور نہ میں اس قتل پر خوش ہوں، اس کے قاتل طاہر کو اللہ تعالیٰ سخت مصیبت میں مبتلا کر دے)

اس کے بعد سے مامون نے زبیدہ کی دیکھ بھال اور شاہانہ خبر گیری کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کیلئے گرانقدر وظیفہ بھی متعین کر دیا تھا، اور اسے ہر طرح کی ذہنی وجسمانی راحت پہنچانے کا سامان کرتا رہا اور ساری زندگی اسے اس کا احساس ہونے نہیں دیا کہ ''مامون'' اس کا اپنا بیٹا نہیں ہے یا یہ کہ اس کے بیٹے کی خلافت میں رُکاوٹ رہا ہے۔

اس سے پہلے جب تک ہارون الرشید زندہ رہا زبیدہ کا دَرباریوں پر خاص اَثر ورسوخ قائم رہا، اور وہ چونکہ خود ہی بلند پایہ ادیبہ شاعرہ اور شاہانہ شان وشوکت کی خاتون تھی اور اس کو معاشرہ میں بڑا مقام حاصل تھا اسلئے شعراءٔ اُدباء اور اَرباب علم ودانش اس کے مقام کا خاص خیال رکھتے، تعریفی قصائد کہتے اور اُس سے انعام پانے کیلئے کوشاں رہتے تھے چنانچہ اس نے بعض شعراء کو بڑے بڑے انعامات سے بھی نوازا۔

ایک شاعر نے اسکی تعریف میں ایسے اشعار کہے جن سے مذمت کا پہلو بھی نکل سکتا تھا تو دَرباریوں نے اسکی خبر لینے کی کوشش کی لیکن اُس نے روک دیا اور کہا کہ اس شخص کی نیت بری نہیں ہے یہ تعریف ہی کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے خیالات کی وہ صحیح تعبیر نہیں کر سکا۔

وہ دَربار کے فقہاء اور طبیبوں کو بھی خوب نوازتی تھی جن میں نامور طبیب جبریل بن بُختیشوع اور ججوں کے سربراہ امام قاضی اَبو یوسفؒ بھی شامل ہیں۔

ایک طرف وہ شاعروں کو حُسن کلام کی داد دیتی تو دوسری طرف غریبوں کی بھی خبر گیری کرتی تھی۔

''زبیدہ'' کی زندگی میں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کا پایا جانا تو ایک طبعی بات ہے لیکن ہارون الرشید ہی کی طرح اسکی زندگی میں بھی خیر کے کئی پہلو تھے۔ اس نے سو ۱۰۰ سے زائد باندیوں کو قرآن کریم زبانی یاد کرا رکھا تھا جن کا کام محل میں قرآن پڑھنا اور ذکر وتسبیح میں مشغول رہنا تھا۔

''زبیدہ'' خود بھی جب حج کے سفر پر جاتی تو بے پناہ پیسے خرچ کرتی اور جب اس کا مُنشی سفر اور دیگر اُمور پر خرچ شدہ رقم کا حساب پیش کرتا تو وہ کہتی تھی کہ اسکی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ بے حساب روزی دیتا ہے۔

''زبیدہ'' کو باغات' محلات' پلوں اور سڑکوں وغیرہ کے علاوہ اچھی اور خوشنما تعمیرات کا خاص شوق تھا۔ اسکی زندگی کا ایک اہم اور بڑا کارنامہ ''نہر زبیدہ'' کی تعمیر ہے جس کے ذریعہ عراق سے مکہ' منیٰ اور عرفات تک حاجیوں کی راحت کیلئے اس نے جو نہر کھدوائی تھی وہ اُس کا بے مثال کارنامہ ہے۔ آج بھی اس عظیم نہر کے آثار منیٰ اور عرفات کی پہاڑیوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

كانت عظيمة الجاه والمال، لها آثار حميدة في طريق الحج۔

(زبیدہ کو بڑا مال وجاہ حاصل تھا اور حج کے راستہ میں اس کے بڑے اچھے آثار اور کارنامے ہیں)

اور جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ ''اَمین'' کی ماں تھی اور ''مامون'' سے اس کو اس لحاظ سے دُوری بھی تھی کہ وہ اَمین کو ہی خلیفہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن جب اَمین قتل ہو گیا اور مامون کا اقتدار پختہ ہو گیا تو ''زبیدہ'' کے ساتھ حُسنِ معاملہ میں مامون نے نہ صرف یہ کہ کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ برابر اس کی اپنی حقیقی ماں کی طرح تعظیم کرتا رہا اور اُس کیلئے ہر طرح کے راحت کے سامان فراہم کرتا رہا جس سے متأثر ہو کر وہ ایک دفعہ کہنے لگی کہ:

لئن فقدت ابنا خليفة لقد عوضت ابنا خليفة لم ألده وما خسر من اعتاض مثلك۔

(اگر میں نے ایک ''خلیفہ بیٹے'' کو کھویا ہے تو مجھے ایک ایسا خلفہ بیٹا مل گیا ہے جسے میں نے نہیں پیدا کیا، اور جسے تم جیسا باکمال واطاعت شعار بیٹا مل جائے اس نے کچھ نہیں کھویا)

''زبیدہ'' کا حقیقی نام اَمَۃُ العزیز تھا اس کے دادا منصور نے پیار سے بچپن میں اُسے ''زبیدہ'' کہا چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہوگئی۔

امام ذہبیؒ نے بھی اس خبر کی تصدیق کی ہے کہ اس کے محل میں ایک سو باندیاں حافظ قرآن تھیں، زبیدہ کا انتقال ۲۱۶ھ میں ہوا۔

ھارون الرشید کو جس طرح قسمت سے سارے ہی باکمال لوگ مل گئے تھے چنانچہ اس کے قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس امام اَبو یوسفؒ تھے تو وزیر جعفر برمکی اور حاجب فضل بن الربیع اور دربار کا شاعر مروان ابن اَبی حفصہ اور دربار کا مغنّی ابراھیم الموصلی اور ندیم عباس بن محمد تھے، اسی طرح اللہ نے بیوی بھی ''زبیدہ'' جیسی کمال و جمال اور رُعب ودَبدبہ والی خاتون عطا کی تھی۔ جو خطیب بغدادی کے بقول:

كانت أرغب الناس في خير وأسرعهم إلى كل بر وهي أسرع الناس في معروف، أدخلت الماء الحرم بعد امتناعه من ذلك إلى أشياء من المعروف۔

(لوگوں میں سب سے زیادہ وہ خیر کے کاموں میں حصہ لینے اور رفاہی اُمور میں پیش پیش رہنے والی خاتون تھیں، یہ ان کا کارنامہ ہے کہ عراق سے حرم تک انہوں نے آب رسانی کا انتظام کیا اور اسکے علاوہ بھی انھوں نے متعدد اچھے کام کیے)

خلفاء کی خواتین کا سیاسی اُمور میں دخیل ہونا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے خود ھارون الرشید کی ماں ''خیزران'' مہدی کی خلافت کے زمانہ میں بڑا اَثر و نفوذ رکھتی تھی چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

وكانت زوجته الخيزران امرأة قوية تحب النفوذ وتهوى السلطان وقد وجدت في أخلاق المهدي ما وافق طبيعتها وشجعها على التمادي فكانت تأمر وتنهى وتشفع وتبرم وتنقض۔ (الفخری /

ص ۱۶۷)

(خلیفہ کی بیوی خیزران بڑی طاقتور خاتون تھیں اور جاہ واقتدار کی خواہاں رہتی تھیں، اور مہدی کے اخلاق کی نرمی کی وجہ سے اُسے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے میں بڑی مدد ملی چنانچہ وہ حکم دیتی، روکتی، سفارش کرتی اور معاملات طے کرتی اور ختم کرتی تھیں)

اس کی حد سے زیادہ سیاسی اُمور میں مداخلت سے تنگ آ کر اس کے بیٹے خلیفہ ھادی نے ایک دن اُسے پیغام بھیجا کہ:

ألا تخرجی من خفر الکفایة إلی بذاذة التبذل إذ لیس من قدر النساء الإعتراض فی أمر الملک وعلیک بصلواتک۔ (العیون والحدائق ۳/ ۲۸۳)

(ضرورت کے مطابق ہی نکلا کرو، خودکو زیادہ پاپلر نہ بناؤ اسلئے کہ عورتوں کا کام ملکی مسائل پر اعتراض کرنا نہیں ہے، تم بس اپنی نمازوں میں مشغول رہا کرو)

اپنے فوجیوں اور دیگر افسروں کے بار بار خیزران سے مراجعت کرنے سے تنگ آ کر ایک دن ھادی نے سبھوں کو جمع کیا اور کہا:

أیما خیر أنا أو أنتم؟ قالوا: بل أنت یا أمیر المؤمنین، قال: فأیکم یحب أن یتحدث الرجال بخبر أمه فیقولوا: فعلت أم فلان قالوا: ما أحد منا یحب ذلک، قال فما بال الرجال یأتون إلی أمی فیتحدثون بحدیثها فلما سمعوا ذلک انقطعوا عنها الیک۔ فشق ذلک علیها فاعتزلته وحلفت ان لا تکلمه فما دخلت علیه حتی حضرته الوفاة۔ (الطبری ۸/ ۲۰۶)

(کون بہتر ہے میں یا تم لوگ؟ لوگوں نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ سے بہتر

کون ہوسکتا ہے۔ تو اس نے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص ہے جو یہ پسند
کرے گا کہ مَردوں کے درمیان اسکی ماں کا ذکر کیا جاتا رہے کہ فلاں کی ماں
نے یہ کیا فلاں کی ماں نے وہ کیا، تو لوگوں نے کہا کہ کوئی بھی اسے پسند نہیں
کرے گا۔ تو بادشاہ نے کہا: تو پھر کچھ لوگ کیوں میری ماں کے پاس جاتے
ہیں اور اُن سے باتیں کرتے ہیں چنانچہ لوگوں نے جانا ترک کر دیا اور وہ
الگ تھلگ ہو کر رہ گئیں جو اُن پر بڑا شاق تھا۔ کہا جاتا ہے ناراضگی کی وجہ
سے انہوں نے مرتے دَم تک بیٹے سے بات چیت نہیں کی)

''زبیدہ'' بھی غیر معمولی عورت تھی لیکن جاہ و منصب کی فطری خواہش کے ساتھ اس کے بہت سے اچھے کارنامے ایسے ہیں جو بعد کی عورتوں کیلئے مشعلِ راہ بن سکتے ہیں اور جن سے مسلم معاشرہ میں عورتوں کے بلند مقام کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

k k k k k

باندیوں کا اَدبی ذوق

''غلامی'' کی زندگی انسان کیلئے بڑی صبر آزما ہوتی ہے، انسان ہوتے ہوئے بھی آدمی بہت سے انسانی حقوق سے محروم رہتا ہے اور اُسے بکاؤ مال کی طرح ایک مالک سے دوسرے مالک کے ہاتھوں منتقل ہوتا رہنا پڑتا ہے اسی لئے ''آزادی'' کو زندگی اور ''غلامی'' کو موت کے مترادف قرار دیا گیا ہے، غلام اور باندیوں کی خرید وفروخت کا سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے اور خاص طور پر جنگی قیدیوں کے لئے اس رواج میں جاں بخشی کی ایک راہ تھی جو اسلام کی آمد کے بعد بھی کچھ عرصے تک باقی رہی لیکن اسلام کے اَبرِ کرم نے جہاں اَوروں کو نوازا اور اس کی تعلیمات نے بہت سی دوسری بیڑیوں کو کاٹا وہیں معاشرہ کا یہ طبقہ بھی اس اَبرِ کرم کی پھواروں سے محروم نہیں رہا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ عالم ہوگیا کہ غلاموں اور باندیوں کی صف میں بڑے بڑے علماء' فکروفن کے ماہرین' شعروشاعری کے دلدادہ اور موسیقی کے زیروبم میں نئی نئی دھنیں ایجاد کرنے والوں کی پوری کھیپ تیار ہوگئی۔ بہرکیف یہ ایک بڑی اہم اور دلچسپ داستان ہے لیکن اس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے ہماری گفتگو تو اسلامی معاشرہ میں عورت کے مقام'' سے متعلق ہے، تو جس طرح آزاد عورتوں کا معاشرہ میں اپنا ایک وزن ہوتا ہے باندیوں کا بھی یہ حق ہے کہ اُنمیں سے کسی بھی فن اور ہنر کی جو ماہر رہی ہوں ان کا اور ان کے کمالات وخصوصیات کا ذکر کیا جائے۔

بادشاہوں کی دَرباری عورتوں یا خلفائے بنی عباس کی حرم سرا سے وابستہ باندیوں کے ذکر میں ایک نام ''عُریب'' کا آتا ہے جس کے بارے میں اِمام ذہبیؒ نے تو صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ:

خلیفہ متوکل کی باندی اور مغنّیہ تھی جس کے بہت سے قصے ہیں لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ وہ جعفر بن یحیٰ برمکی کی بیٹی تھی، جب بَرامِکہ کا زوال آیا اور اُن کا اَثر ورسوخ ختم ہوگیا تو اسی

زمانہ میں اسے صغرسنی کی حالت میں چرا لیا گیا اور پھر باندی کی حیثیت سے اسے فروخت کردیا گیا، چنانچہ یہ پہلے ھارون الرشید کے بیٹے امین کے پاس رہی پھر خلیفہ مامون الرشید سے وابستہ ہوگئی۔

عُریب باندیوں کی صف میں ہونے کے باوجود اپنے وقت کی بڑی باکمال شاعرہ تھی اوراس سے بھی بڑھ کر گلوکارہ یا مغنیہ بھی تھی۔

ایک دن برامکہ کی تباہی و بربادی کے بعد بادشاہ نے خفیہ طور پر کسی کو بھیجا کہ دیکھو کہ اس خاندان کا کیا حال ہے چنانچہ جب ایک شخص نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ تو عُریب نے اس کے جواب میں شعر کہے:

سألونا أن كيف نحن فقلنا من هوى نجمه فكيف يكون

نحن قوم أصابنا عنت الدهر فظلنا لريبه نستكين

(یعنی لوگ ہمارے بارے میں پوچھتے ہیں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ ہمارا کہنا ہے کہ جس شخص کا ستارہ گردش میں آجائے اس کا حال کیا ہوسکتا ہے؟ ہم وہ لوگ ہیں جن پر زمانہ نے مصیبتوں کے پہاڑ توڑے ہیں، چنانچہ ہم اُن مصائب کے بوجھ میں ہی دبے ہوئے ہیں)

اس کے بے شمار اشعار میں سے ایک یہ بھی ہے:

لا غرّني بعدک إنسان فقد بدت لي منک ألوان

وان تغيرت فما حيلتي مالي علی قلبک سلطان

(یعنی تمہارے بعد مجھے کسی اور کا فریب کھانے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ میں نے تمہاری ذات کے مختلف رنگ دیکھ لئے تھے، اور اگر تم بدل ہی گئے ہو تو آخر میں کیا کرسکتی ہوں تمہارے دل پر تو میرا حکم نہیں چل سکتا)

حماد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ:

ما رأيت قط إمرأة أحسن وجها وأدبا وغناء وضربا، وشعرا ولعبا بالشطرنج من عريب وما تشاء ان تجد من خصلة حسنة طريفة

بارعة، من إمرأة إلا وجدتها فيها۔

(عریب سے زیادہ خوبصورت' شعروادب' گانے اور موسیقی میں باکمال کسی اور عورت کو میں نے نہیں دیکھا۔ اور اگر کوئی اچھائی ظرافت اور کمال کا وصف کسی عورت میں ہوسکتا ہے تو عُریب کے اندر وہ سب موجود تھا)

عُریب متعدد عباسی خلفاء کے درباروں میں چمکنے اور اپنی شاعری اور خوش الحانی کا مظاہرہ کرنے کے بعد ۶۹ رسال کی عمر میں ۲۷۷ھ کو اس دنیا سے روپوش ہوئی۔

عُریب ہی کی طرح ''بِدْعَہ'' نامی باندی بھی شعر گوئی اور خوش الحانی میں بڑا کمال رکھتی تھی اور اس کے بھی بہت سے قصے مشہور ہیں۔

ایک دن خلیفہ مُعتضِد نے اسے خطاب کر کے کہا کہ دیکھو میرے بال کس طرح سفید ہونے لگے ہیں مجھے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کے سفید ہوجانے کی وجہ سے بڑی پریشانی ہونے لگی ہے، اُس نے کہا کہ بادشاہ سلامت' آپ تادیر قائم ودائم رہیں اور اپنے بیٹے ہی نہیں پوتوں کو بھی بوڑھا ہوتے ہوئے دیکھ لیں ویسے آپ کے بالوں کی سفیدی نے آپ کے رونق اور جمال میں اور اضافہ کردیا ہے پھر اس نے یہ اشعار بھی کہے:

ما ضرک الشیب شیئا	بل زدت فیه جمالا
قد هذبتک اللیالی	وزدت فیه کمالا
فعش لنا في سرور	وانعم بعیشک بالا
تزید في کل یوم	ولیلة اقبالا
في نعمة وسرور	ودولة تتعالیٰ

(بالوں کی سفیدی نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اور رونق بڑھادی ہے، زمانہ نے آپ کو آراستہ کر کے اور بھی باکمال بنادیا ہے، لہذا آپ ہماری خاطر عیش ونعمت کی زندگی گزاریں، اور ہر دن آپ کے اقبال میں اور اضافہ ہی ہوتا رہے، اور خوشی وسرور میں اضافہ ہو اور عظمت واقتدار دوبالا ہوتا رہے)

چنانچہ خلیفہ نے اُس دن اُسے بیحد انعام واکرام سے نوازا اور کپڑے' عطر اور زینت

وآرائش کے سامان عطا کئے۔

عباسی خلیفہ ''مأمون الرشید'' اپنی علم پروری اور تہذیبی وتمدنی سرگرمیوں بلکہ کارناموں کیلئے مشہور ہے لیکن اس کی ذاتی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں جن سے اسکی شخصیت کی کچھ اور ہی تصویر سامنے آتی ہے۔ ۲۰۲ھ میں اُس نے اپنے وزیر حسن بن سھل کی بیٹی جس کا اصل نام خدیجہ تھا لیکن وہ ''بوران'' کے نام سے مشہور تھی اس کے ساتھ شادی کے بعد جب رُخصتی کا وقت آیا تو ایسی تقریب منائی جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ دلہن کا باپ خلیفۂ وقت کا وزیر اور شوہر خود خلیفۂ وقت پھر انتہائی ناز ونعمت میں پلی ہوئی لڑکی، چنانچہ خوب شادیانے بجے بے پناہ تکلّف کیا گیا اور اخراجات کی تو کوئی حد ہی نہیں رہی، لڑکی کی دادی نے سونے کے ایک طشت میں ایک ہزار آبدار موتی لاکر دلہن پر نچھاور کئے، زرق برق لباس اور قیمتی زیورات کا تو ذکر ہی کیا سارا شہر ہی چمک رہا تھا اور ہر طرف خوشی کے شادیانے ہی بج رہے تھے مأمون نے بکھرے ہوئے موتیوں کو اکٹھا کر کے ''بوران'' کی گود میں رکھ دیا اور کہا کہ تم آج جو کچھ مانگو گی وہ مانگ پوری کی جائے گی، لڑکی شرمار ہی تھی تو تجربہ کار اور سن رسیدہ دادی نے اشارہ کیا کہ بادشاہ سلامت کا دل کھلا ہوا ہے جو کہنا ہے تمہیں کہو تو اس نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ ابراھیم بن مہدی سے آپ ناراض ہیں یہ ناراضگی ختم فرمادیں، بادشاہ کہاں اسے ٹال سکتا تھا چنانچہ اس نے کہا کہ چلو میں نے اسے معاف کردیا۔

پھر ''دلہن'' نے کہا کہ آپ کی سوتیلی ماں ''زبیدہ'' حج کے سفر پر جانا چاہتی ہیں اُنھیں اجازت دیدیں، ''مأمون'' نے یہ درخواست بھی مان لی چنانچہ خوش ہوکر ''زبیدہ'' نے ہی شب زفاف کا لباس دلہن کو زیب تن کرایا، اس شب میں ٹنوں کے حساب سے عنبر کا استعمال کیا گیا، شمعیں روشن کی گئیں، ہر طرف چراغاں کیا گیا۔

سترہ دن تک مأمون اپنے سسرال میں رہا اور ہر دن ہی اس کے وزیر اور ''بوران'' کے والد حسن بن سھل کی طرف سے تمام عہدیداروں کو خلعتوں سے نوازا جاتا رہا، اور شاہی بارات کے شرکاء کو انعامات سے سرفراز کیا جاتا رہا۔

''مأمون'' نے اپنے خسر کو ۱۰/ ہزار دینار دیئے وہ بھی اس نے شادی کی اس

تقریب پر خرچ کر دیا۔

اُس دن کی نشست کیلئے سونے کے تاروں سے تیار کردہ چٹائی بچھائی گئی تھی اور اس پر بڑی مقدار میں سفید موتی کے دانے بکھیر دیئے گئے، سنہری زمین پر آبدار موتیوں کی چمک نے عجیب وغریب منظر پیدا کر دیا تھا۔

لڑکی کے باپ نے ''مأمون'' سے آکر کہا کہ یہ موتی جو نچھاور کئے گئے ہیں وہ تو جس طرح مٹھائی اور چھوارے شرکائے تقریب کا حصہ ہوتے ہیں اسی طرح میں چاہتا ہوں کہ یہ بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔

مأمون نے شاہی خاندان کی عورتوں اور شاہزادیوں کی طرف اشارہ کیا تو ان سبھوں نے موتی کے دانے اٹھا لئے اس کے بعد بھی باقی رہ جانے والے موتی سونے کی چادر یا سنہری چٹائی پر اس طرح جگمگا رہے تھے کہ لوگوں کی نگاہیں چکا چوند ہو رہی تھیں یہ منظر دیکھ کر مأمون کو مشہور عربی شاعر ''ابونواس'' کا ایک شعر یاد آیا جو اس نے اس طرح کا منظر دیکھے بغیر ہی محض اپنے تخیّل کی بلند پروازی سے شراب جس کا وہ دلدادہ تھا کی تعریف میں کہا تھا:

کأن صغری وکبری من فقاقعها

حصباء در علی أرض من الذهب

(اس کی سطح پر ظاہر ہونے والے چھوٹے اور بڑے بُلبلے ایسے لگ رہے ہیں کہ جیسے سونے کی زمین پر کسی نے موتی کے دانے بکھیر دیئے ہوں)

اِس طرح اپنے وقت کی یہ عجیب وغریب اور سب سے قیمتی شادی کی تقریب پوری ہوئی جس کے پیچھے صرف ایک خاتون ''بوران'' کی شخصیت تھی۔ یاد رہے کہ مأمون کی والدہ بھی دراصل ایک باندی ہی تھی۔

عنان یہ بھی باندی ہونے کے باوجود بڑی باکمال شاعرہ تھی، ھارون الرشید نے اسے خریدنا چاہا تھا لیکن مختلف شاعروں نے اس کی منقبت اور مذمّت وہجو میں جو اشعار کہے تھے ان کی شہرت کی وجہ سے وہ اس سے باز رہا، حالانکہ وہ اسے چاہتا تھا اور اپنے دربار میں

رکھنے کا خواہاں تھا۔

مشہور ہے کہ ایک دن ھارون الرشید نے اسے خریداری کیلئے اپنے دربار میں طلب کیا لیکن باندی کے مالک نے اس کی قیمت ایک لاکھ درہم مانگی تو ھارون نے اسے واپس کردیا تو اس کے آقا نے اِس خوشی میں ۳۰/ ہزار درہم صدقہ کردیئے، پھر جب اس کے مالک کا انتقال ہوگیا تو ۲/ لاکھ درہم میں اسے فروخت کیا گیا۔

عنان کی شعر گوئی کا بڑا شُہرہ تھا چنانچہ بڑے بڑے شعراء اس کے ساتھ مقابلہ اور بیت بازی کیلئے آیا کرتے تھے۔

اُس زمانہ کے مشہور شاعر مروان بن سلیمان کا بیان ہے کہ ایک دن اُس کے مالک ''عبداللہ ناطفی'' نے مجھے بلایا کہ آؤ ''عنان'' کے ساتھ شعر گوئی میں مقابلہ کرو چنانچہ میں گیا اور وہ مجھ سے پہلے ہی تیزی سے گھر میں داخل ہوا اور اس سے کہا کہ دیکھو میں سب سے بڑے شاعر کو تمہارے پاس لایا ہوں، لیکن اُس وقت اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی تو اُس نے معذرت کرنی چاہی کہ میں اس وقت کسی سے ملنے کیلئے تیار نہیں ہوں یہ سنکر اُس کے مالک عبداللہ ناطفی نے کوڑا اٹھایا اور اُسے دے مارا، میں جب داخل ہوا تو وہ رورہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو کے قطرات ٹپک رہے تھے، میں نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ:

بکت عنان مسبلا دمعها

کالدر إذ یسبق من خیطه

(عنان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرات اس طرح ٹپک رہے ہیں جیسے موتی کے دانے دھاگے سے نکل رہے ہوں)

تو اُس نے تیزی سے اور برجستہ دوسرا شعر کہا:

فلیت من یضر بها ظالما

تیبس یمناه علی سوطه

(کاش کہ اس شخص کا دایاں ہاتھ جو ناحق اسے مارتا ہوا اس کے کوڑے پر ہی

خشک اور مفلوج ہو کر رہ جاتا)

یہ سن کر میں نے کہا کہ اگر جنوں اور انسانوں میں اس سے بڑھ کر کوئی شاعر ہو تو میری تمام باندیاں اور غلام آزاد ہو جائیں گی اور اپنی تمام مملوکات سے باز آ جاؤں گا اور دستبردار ہو جاؤں گا۔

ایک اور شخص کا بیان ہے کہ میں کتابوں کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ مجھے ایک شعر نظر آیا:

وما زال يشكو الحب حتى رأيته

تنفس من أحشائه وتكلما

(وہ برابر محبت کا شکوہ کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے دل کی گہرائیوں سے سانس لیا پھر گویا ہوا)

چنانچہ مجھے ایسے شاعر کی جستجو ہوئی جو اس پر گرہ لگائے لیکن نہیں ملا، تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ "عنان" کے پاس جاؤ وہ اس کے مقابلہ میں شعر کہہ سکتی اور اس پر گرہ لگا سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے "عنان" کو جب شعر سنایا تو اس نے برجستہ کہا کہ:

ويبكي فأبكي رحمة لبكائه

إذا ما بكى دمعا بكيت له دما

(وہ روتا تھا تو مجھے بھی اس کے رونے پر رحم آتا اور میں رونے لگتا، اور وہ جب آنسوؤں سے روتا تو میں خون کے آنسو بہاتا)

اسی طرح ایک دن مشہور عربی شاعر ابو نواس آیا تو دیکھا "عنان" کو اس کے مالک نے مارا ہے اور وہ اپنا چہرہ دروازہ کی چوکھٹ پر رکھے ہوئے رو رہی ہے اسی حال میں ابو نواس نے شعر کہا:

علقت من لو أتى على أنفس

الماضين والغابرين ما ندما

(میرا تعلق ایک ایسے شخص سے ہو گیا کہ اگر اگلے اور پچھلے سبھی اس پر قربان

ہوجائیں تو پشیمانی نہیں ہوگی)

تو "عنان" نے اس کے جواب میں برجستہ کہا کہ:

لو نظرت عينه إلى حجر
ولّد فيه فتورها نقما

(اگر اس کی بیمار آنکھیں کسی پتھر پر پڑ جائیں تو اسے بھی بیمار کر ڈالیں)

عنان کا ایک شعر یہ ہے کہ:

إذا عقل الخوف اللسان تكلمت
باسراره عين عليه نطوق

(اگر خوف کی وجہ سے زبان بند رہے تو بولتی آنکھیں راز سے پردہ اٹھا دیا کرتی ہیں)

اسی طرح مرثیہ کے طور پر کہے ہوئے اس کے چند اشعار یہ ہیں:

نفسي على حسراتها موقوفة فوددت لو خرجت مع الحسرات
لا خير بعدک في الحياة وإنما أبكي مخافة إن تطول حياتي

(میری جان تو حسرت و غم میں اٹکی ہوئی ہے' کاش وہ غم کے ساتھ ہی نکل جاتی، تمہارے گزر جانے کے بعد اَب زندگی میں کوئی لطف نہیں رہا' میں صرف اِس اندیشہ سے رو رہی ہوں کہ کہیں زندگی طویل نہ ہو جائے)

اِس طرح کی داستان سنانے کا مقصد جہاں یہ ہے کہ باذوق لوگ اس سے لطف اٹھائیں وہیں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے عروج کے زمانہ کے معاشرہ کے اچھے اور بُرے سارے پہلو سامنے رہیں تاکہ تجزیہ کرنے میں سہولت ہو۔ کسی بھی قوم میں جب "چنگ ورُباب" سے دلچسپی بڑھ جائے تو بتدریج اسے زوال کی طرف جانا ہی پڑتا ہے۔

ساتھ ہی یہ نہ بھولنا چاہیے کہ معاشرہ میں عورتوں کی زندگی کا ایک رُخ یہ بھی تھا جن کا ذکر کیے بغیر داستان مکمل نہیں ہو سکتی۔

k k k kk

عربی زبان کے محاوروں میں زنانہ معاشرہ کی عکاسی

کسی قوم میں عورتوں کا کیا مقام ہے اس کا اندازہ لگانے کیلئے اس زبان کے ''محاورے'' اور''ضرب ال أمثال'' ایک بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں جن سے معاشرہ کی اچھی اور بُری دونوں طرح کی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے اور بعض ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن کو جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہوتا۔

''محاورے'' چونکہ روزمرّہ کی گفتگو کا حصہ ہوا کرتے ہیں اسلئے زندگی کی بعض ایسی جھلکیاں دکھلاتے ہیں جو نہ خالص مذہبی کتابوں میں مل سکتی ہیں اور نہ تاریخی دستاویزوں میں۔

قدیم عرب جاہلیت میں جو محاورے رائج تھے اُنمیں سے اگر صرف عورتوں سے متعلق محاوروں کو الگ کرلیا جائے تو کہیں ''وفاداری'' کا وصف سامنے آتا ہے کہیں ''بہادری'' اور ''شجاعت'' کی داستانیں ملتی ہیں اور کہیں بے وفائی' بداخلاقی وبدزبانی وغیرہ کے اوصاف سامنے آتے ہیں اور ہر محاورے کے پیچھے کوئی نہ کوئی اچھی یا بری داستان ہوا کرتی ہے۔مثال کے طور پر عرب کہتے ہیں کہ:

★ أبصر من زرقاء الیمامة۔

(زرقائے یمامہ سے زیادہ دور بیں اور تیز نگاہ)

تو اس محاورہ کا پس منظر تلاش کرنے کیلئے ہمیں ایک لمبی داستان سے واسطہ پڑتا ہے، اسے یوں سمجھئے کہ آجکل تو طرح طرح کی دُوربینیں اِیجاد ہوگئی ہیں اور سراغ رسانی اور دور سے نقل وحرکت کا مشاہدہ کرنے کیلئے ''اُواکس'' طرز کے جہاز فضاء میں اڑتے رہتے ہیں لیکن

قدیم زمانہ میں اور خاص طور پر عربی قبائل اور صحراء کی نیچرل زندگی میں قدموں کے نشانات کی پہچان، پرندوں کی اُڑان اور قدرتی تیز نگاہی وغیرہ سے وہ کام لئے جاتے تھے جو آج کے جدید وسائل اور مشینیں کیا کرتی ہیں۔

''زرقاءؔ'' جدیس قبیلہ کی ایک لڑکی کا نام ہے اس کو قدرت نے بلا کی تیز نگاہی عطا کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تین دن کی مسافت تک کی چیزیں دیکھ لیا کرتی تھی، اور کسی آنے والے خطرے سے اپنی قوم کو پہلے ہی آگاہ کر دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اپنے قبیلہ کی حفاظت اور دشمنوں کی لوٹ مار اور یلغار کو روکنے میں اس کی نگاہیں وہی کام کرتی تھیں جو موجودہ زمانہ میں دوربینوں اور ''اواکس'' طرز کے جہازوں سے لیا جاتا ہے۔ اس تیز نگاہ لڑکی کی شہرت دُور دُور تک پہنچی ہوئی تھی اور اس کے قبیلہ کے دشمن حملہ کرنے سے اپنے کو عاجز محسوس کر رہے تھے۔ ایک دن ان دشمنوں کو ایسی تدبیر سوجھی جو ''زرقاء'' کی تیز نگاہی کا اثر ختم کر دے۔

حملہ آور لشکر نے اپنے ہاتھوں میں درخت کی خوب پتہ دار ٹہنیاں اٹھالیں اور ایک ساتھ اس طرح لشکر کے سارے افراد چلے کہ دُور سے دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ جیسے پورا باغ ہی چلا آرہا ہو۔

''زرقاء'' نے جو دیکھا وہ بیان کیا اور کہا کہ درختوں کا ایک سلسلہ ہے جو تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے لوگوں نے اسکی تصدیق نہیں کی اور سمجھا کہ اس کی نگاہوں میں شاید اَب وہ خصوصیت باقی نہیں رہی چنانچہ لاپرواہی کے ساتھ قبیلہ کے افراد بیٹھے رہے اور اپنی حفاظت کی کوئی تدبیر نہیں کی، چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ واقعی دشمنوں نے رات کے وقت حملہ کیا اور شبخوں مارنے میں کامیاب رہے اور سارا قبیلہ تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔ خود ''زرقاء'' کو بھی انہوں نے گرفتار کر لیا اور اس کی آنکھیں نکال کر ہمیشہ کیلئے اس کی دُور بینی اور تیز نگاہی کا خاتمہ کر دیا لیکن عربی کا محاورہ آج بھی باقی ہے۔

عربی کا ایک محاورہ ہے:

★ أبذیٰ مِنْ مُطَلَّقۃ۔

(طلاق یافتہ عورت سے بھی زیادہ بدزبان)

نکاح ایک مقدس رشتہ ہے لیکن جب ٹوٹ جائے اور عورت اپنا سب کچھ کھو کر شوہر سے علاحدگی پر مجبور ہو جائے تو اُسے طبعی طور پر غصہ آئے گا اور ناراضگی میں اس کی زبان سے جو الفاظ بھی نکل جائیں وہ خلافِ توقع نہیں ہیں۔اَب اگر کوئی عورت بدزبان اور دشنام طراز ہو تو اس کے لئے یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ تو مطلقہ عورت سے بھی زیادہ بدزبان ہے، اس محاورہ میں زندگی کی حقیقت کا ایک خاص پس منظر بیان کیا گیا ہے ورنہ دشنام طرازی نہ تو مطلقہ عورت کیلئے جائز ہے اور نہ کسی اور کیلئے، زبان کی پاکیزگی اور طہارت ہر حال میں مطلوب ہے۔

اسی طرح عربی زبان کا ایک محاورہ ہے:

★ أشأمُ مِن بَسُوس۔ (بسوس سے بھی زیادہ بدبخت)

جس کا پس منظر یہ ہے کہ بنی تمیم کی ایک خاتون جس کا نام ''بسوس'' تھا وہ ملاقات کیلئے اپنی بہن اُمّ جسّاس کے گھر گئی اس کے ساتھ اس کا پڑوسی سعد بن شمس بھی تھا جس کی اُونٹنی ''کُلیب'' نامی شخص کے باغ میں چلی گئی ''کلیب'' نے اُونٹنی کے تھن میں تیر مارا چنانچہ اُونٹنی چیختی چلاتی منہ سے جھاگ نکالتی ہوئی دوڑی، یہ منظر دیکھ کر ''بسوس'' زور سے چیخی، **واذُلَاہ** (ہائے ہماری ذلّت) **واغُربتاہ** (ہائے ہماری بے کسی واجنبیت)

جسّاس نے جب سنا کہ اس کی مہمان فریاد کر رہی ہے اور اپنی ذلت ورسوائی کا واسطہ دے رہی ہے تو اس نے کہا کہ: اے شریف وآزاد عورت تم غم نہ کرو ہم اس کا انتقام لے کر رہیں گے، ہم کُلَیب کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے واقعۃً کلیب کو اس اُونٹنی کی وجہ سے قتل کر دیا جس سے دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور انتقام دَر انتقام کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہ جنگ جو ''حرب بسوس'' کہلاتی ہے چالیس سال تک جاری رہی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ''یہ تو بسوس سے بھی زیادہ منحوس ہے'' جسکی نحوست کی وجہ سے دو قبیلوں میں چالیس سال تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔

★ إنکنَّ صَواحِبُ یُوسُف۔

(تم لوگ تو حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالنے والیاں ہو)

یعنی عورتوں نے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ یہ جملہ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اُس وقت نکلا جب آپ ﷺ انتہائی سخت بیماری کی حالت میں تھے اور آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہوتا جارہا تھا، اور لاغری وناتوانی کی وجہ سے آپ ﷺ کے مبارک جسم میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ آپ حسبِ معمول نمازوں کی امامت فرماسکیں۔

مشہور قصہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن وجمال پر زلیخا فریفتہ ہوگئی تھی اور قرآن کے بیان کے مطابق جب لوگوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ عزیز مصر کی بیوی خود اپنے پروَردَہ ایک غلام پر فریفتہ ہے تو اس نے چال یہ چلی کہ شہر کی معزز خواتین کی دعوت کی اور سبھوں کے ہاتھوں میں چھری دیدی اور عین جب کہ وہ عورتیں چھری کا استعمال پھل کاٹنے کیلئے کرنا چاہ رہی تھیں حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے سامنے سے گزر جانے کا حکم دیا، حضرت یوسف علیہ السلام پر نظر پڑتے ہی تمام عورتیں ششدر رَہ گئیں اور بے خودی میں انہوں نے اپنے ہاتھ ہی کتر ڈالے۔ وہ اس بات کو باوَر ہی نہیں کر پارہی تھیں کہ ایسی شکل وصورت اور ایسے جہاں آرا جمال کا مالک کوئی انسان بھی ہوسکتا ہے، وہ پکار اُٹھیں کہ یہ انسان نہیں کوئی بلند مقام فرشتہ ہے۔

یہ ایسی تدبیر تھی جس کے ذریعہ زلیخا نے اپنے بارے میں ہونے والی چہ میگوئیوں کو ختم کیا اور اُن عورتوں کو جو اُسے طعنے دیا کرتی تھیں خود ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کا گرویدہ بنادیا۔

حضور اکرم ﷺ نے جب یہ حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا جائے کہ وہ اِمامت فرمائیں تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرے والد تو انتہائی نرم دل انسان ہیں وہ اس بار کا تحمل نہ کرسکیں گے، اور یہ بات غلط بھی نہیں تھی کہ حضرت ابوبکرؓ پر جلد گریہ طاری ہوجاتا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کے ذہن میں چونکہ یہ پہلو بھی تھا کہ ایسے وقت میں جبکہ حضور ﷺ کی طبیعت ناساز ہے کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو ناقابل برداشت ہو تو پھر لوگوں کے ذہنوں میں غلط اَثر قائم ہوگا، اس لئے ان کے بار بار اصرار پر فرمایا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالنے والی تم عورتیں ہی تو تھیں۔ یعنی مقصد کچھ اور تھا اور کہہ کچھ اور رہی تھیں اسی مناسبت سے یہ جملہ استعمال کیا گیا جو لوگوں کی زبانوں پر محاورہ کی شکل میں جاری ہو گیا۔

اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قدرت نے حسن و جمال ہی ایسا دے رکھا تھا کہ جسے دیکھ کر کوئی عورت اپنے ہوش و حواس کھو لے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح تم لوگ چاہتی تو یہ ہو کہ حضرت ابو بکرؓ کے آگے بڑھنے سے لوگوں میں آپ ﷺ کے وصال کے بعد چہ میگوئی نہ ہو لیکن کہتی یہ ہو کہ ابو بکرؓ نرم دل ہیں وہ اس جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کی ہمت نہ کر سکیں گے، گویا کہ تم سب بھی عورتوں کے اسی زمرہ سے تعلق رکھتی ہو جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش ہونے والی عورتوں کا تھا۔

★ إنّما نُعطِيْ الّذِي أُعطِينَا۔

(ہم تو وہی لاتے ہیں جو ہمیں ملتا ہے)

ایک شخص کے گھر میں صرف بچیاں ہی پیدا ہوا کرتی تھیں چنانچہ پہلی بچی جب پیدا ہوئی تو اس نے صبر سے کام لیا جبکہ جاہلیت کے زمانہ میں بچیوں کے بارے میں منفی تصورات کا حال معلوم ہے، پھر جب دوسری بچی پیدا ہوئی تو بھی وہ خاموش رہا، جب تیسری بچی پیدا ہوئی تو اَب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کیلئے گھر آنا چھوڑ دیا اور ایک پڑوسی کے گھر میں جا کر رہنے لگا۔

حالانکہ کسی کے گھر میں بچوں یا بچیوں کا پیدا ہونا دونوں ہی خیر و رحمت کا باعث ہے اور عورت کے اختیار میں نہ بچہ ہے اور نہ بچی یہ تو قدرت کی تقسیم ہے اور وہی اس کی حکمت کو جانتا ہے، اسلئے انسان کو ہر حال میں اللہ کی نعمت پہ شکر اَدا کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے عطیہ کو ہنسی خوشی کے ساتھ قبول کرنا چاہئے۔ بلکہ اگر گھر میں بچیاں ہی پیدا ہوں اور انسان انکی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور ان کی صحیح طور پر تعلیم و تربیت کا فریضہ اَدا کرے تو یہی بچیاں اُسے جنت تک لیجانے کا ذریعہ بن جائیں گی جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی

بشارت دی ہے۔

بہرکیف ''بدو'' عورت ہونے کے باوجود سمجھدار اور عقلمند عورت تھی، بچیوں کی پیدائش پر جب اس نے شوہر کی بیزاری دیکھی تو چند رَجزیہ اشعار شوہر کو مخاطب کر کے کہے اور گا کر اُسے سنانے کی اس نے کوشش کی جن کا حاصل یہ ہے:

ما لأبي الزلفاء لا يأتينا　　　وهو في البيت الذى يلينا

يغضب إن لم نلد البنينا　　　وإنما نعطي الذى أعطينا

(ابوزلفاء'' کو کیا ہوگیا ہے کہ انہوں نے ہمارے پاس آنا ہی ترک کر دیا ہے، اور وہ یہیں پڑوسی کے گھر میں رہ رہے ہیں۔ ان کو اس بات پر ناراضگی ہے کہ ہم نے بچے کیوں نہیں پیدا کئے، ہمارا حال تو یہ ہے ہمیں جو عطا ہوتا ہے وہی پیش کر دیا کرتے ہیں)

شوہر نے جب یہ شعر سنے تو اس کی بھی ناراضگی جاتی رہی اور معمول کے مطابق اپنے بال بچوں کے ساتھ رہنے لگا، اور عورت کے کہے ہوئے یہ مصرعے لوگوں کی زبان پر محاورہ اور ضرب الأمثال کے طور پر چڑھ گئے۔

عربی زبان کے محاوروں میں وفاداری کی مثال دینے کیلئے دونوں عورتوں ''اُمّ جمیل'' اور ''اُمّ فُکیہہ'' کے نام آتے ہیں۔

☆ کہا جاتا ہے کہ فلان أوفى من "أمّ جميل" يا من أمّ فُكَيهة"

(یعنی فلاں شخص اُمّ جمیل سے بھی زیادہ وفادار یا وہ اُمّ فُکیہہ سے بھی زیادہ وفادار ہے)

کیونکہ زمانہ جاہلیت کی ان دونوں خواتین نے دو ایسے آدمیوں کی جان بچانے کیلئے غیر معمولی بہادری اور وفاداری کا ثبوت دیا تھا جن کو اُن کے دُشمن قتل کر دینا چاہتے تھے اور ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے گھر تک پہنچ گئے تھے لیکن صرف اس خیال سے کہ بھاگنے والوں نے اُن کے یہاں پناہ لے رکھی ہے کسی قیمت پر ان دشمنوں کے حوالہ کرنے پر یہ

دونوں خواتین آمادہ نہیں ہوئیں چنانچہ ''وفاداری'' کے وصف کے ساتھ ان دونوں عورتوں کا نام ہمیشہ کیلئے محفوظ ہوگیا اور جس طرح حاتم طائی کی سخاوت کا ذکر کیا جاتا ہے اسی طرح اُمّ جمیل کی وفاداری کا ذکر ہونے لگا۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی فصاحت و بلاغت سے نواز رکھا تھا چنانچہ قرآنِ کریم کے بعد آپ ﷺ کے ارشادات ہی عربی زبان واَدب کی اعلیٰ ترین مثال سمجھے جاتے ہیں۔آپ ﷺ کے بہت سے ایسے بول ہیں جو نہ صرف اَدب کے جواہر پارے ہیں بلکہ اُن میں حکمت ودانائی کی بات بھی ہے اور وہ زبان کے محاوروں کی حیثیت سے لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ ان مثالوں میں سے کئی محاورے ایسے ہیں جو عورتوں سے متعلق ہیں۔مثال کے طور پر:

☆ إیاکم وخضراء الدمن۔

(گندگی کی جگہ پر اُگنے والی سبزی سے بچ کر رہا کرو)

ایسی عورت جو نہایت ہی خوبصورت ہو لیکن اس کے اخلاق اتنے بُرے اور گھٹیا ہوں وہ ایسی ہی ہیں جیسے کوڑے اور گندگی پھینکنے کی جگہ پر اُگنے والی گھاس ہوتی ہے، کہ دیکھنے میں نہایت ہی ہری بھری نظر آتی ہے لیکن اس کا پس منظر نہایت ہی گندگی اور غلاظت پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ محض کسی عورت کے ظاہری حسن وجمال اور ٹیپ ٹاپ کو نہ دیکھو اس کی اَخلاقی حالت پر بھی نظر رکھو اسلئے کہ المرأۃ الحسناء في منبت السوء۔ کی حالت ایسی ہوا کرتی ہے جیسے گندگی پر اُگنے والی گھاس کی، لہذا ایسی گھاس دوسرے لفظوں میں ایسی چمک دَمک سے ہوشیار رہا کرو، اور رشتہ اگر ڈھونڈ نا ہے تو محض ظاہری شکل پر نظر نہ رکھو بلکہ عقل ودانش اور اخلاقی اَوصاف کو بھی دیکھا کرو، ورنہ محض ہریالی دیکھ کر دوڑنے کے نتیجہ میں گندگی میں پاؤں کے لت پت ہوجانے کا اندیشہ لگا رہے گا۔

عربی محاوروں میں
خواتین کی تصویر

دیگر زبانوں کی طرح عربی میں بھی محاورے الگ الگ زمانوں میں رائج ہوئے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں انمیں ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا ہے چنانچہ کچھ محاورے اگر اسلامی عہد کے ہیں تو بیشتر محاورے زمانۂ جاہلیت کے ہیں اس لئے دونوں طرح کے محاوروں میں لسانی فرق کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ ابھی تو آپ چند اور محاوروں سے لطف اندوز ہوں۔

★ وافق شن طبقہ۔ (جیسی رُوح ویسا فرشتہ)

عربی زبان کا یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ایک چیز کے بالکل مشابہ دوسری چیز مل جائے اور دونوں میں کسی طرح کا فرق نہ پایا جاتا ہو۔

اِس محاورہ کے پس منظر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قدیم عربوں میں سے ایک شخص نہایت ہی عاقل ودانا تھا جسے ''شن'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اُس کے ذہن میں ایک دن یہ بات آئی کہ میں گاؤں گاؤں کی خاک چھانوں گا اور جب اپنے مزاج کی اور اتنی ہی عقلمند اور دانا لڑکی ملے گی تو میں اس سے شادی کروں گا۔ وہ اسی دُھن میں جارہا تھا کہ راہ میں اسے ایک شخص مل گیا تو اس سے ''شن'' نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ تو اس نے اسی گاؤں کا نام بتایا جہاں ''شن'' کو جانا تھا تو اس نے کہا کہ بہت اچھا، چنانچہ دونوں ساتھ ساتھ روانہ ہوئے راستہ میں چلتے ہوئے ''شن'' نے کہا کہ تم مجھے اٹھاؤ گے کہ میں تجھے اٹھاؤں؟ تو اس کے ساتھی نے کہا تم عجیب بے وقوف آدمی معلوم ہوتے ہو تم بھی سواری

پر ہو اور میں بھی سواری پر ہوں پھر میں تم کو یا تم مجھے کس طرح اٹھاؤ گے؟

کچھ دُور اور آگے چلے تو دیکھا کہ کھیتی کٹی ہوئی ہے تو شَن نے پوچھا کہ کیا رائے ہے اس کھیت کے غلّہ کو لوگ کھا چکے ہیں یا ابھی انھوں نے نہیں کھایا ہے؟ تو اس کے ساتھی نے مزید ناراضگی کے ساتھ کہا کہ تم عجیب آدمی ہو دیکھ رہے ہو کہ کھیتی کٹی ہوئی ابھی زمین میں پڑی ہے تو پھر یہ سوال کس طرح کر رہے ہو کہ اس کا غلہ لوگوں نے کھا کر ختم کر لیا ہے یا ابھی باقی ہے؟

جب گاؤں میں دونوں پہنچ گئے تو دیکھا کہ ایک جنازہ جا رہا ہے تو ''شَن'' نے سوال کیا کہ کیا رائے ہے یہ شخص جس کا جنازہ جا رہا ہے وہ زندہ ہے یا مردہ؟ تو اس کے ساتھی نے جھلاّ کر کہا کہ تم بھی عجیب جاہل آدمی ہو دیکھ رہے ہو کہ جنازہ جا رہا ہے تو اس کے بارے میں پوچھتے ہو کہ وہ زندہ ہے یا مُردہ؟ ''شَن'' خاموش رہا اور اس سے علٰحدہ ہونا چاہا تو اس نے اصرار کیا کہ میرے گھر چلو چنانچہ جب اس کے گھر میں وہ داخل ہوا تو اس شخص کی ایک بیٹی جس کا نام ''طَبَقَۃ'' تھا وہ نئے مہمان کے بارے میں پوچھنے لگی کہ یہ کون ہے تو باپ نے پوری داستان سنائی اور اس کے احمقانہ سوالات کا بھی ذکر کیا تو بیٹی کہنے لگی کہ: ابا جان یہ بے وقوف اور نادان آدمی نہیں ہے یہ تو بڑا ہی دانا معلوم ہوتا ہے۔

اس نے جب یہ پوچھا تھا کہ: تم مجھے اٹھاؤ گے یا میں تم کو اٹھاؤں تو اس کا مقصد یہ تھا کہ راستہ آسانی سے کاٹنے کیلئے میں گفتگو شروع کروں یا تم کروگے؟

اسی طرح جب اس نے کھیتی کے بارے میں سوال کیا تو اس کے سوال کا مقصد اس غلہ کا کھانا نہیں بلکہ یہ تھا کہ اس کے مالک نے اسے بیچ کر اسکی قیمت خرچ کر ڈالی ہے یا ابھی باقی ہے؟

اور جنازہ کو دیکھ کر جب اس نے یہ کہا کہ: یہ زندہ ہے یا مردہ؟ تو اس کی مراد یہ تھی کہ اسکے وارثین میں کوئی ایسا آدمی رہ گیا ہے جو اس کے ذکر کو قائم اور اس کے نام کو زندہ رکھے یا نہیں رہا؟

چنانچہ باپ نے جا کر اپنے مہمان سے کہا کہ تمہارے سوالات کے جوابات میں نے راستہ میں تو نہیں دیئے تھے لیکن اَب دے سکتا ہوں، جب اس نے جواب سنائے تو وہ اجنبی شخص کہنے لگا کہ یہ تمہارے جوابات نہیں ہو سکتے ''کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں'' یہ کسی اور کے جوابات ہیں، تو اس نے کہا کہ میری بیٹی ہے جس کا نام ''طبقہ'' ہے یہ جوابات اس نے دیئے ہیں تو ''شَن'' اس سے بڑا متأثر ہوا اور اسے اپنی مراد ملتی ہوئی نظر آئی چنانچہ اس نے شادی کا پیغام دیدیا۔ اور جب ''شَن'' کی شادی ''طبقہ'' سے ہوگئی تو عربی کا محاورہ بن گیا کہ ''وافق شَنّ طبقة'' اَب جب بھی دو چیزوں میں کامل ہم آہنگی ہو اس کیلئے اس محاورہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک محاورہ یہ بھی ہے:

★ مَاوَرَائَکِ یَاعِصَام؟ (کہو عصام کیا خبر ہے؟)

اس محاورہ کا پس منظر یہ ہے کہ حارث بن عَمرُو کندہ کا حکمراں تھا اسے اطلاع ملی کہ عوف بن محلّم الشیبانی کی بیٹی غیر معمولی حُسن وجمال سے بہرہ وَر اور بڑی ہی عاقل ودانا لڑکی ہے تو اس نے ''عصام'' نامی ایک تجربہ کار خاتون کو بھیجا کہ اس لڑکی کو دیکھ کر آئے اور اس کی مکمل طور پر تصویر کشی کرے، چنانچہ وہ لڑکی کی ماں کے پاس آئی اور آکر کہا مجھے بادشاہِ وقت نے اس مقصد سے بھیجا ہے، ماں نے لڑکی سے کہا کہ دیکھو یہ تمہاری خالہ آئی ہیں تم ان سے کوئی چیز چھپانا نہیں اور اگر یہ کچھ پوچھیں تو اس کا جواب دینا، لڑکی کو دیکھنے کے بعد اس نے کہا کہ: ترک الخداع من کشف القناع۔ (جس نے حقیقت بتلادی اس سے دھوکہ کا اندیشہ باقی نہیں رہا)

چنانچہ اس کا یہ جملہ بھی ایک مستقل محاورہ بن گیا۔ بادشاہ نے جب اسے آتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ:

مَاوَرَاءکِ یَاعِصَام؟ (کہو عصام کیا خبر ہے؟) تو وہ بولی صرح المخض عن الزبد (دودھ کے گھونٹنے سے مکھن نکل آیا)

پھر اس نے نہایت بلاغت وفصاحت کے ساتھ لڑکی کے سر کے بالوں سے لیکر پاؤں تک ایک ایک عضو کی خوبی ذکر کی کہ میں نے پیشانی ایسی دیکھی جو آبدار آئینہ کی طرح ہے اور بال انتہائی سیاہ ہیں، اگر کھلا چھوڑ دے تو وہ زنجیروں کی طرح زلف پیچاں اور اگر کنگھی کرکے ان کو سنوار لے تو انگور کے ان گچھوں کی طرح نظر آتے ہیں جن پر بارش کے پانی نے چمک پیدا کردی ہو۔ بھنویں ایسی کہ گویا قلم سے نشان بنائے گئے ہوں یا کوئلہ سے سیاہ کئے گئے ہوں، اور وہ خوبصورت ہرنی کی آنکھوں کی طرح نظر آتی ہوں، ناک تلوار کی دھار کی طرح خوش وضع، رُخسار ایسے جوار گوان کی مانند اور انمیں موتیوں جیسی سفیدی، اور دہانہ اس میں انگوٹھی کی مانند جس کی مسکراہٹ نہایت ہی قاتل جان اور زبان نہایت ہی فصاحت نشاں، ذکاوت سے آراستہ جواب میں برجستہ، ہونٹ نہایت سرخ، گردن چاندی کی طرح سفید جس کو گڑیا کی طرح بنے ہوئے مجسمہ کے سینے پر جوڑ دیا گیا ہو۔

غرض یہ کہ اس نے بازو' سینے' کمر پنڈلیاں سبھی کی بادشاہ کے سامنے ایسی تصویر کشی کی کہ اس نے فوراً ہی اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دیا اور باپ نے اسے منظور کرلیا اور شادی ہوگئی۔ جب لڑکی رُخصت ہونے لگی تو ماں نے بڑی ہی قیمتی نصیحتوں سے اپنی بیٹی کو رُخصتی کے وقت نوازا جس کا حاصل یہ تھا کہ:

''بیٹی، تم اَب اس گھر اور ماحول سے نکل کر جا رہی ہو جس میں پیدا ہوئی' بڑھی اور پروان چڑھی تھی۔ یاد رکھو کہ اگر کوئی لڑکی اپنے ماں باپ کی تونگری وخوشحالی کی وجہ سے شادی سے بے نیاز ہوسکتی تو تم کو سب سے پہلے بے نیاز ہونا چاہئے تھا لیکن عورتوں کی تخلیق مردوں کیلئے اور مردوں کی عورتوں کیلئے ہی ہوئی ہے۔

قناعت کے ساتھ باہمی زندگی گزارنا، بات ماننے اور فرماں برداری کرنے کو اپنا شعار بنانا، شوہر کی نگاہ جہاں پڑتی ہے اُسے آراستہ اور صاف ستھرا رکھنا، اس کی ناک جہاں پڑتی ہو وہاں معطر رکھنا، لہذا نہ تو اس کی نگاہیں تمہاری کسی

ایسی جگہ پڑنی چاہئیں جو بدمنظر ہو، اور نہ ناک ایسی جگہ پڑنی چاہیئے جہاں سے بدبو آرہی ہو، سرمہ عورتوں کیلئے زینت ہے اور پانی کا استعمال انسان کو بارونق رکھتا ہے۔

اس کے کھانے کے وقت کا خیال رکھنا اور اس کے سونے کے وقت سکون کا ماحول برقرار رکھنا، کیونکہ انسان کو بھوک تیز لگی ہو تو غصہ آیا کرتا ہے، اور نیند میں خلل سے ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔

شوہر کے گھر کے مال کی حفاظت عورت کا کام ہے، اور اُس کے بچوں کی دیکھ بھال اس کا فریضہ ہے۔

اس کے کسی راز کو نہ کھولنا کیونکہ اگر تم نے اس کی راز کی بات ظاہر کر دی تو پھر تم اس کے دھوکہ کا شکار ہو سکتی ہو، اور تم نے اس کی نافرمانی کی تو تم پر وہ بھڑک سکتا ہے، اگر صدمہ ہو تو تم پر بھی غم کے آثار ظاہر ہونے چاہئیں اور اسے اگر خوشی ہو تو تمہیں بھی اس میں شریک ہونا چاہیئے۔

اس کا خوب خوب احترام کیا کروگی اور ہر بات میں اس کی تائید کیا کروگی تو زیادہ عرصہ تک تم اس کے ساتھ رہ سکوگی۔

اور یاد رکھو کہ تمہارے مقاصد اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں جبکہ تم اپنی خواہش پر اس کی خواہش کو ترجیح دیا کرو اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی سے بہتر سمجھو، میری دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بہتری کا معاملہ کرے اور تم کو سعادت کی زندگی نصیب کرے"۔

چنانچہ ماں کی ان نصیحتوں کے ساتھ وہ باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے گھر پہنچی اور اِن نصیحتوں کو گرہ باندھے رکھا، چنانچہ اس نے بڑی خوشی و مسرت کی زندگی گزاری اور ایسے سات بچوں کی ماں بنی جو سب کے سب یمن کے حکمراں بنے اور یکے بعد دیگرے بادشاہت کرتے رہے۔

ان کی بادشاہتیں توختم ہوگئیں اورصدیاں بیت گئیں لیکن لڑکی کو دیکھنے کیلئے اپنی فرستادہ کوخطاب کرکے جو جملہ اس نے کہا تھا کہ مَاوَرَاءکِ یاعِصَام؟(عصام کہو کیا خبر ہے؟)وہ آج بھی محاورہ کےطور پر زندہ اوراَدیبوں کے قلم پررائج ہے۔

محاورہ ہی کےطور پر یہ جملہ بھی استعمال کیا جاتا ہے:

★ لست من نسائک۔(میں تمہارے لئے موزوں شریک حیات نہیں ہوں)

اُمیّہ بن عبداللہ کی باندی بنی سعد قبیلہ کے ایک شخص کے پاس سے گزری، باندی بڑی خوبصورت وخوش کلام تھی، اور وہ شخص شہسواروں میں شمار ہوتا تھا اسے دیکھتے ہی اس نے کہا کہ وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے جس کے پاس تم جیسی عورت ہواور اپنا قاصد بھی پیچھے لگادیا کہ اس سے دریافت کرے کہ وہ شادی شدہ ہے یا نہیں؟ تو باندی نے قاصد سے پوچھا کہ اس کا پیشہ کیا ہے؟ جواب کیلئے قاصد آیا تو اس نے کہلا بھیجا کہ:

''میرے بارے میں جو پوچھ رہی ہے کہ میرا پیشہ کیا ہے اس سے کہدو کہ میں شیر ہوں میرا پیشہ ہردن بڑے بڑے پہلوانوں سے مقابلہ کرنا ہے''

باندی نے اس مفہوم کا شعر قاصد کی زبانی سن کر کہلا بھیجا کہ جاؤ اور کہدو کہ:

أنت أسد فاطلب لنفسک لبوۃ 'لست من نسائک۔

(تم شیر ہو تو اپنے لئے کسی شیرنی کو تلاش کرلو میں تو تمہارے لئے موزوں نہیں ہوں)

باندی کے اس جملہ نے عربی زبان کے مستقل محاورہ کی حیثیت اختیار کرلی جو اس طرح کے موقعوں پر بولا جاتا ہے۔

اسی طرح:

★ کفاقیٔ عینیہ عمدا۔(دانستہ اپنی آنکھیں پھوڑ لینے والے کی طرح)

عربی کے مشہور شاعر فَرَزْدَق کی بیوی ''نوار'' بڑی ہی جرأتمند اور باکمال عورت تھی، اس کا اَدبی ذوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اس کے زمانہ کے نامور شعراء شعروں کی اچھائی کے

بارے میں اس کی رائے لیا کرتے تھے، لیکن فرزدَق کے شاعرانہ لااُبالی پن کی وجہ سے اسے طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور بار بار آپس میں ناچاقی ہو جایا کرتی تھی، چنانچہ دونوں کی لڑائی کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں۔ ایک دن نوار نے تنگ آ کر فرزدَق سے طلاق مانگی کہ تم مجھے طلاق دیدو تو اُس نے کہا کہ میں اس معاملہ میں حضرت حسن بصریؒ کو گواہ بنانا چاہتا ہوں چنانچہ حضرت حسنؒ کو گواہ بنا کر اسے تین طلاقیں دیدیں اور ''نوار'' سے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دیدی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا کہ :نہیں، نہیں، میں نے تم کو طلاق نہیں دی ہے، تو ''نوار'' نے کہا اَب جبکہ تم نے حضرت حسنؒ بصری کو گواہ بنا کر طلاق دی ہے تو اگر انکار کرو گے تو ان کی شہادت پر تم کو رسوائی بھی ہوگی اور سنگسار بھی کئے جاؤ گے۔

تو پشیماں ہو کر فَرَزْدَق نے یہ اشعار کہے:

ندمت ندامة الكسعي لما	غدت مني مطلّقة نوار
وكانت جنتي فخرجت منها	كآدم حين أخرجه الضرار
فكنت كفاقئ عينيه عمدا	فأصبح ما يضئ له النهار

(مجھے نوار کو طلاق دیکر بڑی پشیمانی اٹھانی پڑی، وہ تو میری جنت تھی جہاں سے میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرح اپنی غلطی کی وجہ سے نکل آیا۔ اَب میری مثال اس شخص جیسی ہوگئی ہے جس نے خود ہی جان بوجھ کر اپنی دونوں آنکھیں پھوڑ لی ہوں اور اَب اس کیلئے کبھی دن طلوع نہیں ہوتا)

چنانچہ فرزدَق کے ان اشعار کے ایک جملے نے مستقل محاورہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ یہ محاورہ بھی یاد رکھئے:

★ لو ذات سوار لطمتني۔ (کاش مجھے کسی کنگن والی نے چپت رسید کیا ہوتا)

اگر کسی باحیثیت آدمی کو اس سے کمتر آدمی نے ظلم کا نشانہ بنایا ہو تو ایسے موقع پر یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔

اوراس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص کو ایک ایسی عورت نے طمانچہ مار دیا جو اس کے مقابلہ میں کم حیثیت تھی اور اس کے جسم پر زیورات بھی نہیں تھے جو عزت وحیثیت کی علامت سمجھے جاتے ہیں، تو اس شخص کی زبان سے نکلا کہ کاش مجھے کسی کنگن والی نے مارا ہوتا۔اَب اُس کے اِس جملہ نے محاورہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔

یہ سارے ہی محاورے وہ ہیں جن کا تعلق عورتوں سے ہے، اس طرح کے محاوروں کو اگر اکٹھا کیا جائے تو ایک دلچسپ اَدبی شہ پارہ جمع ہوجائے گا۔بعض کتابیں اس طرح کی لکھی گئی ہیں لیکن یہ میدان بڑا وسیع ہے۔اور ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کیلئے

ZZZZZ

عربی محاوروں میں
خواتین کی زندگی کی جھلک

زبان کے محاروں میں بعض دفعہ بڑی حکمت اور دانائی کی باتیں ہوتی ہیں اور بعض محاورے زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوا کرتے ہیں، ابتدا تو ان کی کسی اتفاقی واقعہ سے ہوا کرتی ہے لیکن دَرحقیقت الفاظ اس کے اتنے بامعنیٰ ہوا کرتے ہیں کہ اگر اُن کی وضاحت کی جائے تو دفتر بھی ناکافی ہو۔ اور بعض دفعہ جس طرح ایک شعر گھنٹوں کی تقریر پر بھاری ہوتا ہے اُسی طرح کسی زبان کا ایک محاورہ اپنی معنویت اور اثر انگیزی میں بڑا وزن رکھتا ہے۔

عورتوں سے متعلق کچھ محاوروں کا پس منظر واضح کیا جا چکا ہے، آیئے مزید چند محاوروں پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ان میں کتنی جامعیت ہے اور ان کے پس منظر میں کیا واقعات رہے ہیں جن کی وجہ سے وہ محاورے بنے۔

عربی زبان کا ایک محاورہ ہے:

★ إياكِ أعني واسمعي يا جارة۔ (میری مراد تو تم ہی ہو لیکن پڑوسن تم بھی سن لو)

جب مراد اپنا پیغام کسی ایک کو سنانا ہو لیکن کسی مجبوری، شرم یا خوف سے خطاب اسکی طرف کرنے کے بجائے کسی اور سے کرے، اور اس کی نوبت انسان کو زندگی میں بارہا آتی ہے کہ اپنی شکایت تو کسی کے سامنے وہ رکھتا ہے لیکن اس پیرایہ میں کہ گویا وہ کسی اور سے خطاب کر رہا ہے یا کسی اور کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے، اس طرح وہ گرفت سے بچ جاتا ہے یا کسی قانونی شکنجہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔

ابتداءً ایک خاتون سے متعلق اس محاورہ کا آغاز برجستہ شعر یا رَجَز یہ مصرعوں کی شکل میں ہوا، قصہ یہ پیش آیا کہ سہل بن مالک الفزاری نامی ایک شخص ایک قبائلی علاقہ میں گیا جہاں اس کی پہچان کسی سے نہیں تھی اس نے قبیلہ کے سردار کا نام معلوم کیا اور اس کے گھر کا رُخ کیا معلوم ہوا کہ وہ وہاں موجود نہیں ہے چنانچہ اُس نے واپسی کا اِرادہ کرلیا، لیکن اس سردار کی بہن نے خوش آمدید کہا اور عربوں کی روایات کے مطابق اس کی میزبانی کی، اسی دوران جب وہ اپنے خیمہ سے باہر نکلی تو اس شخص کی نظر اس پر پڑگئی دیکھتے ہی وہ پرکالۂ آتش اس کی نظروں میں کھُب گئی، اَب کیا تھا اس نے وہیں پراؤ ڈالدیا اور خیمہ سے قریب بیٹھ کر یہ اشعار گنگنانے لگا:

يا أختَ خير البدو والحضارة   ماذا ترين في فتى فزارة

أصبح يهوىٰ حرّة معطارة   إياک أعني واسمعي يا جارة

(اے گاؤں اور شہر کے سب سے اچھے انسان کی بہن' فزارہ قبیلہ کے نوجوان کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ اسے ایک مشام جاں کو معطر کرنے والی آزاد عورت سے تعلق ہوگیا ہے میری مراد تم سے ہی ہے لیکن پڑوسن تم بھی سن لو)

ظاہر ہے کہ بدو عورتوں کی ایک خصوصیت نخوت اور غیرت وحمیّت بھی ہوا کرتی ہے چنانچہ اس نے خیمہ کے اندر سے ہی اس کے جواب میں اسی کے وزن پر یہ اشعار کہے:

إني أقول يا فتى فزارة   لا ابتغي الزواج ولا الدعارة

ولا فراق أهل هذه الحارة   فا رحل إلى أهلک باستخارة

(اے فزاری نوجوان، میں نہ تو شادی کی خواہاں ہوں اور نہ غلط تعلق کی۔ اور نہ اس محلہ کے لوگوں کو چھوڑ کر باہر جانے کی خواہش رکھتی ہوں، لہذا عافیت اسی میں ہے کہ تم خیر وعافیت کے ساتھ اپنے علاقہ اور اہل خاندان میں واپس چلے جاؤ)

اس کی یہ بات سنکر اُسے شرمندگی ہوئی اور معذرت کرنے لگا کہ میرا مقصد غلط نہیں تھا، اسی دوران قبیلہ کا سردار اور اس خاتون کا بھائی واپس آ گیا، نوجوان کی شکل وصورت

چونکہ اس خاتون نے بھی دیکھ لی تھی اسلئے اس کے دل میں رحم آ گیا اور اُسے اشارہ کیا کہ تم شادی کا پیغام دیدو چنانچہ دونوں رشتہ میں جڑ گئے اور خوشی و مسرت کی زندگی گزارنے لگے۔ لیکن جو بات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آج تک محاورہ کی شکل میں باقی رہ گئی ہے وہ یہ مصرعہ ہے کہ:

إیاک أعني و اسمعي یا جارۃ۔ یعنی مراد تو تم ہی ہو گو کہ خطاب کا رُخ پڑوسن کی طرف ہے۔

ایک اور محاورہ ہے:

★ زوج من عود خیر من قعود۔ (فارغ رہنے سے لکڑی کا شوہر ہی بہتر ہے)

بعض لوگوں کا اچھا وصف بھی بیماری بن جایا کرتا ہے، ایک غیرت مند انسان تھا اس کی چار لڑکیاں تھیں لیکن اس میں ''غیرت'' اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ان کی شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا، ایک طویل عرصہ گزر گیا اور لڑکیاں بڑی ہو گئیں۔ شادی کی خواہش چونکہ انسان میں فطری طور پر رکھدی گئی ہے اسلئے ایک طرف تو اُن لڑکیوں کو اپنی عمر کے ڈھل جانے کا فطری احساس تھا اور دوسری طرف باپ کی حد سے بڑھی ہوئی غیرت اور پھر معاملہ بھی شادی کا جو نہایت ہی نازک ہوتا ہے، اور کوئی عورت شرم کے مارے اپنی خواہش کا کبھی اس معاملہ میں آسانی سے اظہار نہیں کر سکتی۔

ایک دن چاروں بہنیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں تو اِن میں سے دو نے شعر میں اپنے خیالی شوہر کے اَوصاف ذکر کئے کہ اس میں یہ اور یہ خصوصیات ہونی چاہئیں تو دوسری بہنوں نے سنکر کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں بڑے رُتبہ والا اور سرداروں جیسا شوہر چاہئے، تیسری بہن نے بھی اپنے خیالات کا اظہار شعر میں کیا جس کو سنکر اس کی بہنیں کہنے لگیں کہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اپنے ہی خاندان کا شوہر چاہئے، چچازاد یا ماموں زاد بھائی تمہارے لئے قابل ترجیح ہے۔ چوتھی بہن جو عمر میں سب سے چھوٹی تھی وہ خاموش سن رہی تھی اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا، اَب تینوں بہنوں نے اس پر زور ڈالنا شروع کیا کہ تم بھی

اپنے خیالات کا اظہار کرو، وہ انکار کرتی رہی تو بہنوں نے کہا کہ یہ بات ممکن نہیں ہے کہ تم تو ہم سبھوں کا راز جان لو اور اپنی بات نہ کہو ہم تمہیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتے تم کو بھی اپنی بات کہنی ہی پڑے گی تو اس کی زبان سے یہ جملہ نکلا:

زوج من عود خیر من قعود۔ لکڑی کا ہی جوڑا کیوں نہ ہو بغیر شوہر کے رہنے سے تو بہتر ہے۔

یعنی کہاں کی شرط؟ اور کون سے اَوصاف، شادی کی عمر ختم ہوتی جا رہی ہے اور بڑوں کی توجہ ہی نہیں ہے، ایسے میں معمولی حیثیت کا شوہر بھی بغیر شوہر کے رہنے سے بہتر ہے۔

اُس کے اِس جملہ نے محاورہ کی حیثیت اختیار کر لی اور اَب ہر ایسے موقع پر جہاں معمولی چیز بھی کسی کو فراہم نہ ہو اور وہ بڑی چیز کے حصول کی اُمید لگائے بیٹھا رہے تو اس کے لئے یہ محاورہ استعمال کیا کرتے ہیں۔

لڑکیوں کی باتیں جب باپ کے کانوں میں پڑیں تو اسے شرم آئی اور اُس نے چاروں کی شادی کرادی اور جب شادی کو ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو پھر سب نے بیٹھ کر نہایت ہی لطیف پیرایہ میں اپنے اپنے شوہر کے اَوصاف ذکر کئے ہیں جو عربی اَدب کا ایک حصہ ہیں۔

اسی طرح ایک محاورہ ہے:

★ **تأبی ذلک بنات لبیی۔** (میرا دل نہیں مانتا)

اِس محاورہ کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نے شادی کی، گھر میں ایک نہایت ہی بوڑھی اور ضعیف العمر ماں بھی تھیں بیوی نے آتے ہی شوہر سے کہا کہ میں اس گھر میں اُس وقت تک رہ ہی نہیں سکتی جب تک کہ یہ بُڑھیا گھر سے نکل نہ جائے۔ شادی چونکہ بڑے اَرمان سے ہوئی تھی اور عورت نے دل و دماغ پر اتنا قابو پالیا تھا کہ اُس شخص نے بیوی کی دھمکی سنکر ماں کو اٹھایا اور ایک ایسی سرزمین پر لے جا کر چھوڑ دیا جہاں کثرت سے درندے اور دوسرے موذی اور جان لیوا جانور موجود تھے، لیکن اپنی اس حرکت کے بعد اس کو خیال ہوا

کہ جا کر دیکھیں کہ جانوروں نے ماں کا کام تمام کر دیا ہے کہ ابھی وہ بدستور زندہ ہے، چنانچہ بھیس بدل کر جب وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ بیٹھی زاروقطار رُو رہی ہے، اس نے اجنبی بن کر پوچھا کہ اماں جی کیوں رو رہی ہیں؟ بوڑھی عورت نے کہا کہ میرا بیٹا مجھے یہاں پھینک کر چلا گیا ہے اَب میں اس لئے رو رہی ہوں کہ یہ جگہ بڑی خطرناک ہے کہیں میرے بیٹے کو کوئی شیر نہ پھاڑ کھائے؟

اس نے کہا کہ جب بیٹے نے آپ کے ساتھ ایسی بدسلوکی کی ہے کہ آپ کو اس جنگل میں لاکر پھینک دیا ہے تو پھر اس ظالم' سنگدل اور نافرمان بیٹے کیلئے رونے کے کیا معنی؟ آپ اُسے ہلاک ہو جانے دیجئے۔

اس موقع پر اُس بوڑھی ماں کی زبان سے یہ جملہ نکلا:

تابی ذلک بنات لببی۔ ہمارا دل اس پر آمادہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ اَب ایسے موقع پر جبکہ ایک آدمی کسی ایسے شخص کی محبت پر مجبور ہو جو اس سے محبت نہیں کرتا تو یہ جملہ بطور محاورہ کے استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی سے قریب وہ واقعہ بھی ہے جس میں صَخر بن عَمرو نامی ایک شخص سخت بیمار ہو جاتا ہے اور اس کی بیماری انتہائی طول پکڑ لیتی ہے اور برسوں وہ صاحب فراش رہتا ہے اور ایک طرف اس کی ماں تیمارداری کر رہی ہوتی ہے تو دوسری طرف اس کی بیوی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور شوہر کی طویل بیماری سے تنگ آ چکی ہے۔

ایک دن کسی نے سُلَیمی نامی اس کی بیوی سے دریافت کیا کہ صَخر کا کیا حال ہے؟ تو اس کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ:

لاھو حیٌ فیرجیٰ ولا میت فینعیٰ

(نہ تو وہ زندہ ہے کہ اس سے آس لگایا جائے، اور نہ مردہ ہے کہ اس پر رویا اور اسکی موت کا اعلان کیا جائے)

یہ جملہ اس کے شوہر نے سن لیا تو اس پر سخت ت اُثر ہوا اور اُس نے چند اشعار کہکر اپنے غم کا اظہار کیا اور اس خیال کو واضح کیا کہ بیوی کبھی بھی ''ماں'' کی طرح نہیں ہوسکتی اور نہ وہ ماں کی محبت اور ''ماممتا'' کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

اُس کے اشعار کا حاصل یہ ہے کہ ''اُمّ صخر'' (یعنی ماں) میری تیمارداری سے تنگ نہیں آئی لیکن سُلیمیٰ (بیوی) میری حالت سے اُکتا گئی ہے اور میری تیمارداری سے بالکل تنگ آ گئی ہے، پھر کہتا ہے کہ ہر غافل شخص اور ہر کان رکھنے والے انسان کو میں آ گاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ ''ماں'' اور ''بیوی'' دونوں کو یکساں سمجھنے والے شخص کا کبھی بھی بھلا نہیں ہوگا، اور ایسا شخص ہمیشہ فریب کا شکار اور ذلت کا مستحق رہے گا۔

اس کے الفاظ جو شعر کی شکل میں ڈھلے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

أری أمّ صخر لا تمل عیادتی وملت سلیمی مضجعی ومکانی

لعمری لقد نبهت من کان نائما واسمعت من کان له أذنان

وأی امرئ ساوی بأمّ حلیلة فلا عاش إلا فی شقی وهوانی

عورتوں سے متعلق ایک اور محاورہ ہے:

☆ رِفقاً بالقواریر۔ (آبگینوں کو نرمی کے ساتھ لے کر چلو)

''اَنجشہ'' ایک حُدی خواں کا نام تھا جو اُونٹوں کا قافلہ لیکر جایا کرتا تھا اور اُونٹوں کی تیز رَوی کیلئے مخصوص قسم کے ترانہ کو ''لَے'' کے ساتھ گاتا بھی جاتا تھا جس سے اُونٹ تیزی کے ساتھ چلنے لگتے تھے جبکہ اُونٹوں پر ہودج ڈال کر خواتین سوار تھیں، اس منظر کو دیکھ کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رِفقاً بالقواریر۔ یعنی اُونٹوں کو اتنی تیزی کے ساتھ مت بھگاؤ جس سے اُن پر سوار عورتوں کو تکلیف ہونے لگے۔

حضرت براء بن مالکؓ کے بیان کے مطابق اُونٹوں پر اُسوقت خود آپ ﷺ کی اَزواج مطہرات سوار تھیں اور آپ ﷺ نے اس جملہ میں عورتوں کو آبگینوں سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح آبگینے ٹوٹ جایا کرتے ہیں اسی طرح ان خواتین کو تکلیف ہوگی یا کم اَزکم ان کے دلوں پر حُدِی خوانی کا اَثر ہوگا، یا پھر تیز رفتاری کی وجہ سے گھبراہٹ طاری ہوگی۔ آپ ﷺ کے اس نہایت ہی موزوں اور بلیغ جملہ نے عربی زبان میں ایک محاورہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔

k k k kk

کاشانۂ نبوّت کی ایک دلچسپ کہانی

گھر کا ماحول پُرسکون ہو تو باہر کی زندگی بھی عام طور پر خوشگوار گزرتی ہے اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ انسان کا معاملہ دَرحقیقت باہر کے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔ زندگی کی قدر کرتے ہوئے عام طور پر انسان کو سنجیدگی کا رویہ اپنانا چاہئے، لیکن جس طرح انسان کو سنجیدہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ کسبِ معاش اور دیگر مقاصد کیلئے تگ ودَو میں لگا رہتا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ کبھی وہ ایسا کام بھی کرے جس سے دل کو راحت ہو اسی لئے اقبال نے کہا ہے کہ:

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

محسنِ انسانیت ﷺ کی زندگی کا امتیاز اور کمال یہ ہے کہ اس میں ایک کامل ومکمل ذات کی شبیہ ملتی ہے اور آپ ﷺ سے بڑھ کر کامل ذات اور ہو بھی کون سکتی تھی؟ آپ ﷺ اپنی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کے ساتھ اس بات کیلئے بھی وقت نکال لیا کرتے تھے کہ اچھے اور تعمیری قصے اور کہانیاں اپنے اہل خانہ کی دلداری کیلئے سنیں۔

جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خواہ آدمی کسی مرتبہ اور مقام کا کیوں نہ ہو اپنے اہل خانہ کے ساتھ اُسے خوش مزاجی کے ساتھ رہنا چاہئے، اِس کا ایک نمونہ وہ اَدبی شہ پارہ ہے جس میں سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے گیارہ عورتوں کی اپنے اپنے شوہروں کے بارے میں رائیں ایک کہانی کی شکل میں سنائیں اور حضور اکرم ﷺ نے اس کہانی کو نہایت ہی غور سے محض اپنی شریک حیات کی دلداری کیلئے سنا ہی نہیں بلکہ اُس پر تبصرہ بھی فرمایا، اور اس کہانی پر اپنی خوشی اور انبساط کا اظہار بھی فرمایا۔

کہانی کا حاصل یہ ہے کہ صحراء کی زندگی ہے، بدوؤں کا معاشرہ ہے، تہذیب وتمدن کی پُرتکلف زندگی سے لوگوں کا ذہن پاک ہے، اُونٹ بکری، غلّہ اور دودھ اور وزنی زیورات اور محنت ومشقت کی زندگی معاشرہ کا امتیاز ہے، ایک دن ایک دیہاتی محفل میں ۱۱ رعورتیں جمع ہوتی ہیں اور باہم یہ طے کرتی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کی خصوصیات کو بے کم وکاست بیان کرے گی اور کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کرے گی چنانچہ باہم عہد کی پابندی کا ایک دوسرے سے پختہ وعدہ لیکر ایک عورت اس طرح گویا ہوئی:

زوجي لحم جمل غث على رأس جبل لا سهل فيرتقى ولا سمين فينتقل۔

(میرا شوہر دبلے اُونٹ کا گوشت ہے اور وہ بھی ایسی پہاڑی پر ہے کہ نہ وہاں تک چڑھا جاسکتا ہے اور نہ گوشت ہی اتنا موٹا ہے کہ اسے کارآمد سمجھ کر منتقل کیا جائے)

اِس مثال میں اس بدو عورت نے تشبیہ کے استعمال میں کمال کردیا ہے، اور شوہر کے دو وصف کو دو چیزوں سے تشبیہ دی ہے، ایک طرف اسے گوشت سے تشبیہ دی ہے اور وہ بھی معمولی اور ناکارآمد گوشت سے اور دوسری طرف اس کے بخل اور بدخلقی وکج روی سب کی اشاروں میں وضاحت کی ہے۔

دوسری عورت نے کہا کہ:

زوجي لا أبث خبره، إني أخاف أن لا أذره، ان أذكره أذكر عجره وبجره۔

(میرا شوہر ایسا ہے کہ میں اس کا حال بیان نہیں کرسکتی کیونکہ اس کی داستان بے حد طویل ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اگر میں بیان کرنے پر آؤں تو پھر اس کے ظاہر وباطن سب کا حال بیان کردوں گی)

تیسری خاتون نے کہا کہ:

زوجی العشنق، إن أنطق أطلق و أن أسکت أعلق۔

(میرا شوہر لمبے قد والا اور بے ڈھب ہے یعنی اس میں کج خلقی اور بیوقوفی والی باتیں جمع ہیں، اگر میں کچھ بولوں تو وہ مجھے طلاق دیدے اور اگر خاموش رہوں تو وہ مجھے لٹکا کر رکھے رہے، نہ چھوڑے کہ کہیں اور جاؤں اور نہ رکھے کہ ازدواجی زندگی کی لذت سے سرشار رہوں)

چوتھی خاتون نے کہا کہ:

زوجی کلیل تھامۃ لا حرّ و لا قرّ، و لا مخافۃ و لا سآمۃ۔

(میرا شوہر تہامہ کی شب کی طرح نہ ٹھنڈا ہے اور نہ گرم یعنی معتدل مزاج واخلاق کا ہے، اس میں کسی طرح کا شر اور فساد نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ زندگی خوشگوار اور پُرسکون گزر رہی ہے، نہ اس سے کسی طرح کا خوف ہے اور نہ اس کے ساتھ زندگی گزارنے سے اُکتاہٹ)

اس طرح گویا اس نے اپنے شوہر کی دوسری عورتوں کے برخلاف تعریف کی، جبکہ دیگر عورتوں نے نئے اور البیلے انداز پر اور اَدبی پیرایہ میں اپنے اپنے شوہروں کی شکایتیں کی ہیں اور ان کے ساتھ زندگی کو تلخ اور ناخوشگوار قرار دیا ہے۔

پانچویں عورت نے کہا کہ:

زوجی إن دخل فھد، و ان خرج أسد، و لا یسأل عما عھد۔

(میرا شوہر ایسا ہے کہ گھر میں آئے تو چیتے کی طرح سونے والا اور گھر کی ضرورتوں سے غافل رہتا ہے اسلئے مجھے ہی اُس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، اور اگر باہر نکلے تو شیر کی طرح بہادری کا اظہار کرتا رہتا ہے، اور جب گھر میں آتا ہے تو کسی چیز کی خبر نہیں لیتا)

بظاہر تو اس سے بھی شوہر کی شکایت ہی نکلتی ہے لیکن بعض شارحین نے اس کو تعریف پر محمول کیا ہے اور یہ مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے کہ میرا شوہر ایسا ہے کہ جب اندر آتا ہے تو

چیتے کی طرح میرے ساتھ لگے رہنے کے علاوہ اور کسی چیز سے اسے سروکار نہیں ہوتا، اور نکلتا ہے تو پھر خوب دادِ شجاعت و بہادری دیتا ہے، اور اگر گھر میں آتا ہے تو مجھ پر اعتماد کی وجہ سے وہ کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتا بلکہ پورے گھر کا نظام اس نے میرے سپرد کر رکھا ہے۔

بعض روایتوں ایک جملہ اور بھی ملتا ہے کہ:

ولا یرفع الیوم لغد۔

(وہ کسی چیز کو کل کیلئے نہیں رکھتا، یعنی جو کماتا ہے سب اُڑاتا ہی رہتا ہے)

چھٹی عورت نے کہا کہ:

زوجي ان أكل لفّ، وإن شرب اشتفّ وإن اضطجع التفّ ولا يولج الكفّ ليعلم البثّ۔

(میرا شوہر ایسا ہے کہ جب کھاتا ہے تو سب کچھ صاف کر دیتا ہے، اور جب پیتا ہے تو کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتا، اور جب لیٹتا ہے تو سارا کپڑا خود ہی لپیٹ لیتا ہے اور میرے لئے کچھ نہیں چھوڑتا، اور کبھی میری طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا کہ میرا حال اسے معلوم ہو سکے اور میری پریشانی کو وہ سمجھ سکے)

یعنی وہ صرف کھانے پینے کا آدمی ہے۔ ساتھ ہی اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس کے پاس کھانے کی مقدار بھی اتنی ہوتی ہے جسے وہ خود ہی چٹ کر جائے، اور سوائے اپنی خواہش پوری کرنے کے مجھ سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔

ساتویں عورت نے کہا کہ:

زوجي عياياء أو غياياء' طباقاء' كل داء له داء، شجّك أو فلّك أو جمع كلاًلك۔

(میرا شوہر ہر طرح کی خرابیوں کا مظہر ہے، اور اس میں مردانگی کا وصف بھی نہیں ہے، اس میں بیوقوفی بھی ہے اور وہ میرے ساتھ معاملہ میں بدسلیقہ بھی

ہے،اور دنیا بھر کی بیماریاں اس میں یکجا طور پر موجود ہیں،خرابیوں کا حال یہ ہے کہ اگر کچھ کہو تو سر پھوڑ دے گا یا جسم کو زخمی کر دے گا، یا دونوں ہی چیزوں کو جمع کر دے گا)

آٹھویں عورت نے کہا کہ:

زوجي المسّ مسّ أرنب والريح ريح زرنب۔

(میرے شوہر کا جسم خرگوش کی طرح نرم ہے یعنی وہ نہایت ہی اچھے اخلاق کا ہے اور اس میں نہایت عمدہ خوشبو اور پاکیزگی ہے اور وہ اچھے اخلاق اور حُسن معاشرت کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت رکھتا ہے)

جبکہ نویں عورت نے کہا کہ:

زوجي رفيع العماد، طويل النجاد، عظيم الرماد، قريب البيت من الناد۔

(میرا شوہر اُونچے ستونوں والا نیک نام اور مشہور ہے، قدوقامت کے لحاظ سے بھی وہ بلند ہے، اس کے گھر پہ راکھ کی کثرت ہے یعنی اس کی میزبانی اور سخاوت کی وجہ سے کبھی اس کے گھر میں آگ نہیں بجھتی اور راکھوں کا ڈھیر لگا رہتا ہے، (اور یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ میرا شوہر قبیلہ کا سردار ہے) اس کے پاس بڑا محل ہے اور اس کی سخاوت کا شہرہ دُور دُور تک ہے)

دسویں خاتون نے کہا کہ:

زوجي مالك، وما مالك؟ مالك خير من ذلك، له إبل كثيرات المبارك قليلات المسارح وإذا سمعن صوت المزهر أيقن أنهن هوالك۔

(میرا شوہر مالک ہے، بڑا ہی متموّل اور بلند رتبے کا ہے، یعنی وہ اپنی تونگری اور خوشحالی میں بے مثال ہے۔ اس کے پاس اُونٹوں کا بہت بڑا گلہ ہے جن کو

بڑی چراگاہوں کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ جیسے گانے کی آوازیں ان اُونٹوں کے کانوں میں پڑتی ہیں ان اُونٹوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یقینا کوئی مہمان پہنچ گیا ہے اَب ہماری خیر نہیں، چھری پر اَب چڑھنا ہی پڑے گا)

اَب گیارھویں عورت کا نمبر آیا تو وہ کہنے لگی کہ:

زوجي أبو زرع وما أبو زرع، أناس من حلي أذني، وملأ من شحم عضدي وبحجني فبحجت إلى نفسي، وجدني في أهل غنيمة بشق فجعلني في أهل صهيل واطيط ودائس ومنق فعنده أقول فلا أقبح، وأرقد فاتصبح وأشرب فاتقمح۔

أم زرع فما أم زرع؟ عكومها رداح وبيتها فساح، إبن أبي زرع فما ابن أبي زرع؟ مضجعه كمثل شطبة ويشبعه ذراع الجفرة، بنت أبي زرع فما بنت أبي زرع؟ طوع أبيها وطوع أمها وملأ كسائها وغيظ جارتها۔

جارية أبي زرع فما جارية أبي زرع؟ لا تبث حديثنا تبثيثا ولا تنفث ميرنا تنفيثا ولا تملأ بيتنا تعشيشا۔

قالت: خرج أبو زرع والأوطاب تمخض فلقي امرأة معها ولدان لها كالفهدين يلعبان من تحت خصرها برمانتين فطلقني ونكحها فنكحت بعده رجلا سريا، ركب شريا وأخذ خطيا وأراح علي نعما ثريا وأعطاني من كل رائحة زوجا وقال: كلي أم زرع وميري أهلك قالت: فلو جمعت كل شيء أعطانيه ما بلغ أصغر آنية أبي زرع۔

قالت عائشة رضي الله عنها: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كنت لك كأبي زرع لأم زرع۔ (رواہ البخاری)

(میرے شوہر کا نام ''ابوزرع'' ہے جس نے زیورات سے میرے کانوں کو بھر دیا ہے اور جسم کو فربہ کردیا ہے اور مجھے اتنا خوش کردیا ہے کہ میں مچل اٹھی، مجھے اس نے بکریاں پالنے والے خاندان میں پایا تو اُونٹ اور گھوڑوں والے خاندان میں لاکر رکھا جہاں غلّے کی فراوانی ہے اور لوگ خدمت پر لگے ہوئے ہیں، چنانچہ میں بولتی ہوں تو مجھ پر اعتراض نہیں کیا جاتا، سوتی ہوں تو آرام سے صبح تک سوتی رہتی ہوں، پیتی ہوں تو خوب سیر ہوکر پیتی رہتی ہوں۔

جہاں تک اُمّ زرع کا حال ہے تو اس کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ اس کا گھر کوٹھیوں سے بھرا ہوا ہے اور اس کا مکان نہایت کشادہ ہے۔

جہاں تک بیٹے کا حال ہے تو وہ آرام سے سوتا اور سیر ہوکر کھاتا ہے۔

اسی طرح اس کی بیٹی وہ اپنے ماں باپ دونوں کی بے حد فرماں بردار ہے اور جسم بھی اس کا فربہ ہے، اس کو دیکھ کر اس کے پڑوسیوں کو رشک ہوتا ہے۔

ابوزرع ایک دن گھر سے نکلا جبکہ دودھ سے مکھن نکالنے کا عمل جاری تھا اسکی نظر ایک ایسی عورت پر پڑگئی جس کے شیر جیسے دو بچے تھے جو اس کے پہلو میں تھے اور اس کے سینے سے لگ کر کھیل رہے تھے اس کو دیکھتے ہی ابوزرع نے مجھے طلاق دیدی اور اس سے شادی کرلی، میں نے بھی اس کے بعد ایک مالدار شخص سے شادی کرلی جس نے مجھے ہر طرح کی نعمتیں فراہم کردیں اور ہر چیز کے دو دو جوڑے دیئے کہ خود بھی کھاؤں اور اپنے میکے کے لوگوں کو بھی بھیجدیا کروں، اس کے باوجود اگر اس کی عطا کردہ تمام چیزوں کو اکٹھا کروں تب بھی وہ ابوزرع کے ایک برتن نہیں بھر سکتیں۔

اس طرح ابوزرع سے جدائیگی اور اس کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کے باوجود ابوزرع کے خیال اور اس کے گھر کی نعمتیں اس کے ذہن سے نہیں نکلیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ کہانی سنکر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے اُسی طرح ہوں جس طرح کے اُم زرع کیلئے ابوزرع تھے)

اِس کہانی سے جہاں اور سبق ملتے ہیں وہیں یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ عظیم مقام پر فائز ہونے کے باوجود اپنے اہل خانہ کا کس حد تک خیال رکھتے تھے اور اُن کے ساتھ کتنے بے تکلف رہتے تھے، اتنی طویل کہانی اور ''بدوؤ'' عورتوں کے اپنے شوہروں کے بارے میں خیالات کو پوری تفصیل کے ساتھ سنتے رہے اور محظوظ ہوتے رہے۔

یقیناً آپ ﷺ کی زندگی تمام لوگوں کیلئے بے مثال نمونہ ہے۔ **فصلی اللہ علیہ وسلم**

ZZZZZ

خواتین شعراء کی شاعری اور ساحری

باکمال عورتوں میں ایک طبقہ خواتین شعراء کا بھی ہے اوران کی داستان بڑی لمبی اور رنگ برنگ ہے۔

ہم آپ کو بعض عرب خواتین شعراء سے روشناس کراتے ہیں جن کا زمانہ الگ الگ ہے لیکن شاعری کا کمال سب میں قدرِ مشترک ہے۔

عصر حاضر کی باکمال خواتین عرب شعراء میں عراقی شاعرہ صابرہ محمود العزّی کا شمار بھی ہوتا ہے جس کے کئی دیوان ہیں

نفحات الإیمان (بادِ ایماں)

نسائم الاسحار (نسیم صبح)

أریج الروضة (بوئے چمن)

وغیرہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں جنمیں سے بعض پر عراق کے نامور شاعر ولید الاعظمی اور نعمان ماہر کنعانی جیسے ماہرین شعر وسخن نے مقدمے لکھے ہیں اور باکمال شاعرہ کو بھرپور داد دی ہے۔

نسائم الاسحار' (نسیم صبح) نامی دیوان کے مقدمہ میں ولید الأعظمی لکھتے ہیں:

دیوان نسائم السحر دیوان ریان یعبق بالطیب والأوراد والزهور والعطور والحیاة والأطیار والطل والأقمار والنجوم والأسحار ونسماتها الندیة وتجد فیه إلی جانب ذلک رائحة البارود والنار والقنابل والسیوف دفاعا عن أمجاد الأمة وثارا من أعدائها۔

بیت شعرها بروح إسلامية عالية وتر دید قطرة تفصح عن إيمان عميق باللہ تعالیٰ وحب غامر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(''نسیم صبح'' نامی دیوان بڑا پاکیزہ دیوان ہے، اس میں گلوں اور گلابوں کی خوشبو بھی ہے زندگی کی داستان بھی اور پرندوں کے چہچہے بھی، اس دیوان میں شعلہ وشبنم بھی ہے اور ماہ وانجم کا ذکر بھی، اور صبح کی رونق بھی ہے اور اس کی دل بہار نسیم بھی ہے، ساتھ ہی آگ وبارود اور تیر وتفنگ کا ذکر بھی جو اُمت کے کارناموں کی طرف سے دفاع اور دشمنوں سے بدلہ کیلئے کہے گئے اشعار کی شکل میں ہیں جو اس نے خالص دینی جذبہ سے کہے ہیں اور جن میں اللہ ورسول ﷺ کی محبت کی بھرپور جھلک پائی جاتی ہے)

جبکہ دوسرے شاعر نعمان ماہر کنعانی کا کہنا ہے کہ:

الحاجة صابرة، شاعرة بالفطرة على نمط شعرائنا القدامى، اذ أنها لم تدرس اللغة ولا النحو والصرف ولم تعرف العروض وعلله وهاهي ديوانها عشرة بحور ۔۔ نظمت فيها القصائد الطوال، والمقطوعات والرباعيات والمثاني۔

(حجن صابرہ ایک فطری شاعرہ ہیں، وہ قدیم زمانہ کی شاعر خواتین سے مشابہت رکھتی ہیں، انھوں نے نہ تو زبان کی تعلیم حاصل کی ہے اور نہ صَرف ونحو یا عربی زبان کے قواعد سیکھے ہیں، نہ شعروں کے وزن کا علم یعنی ''عروض'' سیکھا ہے لیکن ان کے دیوان میں لمبے قصیدے' رباعیات اور مثنوی' قطعات سبھی کچھ ہیں اور ۱۰ ارطرح کی بحریں بھی انہوں نے استعمال کی ہیں)

وہ اپنے رب سے خطاب کر کے کہتی ہیں:

فلقد كتمت تأوهی وتوجعی فی أضلعی
إلا إلیک شکوتها وعلی الوسادة أدمعی
نام العباد ولم أنم والجنب جا فی مضجعی
شوقا لأحلی نغمة قدسیة فی مسمعی

(میں نے اپنے درد واَلم کو اپنے پہلو میں چھپا رکھا ہے، اور سوائے آپ کے کسی اور کے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور آنسوؤں سے میرا تکیہ تر ہو چکا ہے، سب لوگ سو گئے لیکن میں نہیں سوئی اور میرا پہلو بستر سے دور ہی ہے، صرف اس شوق میں کہ آپ کی طرف سے قدسی نغمات میرے کانوں کو بہرہ وَر کر جائیں)

اسی طرح (عرس لُبنیٰ) "لُبنیٰ کی شادی" نامی قصیدہ میں بڑے دل آویز انداز سے اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

یا لعنییها بآفاق المنی کم تتمنی
ترسل الطرف بعیدا رائدا فی کل مغنی
وضعت مرساتها فی مرفأ الحب لتهنا
یا تری ماذا تمنت ولها الآمال تعنی
کل ما تصبو إلیه الغید قد نالته لبنی

(اسکی دونوں آنکھیں کن آرزوؤں کو اپنے اندر لئے ہوئے آفاق کا سیر کر رہی ہیں، اور دور دور تک اسکی نگاہیں ہر بام و در کو دیکھ رہی ہیں، وہ محبت کی آماجگاہ پر آکر ٹک گئی ہیں، اور ساری آرزوئیں جو کسی خوبرو دُلہن کی ہو سکتی ہیں "لبنیٰ" کو وہ سب حاصل ہو گئیں اور شادی اس کے لئے برکت وسعادت کا ذریعہ بن گئی)

اور آخر میں نہایت لطیف پیرایہ میں تصویر کشی کے بعد کہتی ہیں کہ:

زغردت دنیا الأمانی جذرا فی عرس لُبنیٰ
وابتدت قصة إخلاص علیها الکل أثنیٰ

(لبنیٰ کی شادی میں آرزوؤں کی دنیا نے خوب شادیانے بجائے اور اخلاص کی کہانی اس طرح شروع کی کہ سبھوں کی زبان سے آفریں کے کلمات نکل گئے)

غرض یہ کہ ''صابرہ'' عراق کی نہایت باکمال خواتین شعراء میں تھیں، اور ان کے پاکیزہ اشعار شعر واَدب کی دنیا کا نادر ترین تحفہ ہیں جن میں زور وقوت بھی ہے اور رعنائی وبرنائی بھی۔

صالحہ غابش کا شمار بھی بلند پایہ اور باکمال خواتین شعراء میں ہوتا ہے اس کا تعلق متحدہ عرب اِمارات سے ہے، انھوں نے روایتی اور کلاسیکل شاعری کے ساتھ قافیہ اور وزن سے آزاد شاعری بھی کی ہے۔

اس کا ایک دیوان ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا جس کا نام ہے ''بانتظار الشّمس'' (سورج کے انتظار میں) اس میں خوبصورت کہانی کے عنوان سے اپنے ''بے وزن اشعار'' میں کہتی ہیں:

لملموا الحانكم وجودا، إحدى الزوايا المهملة' خبأوا فيها الأغاني المقفلة بمفاتيح الغزل، والنحيب المفتعل، أسدلوا ستر النهاية قد تمرغتم كثيرا في الحكاية قصة الحب العميقة' بليت أحداثها صارت قديمة، اصمتوا ودعوا الأحجار في يدى الطفولة، تتغنى كل يوم بمقولة، كلها حب حكايات جميلة۔

(اے شاعرو! تم اپنے نغموں کو لپیٹ لو، انھیں ایک گوشہ میں ڈال دو اس میں غزل کی کنجیوں سے من گھڑت اور غیر واقعی چیخ وپکار پر مبنی نغموں کو بھی بند کردو، اور ان پر دبیز اور گہرا پردہ ڈال دو۔ محبت کی پرانی اور بے معنیٰ داستانوں کو طویل عرصہ تک تم نے گلے سے لگائے رکھا ہے اَب تم خاموش رہو اور چھوٹے بچوں کے ہاتھوں میں پتھروں کو بولنے دو، ان کو اپنی بات کہنے دو جو حقیقی محبت کی کہانی اور دلچسپ اور خوبصورت کہانی ہے)

طلعہ الرفاعی یہ شاعرہ شام کے ایک معروف علمی و دینی گھرانے میں پیدا ہوئی، ۱۹۷۳ء میں انہوں نے قانون کی ڈگری لی اور ۱۹۵۹ء میں ڈاکٹریٹ مکمل کیا پھر وزارت

مالیات سے وابستہ ہوگئی۔ اس کے والد سید مصطفی رفاعی نے اسے اعلیٰ تعلیم دلانے میں خصوصی دلچسپی لی۔

طلعہ کو زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی اور اس کے شعر میں فن کی بلندی اور احساس کی صداقت دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، مناظر قدرت کی تصویر کشی میں بھی اسے بڑا کمال حاصل تھا۔ اس کے ایک قصیدہ کا عنوان ہے ''وحی الغرب'' (مغرب کا پیغام)

سوئیز رلینڈ میں قیام کے دوران وہاں کے بچوں کو پارک میں کھیلتے کودتے دیکھ کر اسے اپنے ملک کے بیماری اور ناخواندگی کے شکار بچے یاد آ گئے تو اس نے شعر میں اپنے احساس کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس کے ایک قصیدہ کے بعض اشعار اس طرح ہیں:

ها انی أجیل الطرف لا جائع ولا عاری

لا ظمآن یشکو السقم قرب الجدول الجاری

هنا لا هم خبز الیوم ولا اشباع أقدار

یشع الدف ءرغم البرد رغم حلوکة الدار

ویضنی البرد شعبانی دیار النور والناری

(میں نظریں دوڑا رہی ہوں نہ تو یہاں کوئی ننگا ہے نہ بھوکا ہے اور نہ پیاسا، نہ کسی کو کوئی بیماری لاحق ہے یہ سب ایک پانی کی بہتی کیاری کے گرد کھیل رہے ہیں، یہاں رہنے والوں کو نہ آج روٹی کا غم ہے نہ اور کسی طرح کی پریشانی، سخت سردی کے باوجود انھیں گرمی حاصل کرنے کے سامان میسر ہیں اور جگہ کی تاریکی کے باوجود ہر طرح کی سہولتیں ملی ہوئی ہیں جبکہ جو اصل آگ اور روشنی کا ملک ہے وہاں لوگ سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں)

یہ ایک طویل قصیدہ ہے جسمیں اس نے اہل مغرب کے بچوں کی خوش حالی اور عرب دنیا کے بچوں کی بدحالی کا موازنہ کیا ہے اور قصیدہ کا ہر بند اپنے اندر بے مثال زور و قوت اور بے ساختگی و برجستگی لئے ہوئے ہے۔

یہ تو قریب کے زمانہ کی بعض خواتین شعراء کا ذکر تھا۔ قدیم زمانہ میں بھی ایک سے بڑھکر ایک شاعرہ گزری ہیں جنمیں سے بعض خواتین شعراء کو تو مرد شعراء پر بھی فوقیت حاصل تھی، مثال کے طور پر مرثیہ گوئی میں خنساء کو اور غزل گوئی میں لیلیٰ اخیلیہ کو۔ آیئے لیلیٰ العامریہ اور لیلیٰ ال اخیلیہ دونوں کا بھی مختصر ذکر کرتے چلتے ہیں:

لیلیٰ ال اخیلیہ اس کا پورا نام ''لیلیٰ بنت عبداللہ بن الرحال'' تھا، اس کا تعلق قبیلہ بنی عامر سے تھا جو عاشقانہ جذبات اور بے لوث محبت میں مشہور ہے۔ لیلیٰ کا تعلق ''توبہ'' نامی ایک شخص سے ہو گیا تھا جو نہایت فصیح وبلیغ، بہادر اور اچھے اخلاق اور کریمانہ اوصاف میں شہرت رکھتا تھا، عورتوں کے ایک مجمع میں اس کی نظر لیلیٰ پر پڑی تو وہ بھی اس کی محبت کا شکار ہو گیا اور جب لیلیٰ نے اسے آگاہ کر دیا کہ معاملہ ایک طرفہ نہیں ہے بلکہ ع

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

تو اس نے اپنے اشعار میں اس کی طرف اشارے اور اس سے متعلق عشقیہ اشعار کہنے شروع کئے جس سے اسکے باپ کو ناگواری ہوئی اور جب معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا تو اس نے بادشاہِ وقت سے شکایت کی جسکی بنا پر اس کا خون حلال کر دیا گیا اور اس کی گردن مار ڈالنے کا حکم دیدیا گیا۔ لیلیٰ نے اس فیصلہ سے ''توبہ'' کو آگاہ کرنے کیلئے ایسی تدبیر کی جس سے وہ سمجھ گیا کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی ہونے والی ہے، لیلیٰ نے یہ کیا کہ ایک دن بے پردہ وہ راستہ میں سامنے آ گئی جس سے وہ سمجھ گیا کہ آج ضرور کچھ خطرہ ہے کیونکہ لیلیٰ کی عادت بے پردہ سامنے آنے کی نہیں تھی۔

جس کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ:

وكنت إذا ما جئت ليلى تبرقعت

فقد رابني منها الغداة سفورها

(کہ جب میں آیا کرتا تھا تو لیلیٰ برقعہ پہن لیا کرتی تھی اسلئے آج اس کے بے پردہ سامنے آجانے سے مجھے شبہ ہوا کہ ضرور کوئی خطرہ درپیش ہے)

عام طور پر لوگ اسے اس کی داستانِ عشق کی وجہ سے ہی جانتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت ہی بلند پایہ شاعرہ تھی، یہاں تک کہ ''اَصمعی'' جیسا نامور اَدیب اسے شاعری میں ''خنساء'' پر بھی فوقیت دیتا تھا۔

ایک اور اَدیب و ناقد کا قول ہے کہ:

لیلیٰ أکثر تنوعاً و أغزر بحرا و أقوی لفظا و الخنساء اذهب عمودا فی الرثاء۔

(لیلیٰ کی شاعری میں تنوع' اس کے الفاظ میں زور اور اسے ہر وزن میں شعر کہنے پر قدرت حاصل ہے، جبکہ خنساء کو مرثیہ گوئی میں امتیاز اور پختگی حاصل ہے)

ابونواس اس کی شعر گوئی اور شاعرانہ یادداشت کی تعریف کیا کرتا تھا، اسی طرح فرزدق جیسا مغرور شاعر بھی اس کو اپنے آپ پر ترجیح دیا کرتا تھا، اس کے اشعار میں غزل' قصیدے' مرثیے اور فخریہ اشعار سبھی کچھ ہیں۔

لیلیٰ العامریہ بھی ایک فتنہ ساماں اور فتنہ کی شکار نامور خاتون شاعرہ ہے جس کی شہرت عربی اَدب سے بڑھکر دنیا کی متعدد زبانوں میں پھیلی ہوئی ہے اور داستان ''لیلیٰ مجنوں'' ہر طرف عام ہے۔

''مجنوں'' کا اصلی نام ''قیس'' تھا، ایک دن اس کی نظر لیلیٰ پر پڑ گئی اور اس نے ہوش حواس گم کر لئے، ایک مجلس میں لیلیٰ نے اس کی محبت کا امتحان لینے کیلئے اسکی طرف سے بے توجہی برتی اور کسی اور کے ساتھ بات چیت میں مشغول رہی تو دیکھا کہ اس کا رنگ فق ہو گیا ہے اور اس پر دوسرے کی طرف توجہ سخت ناگوار گزر رہی ہے تو لیلیٰ نے دو شعر کہہ کر اسے اطمینان دلایا:

کلانا مظهر للناس بغضا — وکل عند صاحبه مکین

تبلغنا العیون بما أردنا — وفی القلبین ثم هوی دفین

(ہم دونوں ہی لوگوں کے سامنے باہم دشمنی کا اظہار کرتے ہیں جبکہ دونوں کو ایک دوسرے سے بھرپور محبت ہے، اور ہم جو کچھ چاہتے ہیں اس کا اظہار آنکھوں سے ہوجاتا ہے اور ہم دونوں کے دلوں میں عشق کی آگ بھڑک رہی ہے)

اور جب دونوں کی داستان محبت عام ہوگئی اور ''قیس'' پاگلوں کی طرح صحرانوردی کرنے لگا تو اس کے قبیلہ کے کچھ لوگوں نے آ کر لیلیٰ کے باپ سے رحم کھانے کی درخواست کی اور کہا کہ اس کی بدحالی کا خیال کرتے ہوئے اس کی شادی لیلیٰ سے کردے لیکن باپ نے اپنی رسوائی سے بچنے کیلئے بات نہیں مانی اور لیلیٰ کی شادی کسی اور شخص کے ساتھ کردی، قیس کو معلوم ہوا تو وہ صحیح معنوں میں پاگل ہوگیا اور اس کی حالت بالکل غیر ہوگئی چنانچہ وہ کہنے لگا کہ:

الحب لیس یفیق الدھر صاحبه
وإنما یصحو المجنون فی الحین

(محبت سے انسان کو ساری زندگی افاقہ نہیں ہوتا جبکہ جنون میں مبتلا شخص کبھی کبھی ہوش میں بھی آجایا کرتا ہے)

پھر دونوں پر جو کیفیات گزریں اس کی داستانیں دنیا بھر کی اُدبیات میں مختلف انداز سے ذکر کی گئی ہیں اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ:

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

''قیس'' ۹۶ھ میں صحرا کی خاک چھاننے اور لیلیٰ کی محبت میں دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد ہلاک ہوگیا تو لیلیٰ نے کہا کہ:

لم یکن المجنون فی حالة إلا وقد کنت کما کانا
لکنه باح بسر الھوی وإننی قد ذبت کتمانا
قلوب العارفین لھا عیون تری ما لا یراه الناظرونا
والسنة بسر قد تناجی تغیب عن کرام الکاتبینا

واجنحة تطير بغير ريش   إلى ملكوت رب العالمينا
فتسقيها شراب الصدق صرفا   وتشرب من كؤوس العارفينا

(جو حالت مجنوں کی تھی وہی حالت میری بھی تھی لیکن اس نے اپنا ظاہر کر دیا اور میں راز چھپانے کی وجہ سے گھل کر رہ گئی، عارفین کے دلوں میں ایسی نگاہیں ہوتی ہیں کہ وہ ایسی چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں جو دوسروں کو نظر نہیں آتیں، اور ایسی زبانیں ہوتی ہیں جو فرشتوں سے مخفی رہنے والی باتوں کو ظاہر کر دیتی ہیں، اور ان کے پاس بغیر بال کے ایسے پَر ہوتے ہیں کہ وہ رب العالمین کی وسیع کائنات میں اُڑتے رہتے ہیں، چنانچہ وہ خالص سچائی کا جام پیتے ہیں اور معرفت رکھنے والے شرابِ معرفت سے شادکام ہوتے ہیں)

دراَصل یہ ''میمونہ'' نامی شاعرہ کا کلام ہے جو مشہور زماں رابعہ عدویہ بصریہ کی معاصر تھی اور انھیں کی ہم مشرب بھی، لیکن لوگوں نے اس کی حالت زار کی بنا پر اسے ''میمونہ'' کے بجائے ''مجنونہ'' کہنا شروع کر دیا تھا، کسی کے ساتھ رہنے کے بجائے صحراؤں میں پھرا کرتی تھی۔

ابراھیم اَدھم نامی مشہور بزرگ کا قول ہے کہ میں اس کی جستجو میں نکلا تو لوگوں نے کہا کہ وہ اپنی بکریوں کے ساتھ کہیں نواحی علاقہ میں ملے گی، چنانچہ وہاں گیا تو دیکھا وہ نماز پڑھ رہی ہے اور بکری اور بھیڑیا دونوں ایک ساتھ چراگاہ میں ہیں، میں نے کہا کہ کیا تمھیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد نہیں ہے کہ تم بیچ میں آ گئی ہو؟ اللہ تعالیٰ خود ہی حفاظت کرنے والا ہے، تو کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو جائے تو اس کی قدرت کے کرشمے اسی طرح نظر آتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ شاعری میں اگر تصوف کی بھی آمیزش ہو جائے تو بہت سی باتیں ایسی سامنے آتی ہیں جنکو عام عقلیں سمجھنے سے قاصر ہوا کرتی ہیں، ایک تو زمین و آسمان کی خیالی سیر کیلئے شاعری ہی کیا کم ہے؟ پھر اس میں شراب ''معرفت'' بھی شامل ہو جائے تو وہ دوآتشہ بن جایا کرتی ہے۔

ffff

خواتین کیلئے ترقی کی بے شمار راہیں

عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے اور ان کے لئے حصول کمال کی بے شمار راہیں کھولدی ہیں کہ مردوں کے ساتھ مزاحمت اور مقابلہ آرائی کے بغیر ہی وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتی ہیں۔ نہ تو ان کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی جسمانی ساخت اور فطری تقاضوں کو نظرانداز کر کے ان میدانوں میں گھسنے کی کوشش کریں جو ان کے شایانِ شان نہیں ہیں اور جو ان کی حقیقی ذمہ داریوں سے میل بھی نہیں کھاتے۔

مرد و عورت دونوں کی ترقی کی راہیں قدرت نے کھول رکھی ہیں، ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ اُن میں بلند حوصلگی اور عالی ہمتی ہو اور وہ اپنے لئے صحیح میدانِ کار کا انتخاب کریں، اور عالی ہمتی بھی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے بڑے کارناموں کیلئے عالی ہمتی' بچوں کی تربیت میں عالی ہمتی اور صبر و استقامت میں عالی ہمتی وغیرہ۔

بچوں کی تربیت اور گھریلو اُمور کی دیکھ بھال عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری اور اُس کا قابلِ فخر کارنامہ ہے اور اس میدان میں اُس کی کامیابی پوری زندگی کی کامیابی کے مرادف ہے، مسلمانوں کی ۱۴ رسو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ نسلوں کی تربیت میں عورتوں کا زبردست کردار رہا ہے، بڑے سے بڑے علمائے دین' ماہرین علم وفن اور سیاسی واجتماعی قائدین کی زندگیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بڑا بننے اور نامور لوگوں میں شمار ہونے میں اُن کی ماؤں کا زبردست رول رہا ہے، اِمام ثوریؒ، اَوزاعیؒ، شافعیؒ، ربیعۃ الرائیؒ سب کی مائیں ہی دَرحقیقت ان کی بلندیوں کا سبب رہی ہیں۔

صفیہؓ بنت عبد المطلب جب اپنے بیٹے زبیرؓ بن العوام کی بچپن میں سرزنش کیا کرتی

تھیں تو زبیر کے چچا نوفل کہا کرتے تھے کہ تم بچہ کو اس طرح مارتی ہو جیسے کہ تمھیں اس سے دشمنی ہو تو رَجزیہ شعر کے انداز پر وہ کہا کرتی تھیں کہ: ''جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں اسے نفرت اور دشمنی کی وجہ سے مارتی ہوں وہ غلط سمجھتا ہے، میں تو اسے اسلئے سرزنش کیا کرتی ہوں تا کہ وہ باعقل بن جائے اور بہادری کے ساتھ جینا سیکھ لے، لشکروں کو شکست دیکر آئے اور ناکارہ بن کر نہ رہے، اور گھر میں آرام وسکون سے کھائے پیئے کسی کا محتاج نہ ہو''۔

دوسرے لفظوں میں:

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
تا کہ ہوجائے لذت آشنا تلخیٔ دوراں سے

عورتوں کی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی کے بہت سے پہلو ہیں، اُمّ سُلیمؓ کو ان کے شوہر کے ہلاک ہوجانے کے بعد ابوطلحہؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے یہ کہہ کر رشتہ کو مسترد کردیا کہ تم مشرک ہو، پھر اُن سے خطاب کرکے کہا کہ تم جس پتھر کی پوجا کرتے ہو وہ نہ تو تمھیں فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان' اور جس لکڑی کی تم عبادت کرتے ہو اسے بڑھئی جس طرح چاہتا ہے کاٹ چھانٹ کرتا رہتا ہے، یہ بات اس انداز سے انھوں نے کہی کہ ابوطلحہؓ کے دل میں گھر کرگئی اور وہ ایمان لے آئے تو ان سے نکاح کے رشتہ کو قبول کرلیا اور کہا کہ بس تم اسلام لے آئے یہی کافی ہے اَب میں تم سے مہر کے طور پر کچھ اور دینے کا مطالبہ نہیں کروں گی۔

امام سفیان ثوریؒ کی ماں سوت کات کر اپنے بیٹے کی تعلیم کے اخراجات پورے کرتی تھیں وہ اُن سے ایک دن کہنے لگیں کہ جب تم دس باتیں سیکھ لو اُس وقت اپنے نفس کا جائزہ لیا کرو کہ اگر تمہارے حالات میں کوئی بہتری نہیں ہوتی ہے تو سمجھ لو کہ علم تم پر رائیگاں جارہا ہے اور اس کا فائدہ تمہاری ذات کو نہیں پہنچ رہا ہے۔

''معاذہ عدویہ'' اپنے بیٹے سے کہا کرتی تھیں کہ: تم ہمارے دودھ کو حرام کھا کر ضائع مت کرو اور خوب محنت کرکے حلال روزی حاصل کرو اور اسی پر اپنا گزر بسر کیا کرو۔

اُمّ اَسود کہا کرتی تھیں کہ جب بھی میں نے کوئی مشتبہ چیز کھائی ہے میری فرض نماز چھوٹ گئی ہے یا اپنے وظائف میں کسی وظیفہ کا ناغہ ہو گیا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں جب کم عمر تھا تو میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ: ''لڑکوں کے ساتھ زیادہ ہنسی مذاق مت کیا کرو ورنہ وہ شوخ ہو جائیں گے اور تمہارے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئیں گے''۔

مشہور امام اَدب اَصمعی کا بیان ہے کہ ایک اعرابی شخص نے سفر کا اِرادہ کیا تو اس کی ماں نے اسے بلا کر نصیحت کی کہ: اگر تم اس کی پابندی کرو گے تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

علیک بحسن التخلق، ولین الجانب ومرافقة السمحاء المعطین ومجانبة البخلاء المکدین، وعد عن الجزع واله عن النمام، فانها تزرع الضغائن وتزیل الوقاء واطرح حلل الغرور فانها مبغضة والتخلق بها شین واستودعک اللّٰہ والسلام علیک۔

(کتاب الفاضل)

(تم اچھے اخلاق پر قائم رہو اور نرم روی اپناؤ اور داد و دہش کرنے والوں کے ساتھ رہو، بخیلوں سے مانگنے والوں سے دور رہا کرو، گھبرایا مت کرو اور چغلخوری سے دور رہو کیونکہ اس سے دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں، اور وفاداری ختم ہونے والی ہے، تکبر کا لباس ترک کردو کیونکہ اس سے دشمنی بڑھتی ہے اور وہ ناپسندیدگی کی علامت ہے، اَب میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتی ہوں)

ایک اور اَعرابی عورت نے اپنی بیٹی کو بلا کر نصیحت کی کہ:

أی بنیة أوصیک فاحفظی وصیتی وانصحک فاقبلی نصیحتی، إیاک والغیرة المفرطة فانها مفتاح الطلاق، وإیاک وکثرة المعاتبة فانها تؤدی النفاق، وعلیک بالزینة، وأزین زینة الکحل

وأطيب الطيب إسباغ الوضوء واستعمال الماء واستودعك الله۔
(بیٹی میں تمہیں نصیحت کررہی ہوں تم اسے گرہ باندھ لو، تم حد سے زیادہ زود حس اور غیرت مند نہ بننے کی کوشش کرو کیونکہ وہ طلاق کی کنجی ہے، اور حد سے زیادہ دارو گیر بھی نہ کیا کرو کیونکہ اس سے نفاق کی راہ کھلتی ہے، اور زیب وزینت کے معاملہ میں غفلت نہ برتا کرو، اور سب سے اچھی زینت سرمہ اور سب سے اچھی خوشبو اچھی طرح وضو کا التزام اور پانی کا استعمال ہے، اور ان نصیحتوں کو ساتھ لے کر جاؤ اب میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتی ہوں)

ایک اور اعرابیہ (بدو عورت) اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ:

أي بني إن سؤالك الناس ما في أيديهم من أشد الافتقار إليهم، ومن افتقرت إليه هنت عليه، ولا تزال تحفظ وتكرم حتى تسأل وترغب فإذا ألحت عليك الحاجة، ولزمك سوء المال، فاجعل سؤالك إلى من إليه حاجة السائل والمسئول۔
(بیٹے لوگوں سے کچھ مانگنا انتہائی محتاجی کی علامت ہے اور جس کے سامنے تم اپنی حاجت رکھو گے اس کے سامنے تمہارا وقار کم ہوگا اسلئے انتہائی مجبوری کے بغیر کوئی چیز کسی سے مانگنے سے احتراز کیا کرو، اور اگر انتہائی مجبور ہی ہو جاؤ تو ایسا طریقہ ڈھونڈ لو کہ وہ بھی تمہارا محتاج ہو)

عورتوں کی حوصلہ مندی اور عالی ہمتی کا ایک میدان داد و دہش اور جود وسخا بھی ہے، کیونکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مال خرچ کرنا نفس پر شاق ہوتا ہے لیکن باحوصلہ اور باتوفیق لوگوں کو مال خرچ کرنے میں ہی راحت ملتی ہے اور دل کا سکون حاصل ہوتا ہے۔

''عطاء'' کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کیلئے ایک ہار بھیجا جسکی قیمت ایک لاکھ تھی انھوں نے اسے قبول تو کر لیا لیکن فوراً ہی دیگر اُمہات المؤمنین کے

درمیان اُسے تقسیم کردیا۔

اُمّ ذرہ کا بیان ہے ایک دن دو تھیلے بھر کر اُن کے پاس مال آیا جسمیں ایک لاکھ کے قریب رقم تھی انھوں نے اُسے تقسیم کرنا شروع کیا اور شام تک بانٹتی رہیں یہاں تک کہ ایک دِرھم بھی نہیں بچا پھر اپنی باندی سے کہا مجھے افطار کراؤ تو وہ روٹی اور زیتون کا تیل لے کر آئی تو کسی نے کہا کہ اگر آپ نے ایک درھم بچالیا ہوتا تو ہمیں افطار کرنے میں سہولت ہوتی، تو فرمانے لگیں کہ اَب مجھ سے کچھ نہ کہو پہلے یاد دلاتی تو میں کوشش کرتی کہ ایک درھم بچالوں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بہن اُمّ البنین کہتی ہیں کہ ''بخیل کا ستیاناس ہو، اگر بخل کسی راستہ کا نام ہوتا تو میں اس پر ہرگز نہیں چلتی اور اگر کسی کپڑے کا نام ہوتا تو میں ہرگز نہیں پہنتی اور اگر کسی چراغ کا نام ہوتا تو میں کبھی اس کی روشنی میں نہ جاتی''۔

أف للبخل: لو كان طريقا ما سلكته، ولو كان ثوبا ما لبسته ولو كان سراجا ما استضأت به (الامتاع المؤانسۃ ۹۹۳)

عورتوں کی سخاوت اور شانِ کریمی کے ضمن میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ افریقہ کا گورنر روح بن حاتم المھلبی ایک دن قیروان میں اپنی بیوی ''طلّہ ہندیہ'' کے ساتھ اپنے محل میں بیٹھا ہوا تھا کہ خادم آیا جس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جس میں سرخ اور سفید رنگ کے گلاب کے پھول رکھے ہوئے تھے جس کا موسم بھی نہیں آیا تھا خادم سے اس نے پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے ہو؟ تو اس نے کہا کہ ایک شخص نے آکر یہ ہدیہ پیش کیا ہے تو آپ کی خدمت میں لے آیا گورنر نے خوش ہو کر چاہا کہ اُسے انعام دیں تو اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی پلیٹ میں چاندی کے سکّے ''درھم'' بھر دیئے جائیں تو بیوی نے برجستہ کہا کہ:

ما أنصفته (آپ نے اس کے ساتھ انصاف نہیں فرمایا) اس نے دو رنگ کے پھول لاکر دیئے ہیں جن میں سُرخ بھی ہیں اور سفید بھی لہذا آپ کو بھی دو رنگ کے انعام دینے چاہئیں، چنانچہ حکم دیا کے چاندی کے سکّے ''درھم'' اور سونے کے سکّے ''دینار'' دونوں سے

اس کی پلیٹ بھردو تا کہ اسے گلاب کا پھول پیش کرنے پر بھرپور صلہ مل جائے۔

''بکرہ بنت عقبہ'' حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ''حنا'' کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ:

شجرة طيبة وماء طهور۔ (پاکیزہ درخت اور پاک پانی کا نام ہے)

پھر خفاف کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ:

إن كان لک زوج فاستطعت ان تنزعي مقلتيک فتصنعيها أحسن مماهما فافعلي۔

(اگر تم شوہر رکھتی ہو اور یہ ممکن ہو کہ اپنی آنکھوں کی دونوں پتلیاں نکال کر تم انھیں اور خوبصورت بنا سکتی ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرو)

مطلب بن حنطب کہتے ہیں کہ:

دخلت أيم العرب على سيد المسلمين أول العشاء عروسا وقامت من آخر الليل تطحن، يعني أم سلمة۔

(مسلمانوں کے آقا کی خدمت میں عربوں کی معزز خاتون شب کے آغاز میں دلہن بن کر داخل ہوئیں اور رات کے آخری حصہ میں آٹا پیسنے اور چکّی چلانے میں مشغول نظر آ رہی تھیں یہ خاتون حضرت اُمّ سلمہ تھیں)

جبکہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ میں نے جب فاطمہؓ سے شادی کی اُس وقت میرے پاس مینڈھے کی اُس کھال کے علاوہ کچھ نہیں تھا جس پر ہم سویا کرتے تھے۔

جمیل بن سعد الداری غزوہ میں شرکت کیلئے نکلے تو اپنی بوڑھی ماں سے اجازت لی اور کہا کہ آج میں اللہ کی راہ میں نکل رہا ہوں اور ہوسکتا ہے کہ اپنے گزرے ہوئے بزرگوں سے جاملوں چنانچہ جب ان کی شہادت کی خبر ملی تو بوڑھی ماں نے بے مثال صبر واستقامت کا ثبوت دیا اور کہا کہ:

يا بني عشت سعيدا ومت شهيدا وسلكت سبيل آبائک

فرحمک اللہ و آنس غربتک ونفعنی بک یوم القیامۃ ثم قرأت:

الذین إذآ أصابتھم مصیبۃٌ قالوآ إنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون۔

(بیٹے تم نے سعادت کی زندگی بسر کی اور شہادت کی موت تجھے ملی اور ایسی راہ اختیار کی جس سے تمہارے ماں باپ کو خوشی ہو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تمہارے لئے اُنس کا سامان کرے اور قیامت کے دن تم سے مجھے نفع پہنچا ئے پھر اُنہوں نے آیت کریمہ پڑھی)

ایک عرب عورت کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُس نے دیکھا کہ اس کے دو بیٹے ایک ساتھ قتل ہو گئے ہیں تو اس نے کہا کہ الحمد اللہ رب العالمین پھر اس نے ایک شعر پڑھا:

کل بلوی تصیب المرء عافیۃ

ما لم یصب یوم یلقی اللہ بالنار

(ہر مصیبت جو انسان کو لاحق ہوتی ہے وہ ایک طرح کی عافیت ہی ہے بشرطیکہ وہ قیامت کے دن آگ میں نہ ڈالا جائے)

"منفوسہ بنت زید الفوراس" کے بیٹے کو ایسی حالت میں مہلک تیر لگا جبکہ وہ اس کی گود میں تھا تو اس کی زبان سے نکلا:

واللہ لتقدمک أمامی أحب إلی من تأخرک ورائی، ولصبری عنک أجدی من جزعی علیک وما حظ مصیبۃ تحل من التلف وتورث من العطب مثل مضجعک وإن کان فراقک حسرۃ، إن توقع أجرک لخیرۃ۔

(خدا کی قسم تمہارا مجھ سے پہلے جانا بعد میں جانے سے زیادہ پسندیدہ ہے، اور تمہارے حادثہ پر صبر کرنا آہ وبکا کرنے سے زیادہ مفید ہے، یقیناً تمہارا جلد چلا جانا بڑا نقصان ہے اور تمہاری جدائی کا مجھے بے حد غم ہے لیکن اس پر

اَجر کی اُمید رکھتی ہوں)

اسی طرح ''معاذہ عدویہ'' کے جب شوہر اور بیٹے دونوں ہی شہید ہو گئے تو تعزیت کیلئے آنے والی عورتوں کو خطاب کر کے اُس نے کہا کہ:

مرحبا بکن إن کنتن جئتن لتهنئتي فمرحبا بکن، وإن کنتن جئتن لغیر ذلک فارجعن۔

(اگر آپ سب مجھے مبارکباد دینے کیلئے آئی ہیں تو آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں اور اگر کسی اور مقصد کیلئے آپ آئی ہیں تو اللہ کے واسطے واپس لوٹ جائیں مجھے اظہارِ غم اور تعزیت کی ضرورت نہیں ہے)

کھلی ہوئی بات ہے کہ اتنا حوصلہ بسا اَوقات مَردوں میں بھی نہیں ہوتا اور استقامت کا پایا جانا بڑی ہی خوبی کی علامت ہے۔

تمت